نوائے
برِصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی
افغان جہاد

جمادی الثانی ۱۴۴۱ھ فروری ۲۰۲۰ء
بانی مُدیر: حافظ طیّب نواز شہید رحمہ اللہ

”اس امت کے وجود کا کیا جواز بچتا ہے
جس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کی جا رہی ہو؟!“

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

سلطان محمد فاتحؒ کی اپنے بیٹے کے نام وصیت

گومیں اب اس دنیا سے جارہاہوں لیکن اس کا مجھے کوئی افسوس نہیں کیونکہ میں تم جیسا جانشین چھوڑ کر جارہاہوں ۔ بیٹا! عادل، نیک اور رحم دل بن جا۔ بغیر کسی فرق کے رعایا پر اپنی حمایت (کا دامن) پھیلا دے۔ دینِ اسلام کی ترویج کے لیے سرگرم عمل ہوجا اور زمین پر بادشاہی کرنے والوں پر یہ چیز فرض ہے۔ دینی امور کی انجام دہی کو ہر چیز پر مقدم رکھ۔ اس پر مداومت کے سلسلہ میں مت سستی کر۔ ایسے لوگوں کی خدمات حاصل نہ کر جو دینی امور میں دلچسپی نہیں لیتے، گناہوں سے اجتناب نہیں کرتے اور فحاشی میں منہمک رہتے ہیں۔ فسادانگیز نئے کام سے الگ رہ اور ان لوگوں سے دور رہ جو تجھے اس کام پر ابھاریں۔ جہاد کر کے اپنے ملک کی حدود کو وسیع کر۔ بیت المال کی رقم کو بکھرنے سے بچا۔ اس بات سے بچ کہ تیرا ہاتھ اپنی رعایا کے کسی شخص کے مال کی طرف بڑھے مگر جس کا حق اسلام نے دیا ہے۔ ضرورت مندوں کو ان کی خوراک کی ضمانت فراہم کر اور مستحقین کی عزت کر۔

چونکہ علما سلطنت کے اندر جسم میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے ان کی تعظیم کر اور ان کی حوصلہ افزائی کر۔ جب ان میں سے کسی کے بارے میں سنے کہ کسی دوسرے شہر میں ہے تو اسے اپنے پاس لے آ...... اور اس کی عزت افزائی کر۔ خبردار! خبردار! تجھے دولت اور لشکر دھوکہ میں مبتلا نہ کریں۔ اہلِ شریعت کو اپنے دروازے سے دور کرنے سے بچ۔ ایسے کام سے اجتناب کر جس سے شرعی احکام کی مخالفت لازم آتی ہو۔ دین ہمارا مقصود ہے اور ہدایت ہمارا طریقہ کار ہے اسی سے ہمیں کامیابی نصیب ہوئی ہے۔

مجھ سے نصیحت حاصل کر۔ میں اس ملک میں آیا تو یہ ایک چھوٹی چیونٹی کی مانند تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائیں۔ میرے مسلک پر کاربند ہو۔ میری پیروی کر اس دین کی عزت افزائی کے لیے کام کر۔ مسلمانوں کی عزت وتوقیر کے لیے کوشاں ہو۔ ملکی خزانے کو عیش و عشرت اور لہوولعب میں نہ اڑادے۔ ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کر۔ کیونکہ یہی چیز ملکی دولت کی بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے۔

(بحوالہ سلطنتِ عثمانیہ از شیخ محمد صلابی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے افغان جہاد

جلد نمبر: ۱۳، شمارہ نمبر: ۲

جمادی الثانی ۱۴۴۱ھ | فروری ۲۰۲۰ء

بانی مدیر، حافظ طیب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ نفاذِ شریعت کی مبارک محنت اور دعوتِ جہاد میں سرگرمِ عمل تھے کہ انہیں پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں نے اسی جرم کے سبب اولاً گرفتار و لاپتہ کیا اور بعد ازاں ایک جعلی مقابلے میں شہید کر دیا۔

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nawaiafghan.com

www.nawaiafghan.com

www.nawai.co/Twitter

www.nawai.co/Channel

www.nawai.co/Bot

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے

امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''۱) ننگے پیر چلنا سیکھو اور چلو۔ ۲) تہبند (شلوار) کو ٹخنوں سے اوپر رکھو۔ ۳) اور تیر اندازی سیکھو!''

[کنز العمال (کتاب الجہاد)]

اس شمارے میں

ادار یہ		
تزکیہ و احسان	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت	7
حلقۂ مجاہد	تقویٰ، اس کی اہمیت اور فوائد	11
	مجاہد کا زادِ راہ	12
قیامت کی نشانیاں	علم علاماتِ قیامت کی اہمیت [۲]	15
نشریات	اسلام تیرا دیس ہے، تو مصطفوی ہے! (از استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ)	18
لبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم!	گستاخانِ رسول سے انتقام لینے کے تین طریقے	23
	سلمان تاثیر گستاخیٔ رسول کا مرتکب تھا!	25
	عاشقانِ ناموسِ رسالت اور نظامِ پاکستان	31
	ناموسِ رسالت کسی خاص مکتبۂ فکر کا مسئلہ نہیں	33
	آخر شبِ دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ	34
	آقا صلی اللہ علیہ وسلم، او نجھ تے غریب آں......	35
تہذیبِ مغرب......ہوس میں غلطاں	صنفِ نازک......تہذیب و تمدن کے آئینے میں	36
	یومِ بے حیائی	44
	مادر پدر آزادی	46
	ویلنٹائنز ڈے، تاریخ اور حکمِ شرعی	48
أنصروا الإمارة الإسلامية	امارتِ اسلامی افغانستان......تاریخِ اسلامی کے اہم موڑ پر	52
فکر و منہج	آج آپ سید احمد شہیدؒ کی وراثت کے امین بنائے جا رہے ہیں!	54
	عصرِ حاضر کا سحر......پہچان، حفاظت اور تعامل [۲]	59
	قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ	66
	نظامِ طاغوت سے برأت	69
	دہشت گردی کیا ہے؟	72
	یہودیوں کی جدید تاریخ	76
	حق اور ہدایت کا اصلی سرا کسی طالع آزما کے سپرد مت کیجیے!	83
صحبت با اہلِ دل!	مع الاستاذ فاروق	87
پاکستان کا مقدر......شریعتِ اسلامی کا نفاذ!	نوجوانوں سے......وہ جو پڑھے لکھے ہیں!	89
	خیالات کا ماہنامچہ	90
کشمیر......غزوۂ ہند کا دروازہ!	آخری انجام پرہیزگاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے	95
......ہند ہے سارا میرا	کہیں یہ شروعات تو نہیں؟	98
	ہندوستان میں جاری مظاہروں پر تفصیلی مضمون	100
عالمی منظر نامہ	صلیبی و صہیونی دجّال کی آمد کا راستہ ہموار کر رہے ہیں!	104
میدانِ کارزار سے......	قرآن میں ہو غوطہ زن......	105
	مائیں......	107
ناول	سلطانئ جمہور (قسط نمبر: 4)	109
وغیرہ وغیرہ	اِک نظر ادھر بھی!	116

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

قارئینِ کرام!

عصرِ حاضر کی سب سے بڑی صلیبی جنگ جاری ہے۔ اس میں ابلاغ کی تمام سہولیات اور اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے تمام ذرائع، نظامِ کفر اور اس کے پیروؤں کے زیرِ تسلط ہیں۔ ان کے تجزیوں اور تبصروں سے اکثر اوقات مخلص مسلمانوں میں مایوسی اور ابہام پھیلتا ہے، اس کا سدِ باب کرنے کی ایک کوشش کا نام 'نوائے افغان جہاد' ہے۔

نوائے افغان جہاد:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- عالمی جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے......اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں!

اداریہ

فروری کا مہینہ تاریخِ پاکستان میں دو اعتبار سے اہم ہے، اس میں ۲۹ فروری ۲۰۱۶ء کو عاشقِ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم، غازی ممتاز قادری کو تختۂ دار پر چڑھایا گیا اور ۵ فروری، سرکاری سطح پر پاکستان میں 'یومِ یکجہتیٔ کشمیر' کے طور پر ۱۹۹۰ء سے 'منایا' جاتا ہے۔

ریاستِ پاکستان، جس کا قیام لا الٰہ الا اللہ کے نفاذ، اور محمد رسول اللہ کی شریعت کی حکمرانی کے لیے ہوا تھا، اس کی اسلامی حیثیت کو سمجھنے کے لیے صرف ممتاز قادریؒ اور سلمان تاثیر کا قضیہ ہی کافی ہے۔ اس قضیے کے بعض پہلو کفری ہیں (نقلِ کفر، کفر نہ باشد!)۔

سنہ ۲۰۰۹ء میں 'آسیہ مسیح' نامی عورت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی مرتکب ہوئی اور کئی وثائق سے آسیہ مسیح کا اپنا بیان ثابت ہے کہ اس نے رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے خلاف کیا بکواسات کی تھیں۔ اس ملعونہ کا کیس ضلعی کچہری میں چلا اور نومبر ۲۰۱۰ء میں اس کو مقامی جج نے توہینِ رسالت کے جرم میں پھانسی کی سزا سنادی۔ اگلے ہی مہینے گورنر پنجاب 'سلمان تاثیر' کوٹ لکھپت جیل لاہور میں اس ملعونہ سے ملنے کے لیے گیا۔ اس مجلس اور دیگر مجلسوں میں سلمان تاثیر نے 'قانونِ توہینِ رسالت' کو کالا قانون قرار دیا۔ آسیہ مسیح کے شوہر نے مقامی عدالت کے فیصلے کو لاہور ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ اس وقت سلمان تاثیر اس وقت کے صدر 'آصف علی زرداری' سے ملنے کے لیے اسلام آباد گیا اور اس بات کی یقین دہانی زرداری سے لی کہ 'اگر لاہور ہائی کورٹ نے آسیہ مسیح کی سزائے موت کو معطل نہ کیا تو صدرِ پاکستان کے پاس موجود "معافی" کا اختیار استعمال کر کے آسیہ مسیح کو بچا لیا جائے گا'، لیکن صدارتی معافی کو روکنے کے لیے لاہور ہائی کورٹ نے ایک حکمِ امتناعی جاری کر دیا[1]۔ اس سارے عرصے میں سلمان تاثیر متعدد بار اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ آسیہ ملعونہ سے ملنے جیل جاتا رہا اور اس معلونہ کے ساتھ جیل میں ویڈیو بھی بنواتا رہا۔

یوں بعد از خدا بزرگ و برتر صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں غازی ملک ممتاز حسین قادری نے ۴ جنوری ۲۰۱۱ء کو اسلام آباد کی کوہسار مارکیٹ میں گستاخ و سہولتِ کارِ گستاخانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، ملعون سلمان تاثیر کو ستائیس گولیاں مار کر جہنم واصل کر دیا۔ ممتاز قادری کو گرفتار کر لیا گیا، اور جرمِ حفاظتِ ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ۲۹ فروری ۲۰۱۶ء کو غازی ممتاز کو پھانسی پر چڑھا کر شہید کر دیا گیا۔ ممتاز قادری کا جنازہ پاکستان کی تاریخ کا عظیم ترین جنازہ تھا اور اس جنازے کی ٹی وی کوریج پر مکمل پابندی لگائی گئی اور پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی (PEMRA) نے اپنے جاری کردہ بیان میں لکھا:

> "اس وقت جب کہ پوری قوم اور فوجی جوان اور افسر نیشنل ایکشن پلان کے تحت آپریشن ضربِ عضب میں اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کر رہے ہیں کسی بھی قسم کی غیر ذمہ دارانہ اور غیر پیشہ ورانہ صحافت، نیشنل ایکشن پلان کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔"

گویا ناموسِ رسالت کی حفاظت اور محافظ و مجاہدِ ناموسِ رسالت کے جنازے میں شمولیت سب نیشنل ایکشن پلان کے خلاف ہیں اور ان کی کوریج سے ضربِ عضب آپریشن کو نقصان پہنچے گا۔

سبحان اللہ، PEMRA کا یہ 'فوجی قوت' کے نتیجے میں جاری کردہ بیان گویا ثابت کر رہا ہے کہ اس ملک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف، ابو جہل و ابو لہب والا کفری نظام نافذ ہے اور یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اس ملک کی عوام ناموس و شریعتِ مصطفیٰ کی عاشق و دیوانی ہے کہ سرکاری و فوجی دھمکیوں کے باوجود میدان میں نکل آئی۔

---

[1] یہاں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس گستاخ ملعونہ کو بچانے کے لیے صرف سلمان تاثیر آگے آگے نہ تھا بلکہ 'اسلامی جمہوریۂ پاکستان' کی وفاقی علامت 'صدرِ پاکستان' آصف علی زرداری بھی ناموسِ رسالت کے مقابلے میں گستاخانِ نبوت کے ساتھ کھڑا تھا!

بعد ازاں ۲۰۱۸ء کے نصفِ آخر میں گستاخہ آسیہ ملعونہ کو باعزت بری کر دیا گیا اور اس کی حفاظت کا انتظام کرتے ہوئے اس کے کینیڈا جانے کے لیے سہولت کاری کی گئی۔

یہاں آسیہ ملعونہ کو بچانے کے لیے پہلے سلمان تاثیر و آصف علی زرداری، بعد میں ممتاز قادری کو قتل کرنے کے لیے نواز شریف اور راحیل شریف اپنے حکومتی و فوجی لاؤ لشکر سمیت میدان میں اترتے ہیں اور آخر میں فوج، حکومت اور عدلیہ (باجوہ، عمران خاں اور ثاقب نثار) کے گٹھ جوڑ کے ساتھ آسیہ ملعونہ کو رہا کر دیا جاتا ہے۔

یہاں 'امتِ صلیب' کا آسیہ کے ساتھ تعلق اور اس ناپاک کاز (اہانتِ پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے مجتمع رہنا اور اپنی منحوس کوششیں صرف کرنا بھی قابلِ ذکر ہے۔ عیسائیوں کے مذہبی پیشوا پوپ سے لے کر چھوٹی چھوٹی عیسائی تنظیموں نے آسیہ کے لیے تحریک چلائی۔ آسیہ کی رہائی کے بعد برطانوی پارلیمان وغیرہ کی طرف سے رہا کرنے والے ججوں کی تعریف کی گئی۔ عمران خان نے پہلے کہا کہ آسیہ یہیں رہے گی، پھر یوٹرن لیا اور ایک شام یہ ملعونہ کینیڈا روانہ ہو گئی۔

ناموسِ رسالت کے خلاف امتِ صلیب وصہیون کی یہ 'دلچسپی' بھی عجیب ہے کہ جب ایک (سابقہ کلمہ گو) ملعون گستاخِ رسول 'جنید حفیظ'، 'بعد از خدا بزرگ و برتر (فداه روحي و أبي و أمي و أهلي و أولادي، صلی اللہ علیہ وسلم)' کی شانِ عالی واقدس میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے تو عمران خاں کے دورۂ امریکہ میں نائب امریکی صدر مائیک پینس امریکی حمایت و امداد کو اس ملعون کی رہائی کے ساتھ مشروط کرتا ہے۔ جہاں یہ امتِ صلیب وصہیون کا کفر و شرک ہے تو وہاں 'ہمارے' حکمرانوں کی بھی بدباطنی اس سے ظاہر ہوتی ہے۔

ابھی ۳۰ جنوری (۲۰۲۰ء) کو لاہور کی مقامی عدالت کا ایک فیصلہ بھی نہایت اہم ہے...... پانچ سال پہلے لاہور کے علاقے یوحنا آباد میں دو مسلمان بھائیوں کو آگ لگا کر ایک عیسائی مجمع نے شہید کر دیا تھا۔ اس واردات میں چالیس عیسائی نامزد ہوئے تھے جنہیں بعد ازاں جیل بھیج دیا گیا تھا۔ بالآخر پانچ سال بعد عدالت کا فیصلہ یہ آیا ہے کہ چالیس کے چالیس عیسائیوں (بلکہ صلیبیوں) کو رہا کر دیا گیا ہے اور عدالت کے جج ارشد بھٹہ نے عدالت میں راضی نامہ پیش کیا۔ حیرت ہے کہ ہمارے یہاں بسنے والے عیسائی رسولِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کریں تو ان کے خلاف علم بلند کرنے والے گرفتار کیے جائیں اور پھانسی پر چڑھا دیے جائیں...... ان عیسائیوں کو کینیڈا و یورپ بھیج دیا جائے اور عیسائی مجمع دو مسلمان بھائیوں (جن میں سے ایک حافظِ قرآن تھا) کا ہجومی قتل کریں تو مقامی عدالت سے ثبوتوں کے باوجود رہا کر دیے جائیں!۔ حیرت یہ بھی ہے کہ یہ 'اسلامی جمہوریہ' ہے، مودی کا بھارت نہیں...... یہاں دو مسلمان بھائیوں کو عیسائی ہجومی قتل کا نشانہ بناتے ہیں، لیکن 'اسلامی' حیثیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

امامِ مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے کہ اس امت کے وجود کا کیا جواز بچتا ہے، جس کے رسولؐ کی اہانت کی جا رہی ہو؟!

سوال ہے کہ 'اس ''اسلامی'' ریاست کے وجود کا کیا جواز بچتا ہے جس کے گورنر، صدور، وزیر اعظم، اعلیٰ عدالتوں کے جج اور آرمی چیف گستاخانِ رسالت ہوں اور گستاخان کے سہولت کار؟' اور 'جہاں نفاذِ شریعت کی محنت کرنے والوں اور عاشقانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لاٹھی، گولی، جیل، کال کوٹھریاں، جعلی پولیس مقابلے، جبری گمشدگیاں اور پھانسی گھاٹ ہوں؟'۔

ماہِ فروری اس بار بھی آیا اور اس میں 'یومِ یکجہتیٔ کشمیر' بھی 'منایا' گیا، لیکن یہ منانا یونہی ہے گویا کسی گزرے ہوئے مدفون کی برسی 'منائی' جاتی ہے۔ شریعتِ مطہرہ کی ہر ہر خلاف ورزی تو ارضِ وطن میں برپا نظام میں پائی جاتی ہی ہے لیکن جس کشمیر کو 'ہم' نے خود شہ رگ قرار دیا تھا، خود ہی اس شہ رگ پر 'برضا و رغبت' چھری پھیر دی۔ 'میر صادقوں' نے اپنا نام 'ٹیپو سلطان' رکھ لیا اور اپنے ہاتھوں کشمیر کا سودا کیا۔ بیوپاریٔ کشمیر عمران خاں نے اپنے آپ کو 'سفیرِ کشمیر اور وکیلِ کشمیر' کہلوا کر کہا کہ 'میں اقوامِ متحدہ میں جا کر ہندوستان کے خلاف کسر نکال دوں گا'۔ پھر کسر نکال بھی دی، خوب دھواں دھار تقریر کی اور پھر ٹرمپ کی گود میں بیٹھا رہا۔ ٹرمپ اور عمران ایک دوسرے کو 'باکردار' اور 'جرأت مند' کہتے رہے۔ جب پاکستان کے مفاد میں اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کے اجلاس میں کشمیر کے معاملے پر ہندوستان

کے خلاف قرار داد پیش ہوئی تو اس قرارداد کو امریکہ نے 'مردود' قرار دیا۔ لڑنے والے تو یہ پہلے بھی نہ تھے، جو بھڑکیں ماری تھیں، ان کی 'قوت' بھی سلامتی کونسل کے اجلاس کے بعد ختم ہو گئی۔

دراصل ۵ فروری کو 'منایا' جانے والا 'یومِ یکجہتی کشمیر'، 'یومِ بیوپارِ کشمیر' ہے۔ یہ دن یومِ سیاہ ہے کہ 'ہم' نے خود اپنی ماؤں کی مامتا، بہنوں کی ردا اور بیٹیوں کی عصمت کا سودا کیا اور پھر لوگوں کو دکھانے کے لیے اس روز مکے لہرائے اور ڈینگیں بھڑکیں ماریں۔

فروری کا مہینہ تاریخِ پاکستان میں دو اعتبار سے اہم ہے، اس میں ۲۹ فروری ۲۰۱۶ء کو عاشقِ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم، غازی ممتاز قادری کو تختۂ دار پر چڑھایا گیا اور ۵ فروری، سرکاری سطح پر پاکستان میں 'یومِ یکجہتی کشمیر' کے طور پر ۱۹۹۰ء سے 'منایا' جاتا ہے۔

دراصل یہ ناموسِ رسالتؐ سے لے کر کشمیر کی سوداگری تک کی داستان ہے۔

◆◆◆◆◆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

56۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِرْتَحَلَتِ الدُّنْيَا مُدْبِرَةً وَّارْتَحَلَتِ الْاٰخِرَةُ مُقْبِلَةً وَّلِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا بَنُوْنَ فَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَةِ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَّلَا حِسَابَ وَغَدًا حِسَابٌ وَّلَا عَمَلَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجَمَةِ الْبَابِ

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا کوچ کیے ہوئے پشت ادھر کیے ہوئے چلی جارہی ہے اور آخرت منہ ادھر کیے ہوئے چلی آرہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں (یعنی تابع اور غلام اور رغبت کرنے والے) پس تم آخرت کے بیٹے بنو یعنی چاہنے والے آخرت کے بنو اور دنیا کے بیٹے نہ بنو۔ آج عمل کا دن ہے اور کوئی حساب نہیں اور کل حساب کا دن ہے وہاں کوئی عمل نہیں۔

تشریح: یہ حدیث موقوف ہے اور حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی مرفوع ہے اور مضمون دونوں کے ایک ہی ہیں۔ ''آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹے نہ بنو'' کا مفہوم یہ ہے کہ جس دنیا سے آخرت کا نقصان ہو اس کو ترک کردو۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ......الاٰیۃ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر اپنے نفس کی خواہشات کی غلامی کرتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا کو مطلقاً چھوڑنا مامور اور مطلوب نہیں بلکہ جو نعمتیں حلال ہیں اور ان کے استعمال کی حق تعالیٰ نے اجازت دی ہے ان کے علاوہ حرام اور منع کی ہوئی لذتوں کو استعمال کرنا ممنوع اور واجب الترک ہے۔ اسی آیت سے رہبانیت کا بھی قلع قمع ہوتا ہے کیوں کہ کافر اور مشرک ترکِ دنیا کرکے اس طرح جوگی اور سادھو بنتے ہیں کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایت والی اجازت دی ہوئی نعمتوں کو بھی اپنے اوپر حرام کرلیتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا اس نیت سے حاصل کی جاوے جس سے آخرت کے کاموں میں اعانت اور قوت ہو تو وہ دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔ حکایت ہے کہ ایک بزرگ مالدار تھے گھوڑے، نوکر چاکر سب کچھ تھا۔ ایک طالب علم مرید ہونے آیا۔ یہ ٹھاٹ امیری دیکھ کر بدگمان ہوا اور دل میں کہا

ع نہ مرد آں ست کہ دنیا دوست دارد

مردِ کامل وہ نہیں ہے جو دنیا کو دوست رکھتا ہے۔

رات کو خواب میں دیکھا کہ اس فقیر کو لوگ پکڑے ہوئے ہیں اور اپنا قرضہ مانگ رہے ہیں، میدانِ حشر ہے یہ بزرگ گھوڑے پر سوار قریب سے گزرے ٹھہر گئے اور اس کا قرضہ ادا کیا اور فرمایا کہ فقیر کو تنگ نہیں کیا کرتے۔ آنکھ کھلی نادم ہوا۔ پھر حاضرِ خدمت ہوا۔ ان بزرگ کو بھی اس کا حال معلوم ہوا۔ فرمایا: کیا مصرعہ پڑھا تھا۔ ندامت کے ساتھ عذر کیا، مگر اصرار پر پڑھنا پڑا

ع نہ مرد آں ست کہ دنیا دوست دارد

شیخ نے فرمایا اس میں دوسرا مصرعہ میری طرف سے لگالو 'اگر دارد برائے دوست دارد'، یعنی اللہ والے اگر دنیا بھی رکھتے ہیں تو اپنے دوست یعنی اپنے مولیٰ ہی کے لیے رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی خوشنودی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اور نافرمانی کی راہ سے بچتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مسند میں یہ حدیث اس مضمون کی تائید کرتی ہے:

لَا بَاْسَ بِالْغِنٰى لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ

ترجمہ: نہیں مضر ہے مالداری اس شخص کو جو اللہ تعالیٰ عزوجل سے ڈرتا ہے۔

پس دنیا سانپ ہے اور تقویٰ اس کا منتر ہے اگر دنیا کا سانپ پالنا ہے تو پہلے تقویٰ دل میں حاصل کرے ورنہ یہ سانپ ڈس لے گا۔

57- وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ اِلَّا وَبِجَنْبَتَيْهَا مَلَكَانِ يُنَادِيَانِ يُسْمِعَانِ الْخَلَائِقَ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ يَاَيُّهَاالنَّاسُ هَلُمُّوْا اِلٰى رَبِّكُمْ مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى۔ رَوَاهُمَا اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں پہلوؤں میں دو فرشتے ہوتے ہیں جو پکارتے اور مخلوقات کو سناتے ہیں، ان کے پکارنے کی آواز کو ساری مخلوق سنتی ہے مگر جن اور انسان نہیں سنتے (وہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ) اے لوگو! اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور جان لو کہ جو مال کم ہو اور کافی ہو اس مال سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور لہو ولعب میں ڈالے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے باز رکھے۔

تشریح: جن اور انسان نہیں سنتے تاکہ ایمان بالغیب کا اجر ان کے لیے ثابت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تنبیہ ان کے لیے کافی ووافی ہے۔

58-وَعَنْ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمًا فَقَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَّاكُلُ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ اَلَا وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ اَجَلٌ صَادِقٌ وَّيَقْضِيْ فِيْهَامَلِكٌ قَادِرٌ اَلَا وَاِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِي الْجَنَّةِ اَلَا واِنَّ الشَّرَّ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِي النَّارِ اَلَا فَاعْمَلُوْا وَاَنْتُمْ مِّنَ اللّٰهِ عَلٰى حَذَرٍ وَّاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُعْرَضُوْنَ عَلٰى اَعْمَالِكُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ

ترجمہ: حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خطبہ دیا اور فرمایا: خبردار! دنیا ایک غیر قائم پونجی ہے اس میں سے نیک بھی کھاتا ہے اور بد بھی

اورآخرت ایک مدت ہے سچی یعنی متحقق وثابت اور آخرت میں ہر قسم کی قدرت رکھنے والا بادشاہ حکم اور فیصلہ کرے گا، خبر دار! تمام بھلائیاں اپنی انواع واقسام کے ساتھ جنّت میں ہیں، خبر دار! تمام بُرائیاں اپنی انواع واقسام کے ساتھ دوزخ میں ہیں۔ پس تم عمل کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس بات کو یاد رکھو کہ تم کو تمہارے اعمال کے ساتھ اللہ کے سامنے پیش کیا جاوے گا۔ پس جو شخص ذرہ برابر نیک کام کرتا ہے وہ اس کی جزا پائے گا اور جو شخص ذرہ برابر بُرا کام کرتا ہے وہ اس کی سزا پائے گا۔

تشریح: اس حدیث شریف سے آخرت کی فکر اور اعمالِ صالحہ کرنے اور اعمالِ سیئہ سے بچنے کا اہتمام کرنے کا سبق اُمت کو دیا گیا ہے۔

59- وَعَنْ مَّالِکٍ اَنَّ لُقْمٰنَ قَالَ لِابْنِہٖ یَابُنَیَّ اِنَّ النَّاسَ قَدْ تَطَاوَلَ عَلَیْھِمْ مَّایُوْعَدُوْنَ وَھُمْ اِلَی الْاٰخِرَۃِ سِرَاعًا یَّذْھَبُوْنَ وَاِنَّکَ قَدِ اسْتَدْبَرْتَ الدُّنْیَا مُنْذُ کُنْتَ وَاسْتَقْبَلْتَ الْاٰخِرَۃَ وَاِنَّ دَارًاتَسِیْرُ اِلَیْھَا اَقْرَبُ اِلَیْکَ مِنْ دَارٍ تَخْرُجُ مِنْھَا

ترجمہ: حضرت مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے بیٹے! جس چیز کا وعدہ لوگوں سے کیا گیا ہے (یعنی مُردوں کا زندہ کرکے اٹھایا جانا، حساب کتاب، عذاب وثواب وغیرہ) اس پر کافی مدت گزر چکی ہے (یعنی آفرینش دنیا سے آج کے دن تک) حالاں کہ لوگ آخرت کی طرف تیزی سے چلے جارہے ہیں اور اے بیٹا! جس روز سے کہ تو پیدا ہوا ہے دنیا کو پیچھے چھوڑتا چلا آتا ہے اور آخرت کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے، اور وہ گھر جس کی طرف تو جارہا ہے زیادہ قریب ہے تجھ سے اس گھر سے جس سے تو جارہا ہے۔

تشریح: اپنے بیٹے سے خطاب کیا مگر مخاطب تمام لوگ ہیں۔ چلنے والا ہر قدم میں منزل سے قریب ہوتا رہتاہے پس انسان دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ہر وقت آخرت سے قریب ہورہا ہے اور دنیا سے دور ہورہا ہے۔ پس جس سے دور ہورہا ہے اس کی محبت اور فکر اتنی کیوں کرے کہ آخرت خراب ہو

قدم سوئے مرقد نظر سوئے دنیا
کہاں جا رہا ہے کدھر دیکھتا ہے

60-وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَفْضَلُ قَالَ کُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ صَدُوْقِ اللِّسَانِ قَالُوْا صَدُوْقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُہٗ فَمَا مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ قَالَ ھُوَ النَّقِیُّ التَّقِیُّ لَا اِثْمَ عَلَیْہِ وَلَا بَغْیَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ ۔ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابنِ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون شخص بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مخموم دل کا اور سچا زبان کا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: زبان کے سچے کو تو ہم جانتے ہیں مخموم دل سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مخموم دل وہ ہے جو پاک ہو، پرہیز گار ہو، کوئی گناہ اس پر نہ ہو، ظلم نہ کیا ہو، حد سے نہ گزرا ہو، اور کینہ وحسد اس میں نہ ہو۔

تشریح: مخموم القلب یعنی جس کا قلب سلیم ہو جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے پاس صاف اور پاک دل لے کر آیا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خود عرب تھے، عربی زبان اور فصاحت وبلاغت شعر وشاعری میں کمال رکھتے تھے مگر اُمی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے حق تعالیٰ شانہٗ ایسے الفاظ بیان کراتے تھے کہ حضرات صحابہ سمجھنے سے قاصر ہوتے اور ان کے معانی دریافت کرنے پر مجبور ہوتے

یتیمے کہ نا کردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

ترجمہ: وہ یتیم اُمی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہ ابھی قرآن پورا ان پر نہ اترا تھا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ.....الخ۔ نازل ہوتے ہی تمام سابقہ آسمانی صحیفے اور کتب منسوخ قرار دے دیے گئے۔ مقامِ رسالت کو سمجھنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات محیر العقول (لفظاً ومعناً) کافی ہیں۔ سلیم العقول انسانوں کے لیے اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ قلب کی صفائی اور اصلاحِ نفس جو بزرگانِ دین کے یہاں اہتمام سے کی جاتی ہے اس کی کس قدر اہمیت ہے اور آج کل اس سے کس قدر غفلت ہے۔

61۔ وَعَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ اِذَا کُنَّ فِیْکَ فَلَا عَلَیْکَ مَا فَاتَکَ الدُّنْیَا حِفْظُ اَمَانَۃٍ وَّصِدْقُ حَدِیْثٍ وَّحُسْنُ خَلِیْقَۃٍ وَّعِفَّۃٌ فِیْ طُعْمَۃٍ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: چار باتیں ہیں اگر وہ تجھ میں پائی جائیں تو دنیا کے فوت ہونے کا کوئی غم نہیں ہے: ایک تو امانت کی حفاظت کرنا۔ دوسری سچی بات کہنا۔ تیسرے اخلاق کا اچھا ہونا۔ چوتھے کھانے میں احتیاط وپرہیز گاری۔

تشریح: یعنی اگر دنیا کی کسی نعمت کے فوت ہونے سے نفس کی اصلاح ہوئی اور مذکورہ خصائلِ حمیدہ نفس میں پیدا ہوئے تو پھر کوئی غم نہیں، برعکس اس کے کہ دنیا کی دولت دل میں کدورت اور آخرت سے غفلت پیدا کرے تو اس دنیا سے اس کا فوت ہونا ہی اچھا ہے۔

62۔وَعَنْ مَّالِکٍ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّہٗ قِیْلَ لِلُقْمٰنَ الْحَکِیْمِ مَا بَلَغَ بِکَ مَا نَرٰی یَعْنِی الْفَضْلَ قَالَ صِدْقُ الْحَدِیْثِ وَاَدَاءُ الْاَمَانَۃِ وَتَرْکُ مَالَا یَعْنِیْنِیْ

ترجمہ: حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ مجھ کو معلوم ہے کہ لقمان حکیم سے یہ پوچھا گیا کہ جس مرتبہ پر ہم تم کو دیکھ رہے ہیں کس چیز نے تم کو اس پر پہنچایا؟ حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا: زبان کی سچائی نے اور امانت نے اور فضول وبے فائدہ چیزوں کو ترک کردینے نے۔

تشریح: حضرت لقمان علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کی خالہ کے بیٹے ہیں اور علماء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ وہ پیغمبر تھے یا نہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ وہ حکیم اور ولی تھے اور روایت ہے کہ انہوں نے ایک ہزار پیغمبروں کی خدمت اور شاگردی کی تھی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت لقمان پیغمبر نہ تھے اور نہ بادشاہ تھے، ایک کالے غلام تھے، بکریاں چراتے تھے، حق تعالیٰ نے ان کو اپنا مقبول بنایا اور حکمت اور جوانمردی اور عقل دی اور اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے۔(مظاہر حق)

63۔وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَجِیْءُ الْاَعْمَالُ فَتَجِیْءُ الصَّلٰوةُ فَتَقُوْلُ یَارَبِّ اَنَا الصَّلٰوةُ فَیَقُوْلُ اِنَّکِ عَلٰی خَیْرٍ فَتَجِیْءُ الصَّدَقَةُ فَتَقُوْلُ یَارَبِّ اَنَا الصَّدَقَةُ فَیَقُوْلُ اِنَّکِ عَلٰی خَیْرٍ ثُمَّ یَجِیْءُ الصِّیَامُ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ اَنَا الصِّیَامُ فَیَقُوْلُ اِنَّکَ عَلٰی خَیْرٍ ثُمَّ یَجِیْءُ الْاَعْمَالُ عَلٰی ذٰلِکَ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّکَ عَلٰی خَیْرٍ ثُمَّ یَجِیْءُ الْاِسْلَامُ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ اَنْتَ السَّلَامُ وَاَنَا الْاِسْلَامُ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّکَ عَلٰی خَیْرٍ، بِکَ الْیَوْمَ اٰخُذُ وَبِکَ اُعْطِیْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِهٖ وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اعمال آئیں گے خداوند بزرگ وبرتر کے حضور میں، پس آئے گی نماز سب سے پہلے اور کہے گی: اے پروردگار! میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو بھلائی پر ہے۔ پھر صدقہ آئے گا اور کہے گا: اے اللہ! میں صدقہ ہوں۔ حق تعالیٰ فرمائے گا: تو بھلائی پر ہے۔ پھر روزے آئیں گے اور کہیں گے: اے رب! ہم روزے ہیں۔ حق تعالیٰ فرمائے گا: تم بھلائی پر ہو۔ پھر اور اعمال آئیں گے۔(یعنی حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ) اور اسی طرح اپنے آپ کو بتائیں گے اور اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا: تم بھلائی پر ہو۔ اور پھر اسلام آئے گا اور کہے گا:

اے پروردگار! تیرا نام سلام ہے اور میں اسلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو البتہ بھلائی پر ہے، تیری ہی وجہ سے میں آج مواخذہ کروں گا اور تیرے ہی سبب دوں گا۔(یعنی مواخذہ کروں گا عذاب کے ساتھ اور عطا کروں گا ثواب) چناں چہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

وَمَن یَبْتَغِ غَیْرَ الإِسْلاَمِ دِیناً فَلَن یُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِینَ○

یعنی جو شخص اسلام کے سوا کسی دین کو طلب کرے اس سے وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں اعمال کا پیش ہونا یا تو اس طرح ہو گا کہ حق تعالیٰ اعمال کو اچھی صورت عطا فرمادیں گے جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے یا حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اعمال کو حاضر کرکے ان کو زبان سے بولنے کی طاقت عطا فرمائیں گے۔

64- وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِظْنِیْ وَاَوْجِزْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِکَ فَصَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ وَّلَا تَکَلَّمْ بِکَلَامٍ تَعْذِرُ مِنْهُ غَدًا وَّاَجْمِعِ الْاِیَاسَ مِمَّا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: مجھ کو نصیحت فرمائیے اور مختصر فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو نماز پڑھے تو اس شخص کی سی نماز پڑھ جو خدا کے سوا سب کو چھوڑ دینے والا ہے، اور کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکال جس پر کل کو (قیامت میں) تجھے عذر خواہی کرنی پڑے، اور جو چیز لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس سے نااُمید ہو جانے کا پختہ ارادہ کرلے۔

تشریح: ایک مفہوم تو "فَصَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ" کا وہ ہے جو اوپر ترجمہ میں مذکور ہے یعنی دل کو دنیا سے خالی کر کے حق تعالیٰ کی طرف بالکل متوجہ ہو کر نماز ادا کرو، اور دوسرا مفہوم یہ بھی ممکن ہے کہ ایسی نماز پڑھو جس طرح کسی کو معلوم ہو جاوے کہ یہ آخری نماز ہے اور اس کے بعد موت ہے پھر دوسری نماز کا موقع نہ ملے گا تو آدمی کس قدر دل لگا کر اس آخری نماز کا حق ادا کرے گا پس ہر نماز میں عقلاً اس کا امکان تو موجود ہے کہ دوسری نماز تک زندگی کا کیا بھروسہ! اس لیے ہر نماز میں نیت کے وقت یہ تصور کرلے کہ شاید یہی نماز ہماری آخری نماز ہو اور دوسری نماز تک شاید زندہ نہ رہوں اس طرح سے آدمی بہت عمدہ نماز ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ دوسری نصیحت یہ ہے کہ ہر لفظ کو بولنے سے پہلے سوچ کر بولو کیوں کہ لفظ نکالنے سے پہلے اختیار ہوتا ہے کہ نہ بولے اور بولنے کے بعد اگر وہ غلط ہو تو معذرت اور شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ تیسری نصیحت یہ ہے کہ دنیا والوں کے مال اور دولت سے اپنی اُمید اور لالچ کو ختم کردے۔

65-وَعَنْ مُّعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الْیَمَنِ خَرَجَ مَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْصِیْهِ وَمُعَاذٌ رَّاکِبٌ وَّرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَمْشِیْ تَحْتَ رَاحِلَتِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ یَا مُعَاذُ اِنَّکَ عَسٰی اَنْ لَّا تَلْقَانِیْ بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا وَلَعَلَّکَ اَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِیْ هٰذَا وَقَبْرِیْ فَبَکٰی مُعَاذٌ جَشَعًا لِّفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَاَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ نَحْوَالْمَدِیْنَةِ فَقَالَ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا وَحَیْثُ کَانُوْا۔رَوَی الْاَحَادِیْثَ الْاَرْبَعَةَ اَحْمَدُ

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن روانہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نصیحتیں کرتے ساتھ چلے اور معاذ رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سوار چل رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نصائح وہدایت سے فارغ ہوگئے تو فرمایا: معاذ! اس سال کے بعد شاید تو مجھ سے ملاقات نہ کرسکے اور ممکن ہے تو میری اس مسجد اور میری قبر سے گزرے۔ یہ سن کر معاذ رضی اللہ عنہ رو پڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے غم میں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیرا اور مدینہ کی طرف رخ کر کے فرمایا: مجھ سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں خواہ وہ کوئی ہوں (یعنی کسی ملک اور کسی قوم کے ہوں) اور کہیں ہوں۔

تشریح: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا جو پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہے اگرچہ کسی ملک کا باشندہ ہو یا کسی قوم کا ہو۔ قریب ہونے کے دو مفہوم ہیں: یا تو میری شفاعت سے قریب ہوں گے یا مرتبہ کے لحاظ سے میرے قریب ہوں گے۔ اور تقویٰ والی زندگی بزرگانِ دین کی صحبت سے ملتی ہے۔ تیرنے کی کتاب پڑھ کر کوئی تیر نہیں سکتا جب تک کسی پرانے تیرنے والے کی صحبت میں تیرنا نہ سیکھے، اسی طرح کتابوں سے تقویٰ نہیں ملتا جب تک کسی متقی بندے کی صحبتِ طویل نہ حاصل ہو۔ تقویٰ کی برکت سے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ یمن میں رہتے ہوئے کس درجہ کو پہنچے اور ترکِ تقویٰ کے سبب بعض اشرافِ مکہ کیسے بدبخت ہوئے۔ پس اُمت کو اس حدیث میں تقویٰ کی ہدایت ہے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا هٰذِهِ النِّعْمَةَ

66- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ يُّرِدِ اللهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ انْفَسَحَ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ هَلْ لِّتِلْكَ مِنْ عَلَمٍ يُّعْرَفُ بِهٖ قَالَ نَعَمْ اَلتَّجَافِيْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (یعنی اللہ تعالیٰ جس شخص کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے) پھر فرمایا: جب نور سینہ کے اندر داخل ہوتا ہے تو سینہ فراخ اور کشادہ ہو جاتا ہے۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا اس حالت کی کوئی علامت ہے جس سے اس کی شناخت کی جاسکے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اور وہ نشانی غرور کے گھر (یعنی دنیا) سے دور ہونا، آخرت کی طرف رجوع کرنا، اور مرنے سے پہلے مرنے کے لیے تیار ہو جانا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں سینے کے اندر نورِ ہدایت داخل ہونے کی تین علامتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

۱. دنیا سے دل کا اُچاٹ ہو جانا۔ ۲. آخرت کی طرف متوجہ ہونا۔ ۳. موت آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنا۔

ان ہی علامات سے ہر آدمی فیصلہ کرے کہ وہ ہدایت پر ہے یا نہیں

آں چناں کہ گفت پیغمبرز نور
کہ نشانش آں بود اندر صدور
کہ تجافی جویداز دار الغرور
ہم انابت آرد از دار السرور

ترجمہ: مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سینے کے اندر نور کے داخل ہونے کی نشانی یہ فرمائی کہ وہ اس جہاں سے، جو دھوکے کا گھر ہے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے اور آخرت، جو خوشی کا گھر ہے اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نور جب دل میں داخل کیا جاتا ہے تو سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔

در فراخِ عرصۂ آں پاک جاں
تنگ آید عرصۂ ہفت آسماں

ترجمہ: مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی جان میں حق تعالیٰ کے تعلقِ خاص کی برکت سے اس قدر فراخی اور کشادگی اور وسعت ہوتی ہے کہ اس کے سامنے سات آسمان کی وسعت ہیچ ہوتی ہے۔ یہ قلب حقیقت میں عرشِ رب ہے جیسے کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَايَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلٰكِنْ يَّسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ میں نہیں سمایا آسمان اور زمین میں لیکن مومن بندے کا قلب میری گنجائش رکھتا ہے۔ معلوم ہوا کہ نور کا محل قلب ہے اور کسی کے قلب کو ہم دیکھ سکتے نہیں تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو صاحبِ نور خود دعویٰ کرے کہ میرے اندر نور ہے یا صاحبِ نور کی کچھ علاماتِ خاصّہ متعین ہوں۔ پہلی صورت میں ہر اہلِ باطل اور ہر اہلِ حق کے دعویٰ کا امتیاز معلوم ہونا مشکل ہے، اس لیے یہ صورت غیر مفید ہے، کیوں کہ ظاہر میں کوئی دلیل نہیں کہ یہ دعویٰ سچا یا جھوٹا ہے پس دوسری ہی صورت متعین ہوئی اور اسی صورت کی وضاحت حدیثِ مذکور میں بیان ہوئی۔

علما نے کسی شخص کے اللہ والا ہونے کی یہی علامت لکھی ہے کہ اس کو دیکھ کر اللہ یاد آئے اور اس کی صحبت سے دل دنیا سے سرد ہونے لگے اور آخرت کی طرف توجہ بڑھنے لگے اور وہاں کی فکر پیدا ہو جائے اور اس کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں اکثر لوگوں کا حال شریعت کے مطابق ہو۔ اہلِ حق اور اہلِ باطل آج کل عوام کی نظر میں خلط ملط ہو رہے ہیں اس لیے ان علامات کو جن کا اوپر ذکر ہوا کسی شخص کے اللہ والا ہونے کی پہچان کا معیار بنانا چاہیے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

صبح کے سونے سے باز رہو!

"إِيَّاكَ وَنَوْمَةَ الْغَدَاةِ فَإِنَّهَا مَبْخَرَةٌ مَجْفَرَةٌ مَجْعَرَةٌ۔"

"صبح کے سونے سے باز رہو کیونکہ یہ سونا جسم کے بخارات کو زیادہ کر دیتا ہے (جس کی وجہ سے جسم سے بو آنے لگتی ہے)، نکاح کی صلاحیت میں کمی کر دیتا ہے، اور طبیعت میں خشکی پیدا کر دیتا ہے۔"

خلیفۂ ثانی امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ عنہ

(بحوالہ: الغریب لأبي عبيد القاسم بن السلام)

تقویٰ، اس کی اہمیت اور فوائد

(امیر المومنین کی ہدایات... مجاہدین کے نام)

امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخند زادہ حفظہ اللہ

تقویٰ ایک مجاہد سمیت ہر انسان کے لیے اسلام کے سائے تلے زندگی گزارنے میں ایک اہم ضرورت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○(سورۃ التغابن:۱۶)

”لہٰذا جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو، اور سنو اور مانو اور (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے، اور جو لوگ اپنے دل کی لالچ سے محفوظ ہو جائیں، وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

اللہ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا دل میں خوف ہونا، اُس کے اوامر پر عمل کرنا اور اس کی طرف سے منع کیے گئے افعال سے اپنے آپ کو بچانا تقویٰ کہلاتا ہے۔ مومن کے لیے تقویٰ میں سراسر خیر ہے۔ تقویٰ اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت ہے ہر اس بندے کے لیے جو پہلے یا بعد میں آیا ہو۔

مفسر قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تحقیق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ لوگوں کی نظروں میں معزز و مکرم ہو تو وہ تقویٰ اختیار کرے، تقویٰ کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کی حدود کو ایسے پورا کرنا کہ جس چیز کا اللہ نے امر دیا ہو اس کو پورا کیا جائے، اور جس چیز سے اللہ نے منع کیا ہو اس سے اپنے آپ کو بچایا جائے، اپنے آپ میں وہ صفات پیدا کی جائیں جس کا اللہ تعالیٰ نے امر کیا ہو اور اُن چیزوں کو اپنے آپ سے دور کیا جائے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا ہو۔

ما يصنع العبد بعز الغنى
والعز كل العز للمتقى
بندہ مال دار ہوکے کیا عزت حاصل کرے گا
اصل عزت تو تقویٰ اختیار کرنے میں ہے

مطلب یہ کہ غنیٰ اور مال حاصل کرنے میں عزت نہیں بلکہ عزت تو تقویٰ میں ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ہر مسئول کو یہ وصیت فرماتے:

اتق الله فى السر والعن فانه من يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب.

”اللہ تعالیٰ سے ڈرو لوگوں کے سامنے ہو یا تنہائی میں، کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مشکلات سے خلاصی کا راستہ فراہم کرتا ہے اور اس کو ایسے راستوں سے رزق دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔“

تقویٰ کے فوائد:

تقویٰ کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ پرہیزگار بندے پر دشمن غلبہ نہیں پاتا، شمس الدین السفیری نے صحیح بخاری کی شرح میں عبد اللہ بن عمرؓ کے احوال میں لکھا ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ ایک سفر پر نکلے، راستے میں ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ راستے میں کھڑے ہیں آگے نہیں جاسکتے، آپؓ نے پوچھا کہ ان لوگوں کو کس مشکل نے روکا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ راستے میں شیر ہے جس کے خوف کی وجہ سے ہم آگے نہیں جاسکتے۔

آپؓ اپنی سواری سے اتر گئے، اور شیر کے قریب جاکر اس کو کانوں سے پکڑ کر راستے سے ہٹا دیا اور پھر شیر کو کہا ’رسول اللہ ﷺ نے تمہارے بارے میں جھوٹ نہیں بولا کہ تم اس وجہ سے لوگوں پر مسلط کیے گئے ہو کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے بھی ڈرتے ہیں، اگر بنی آدم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے نہ ڈرتے تو تم کو اللہ ان پر مسلط نہ کرتا اور اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے امید نہ رکھتے تو اللہ تعالیٰ اِن کو کسی اور کے حوالے نہ کرتا‘۔

تقویٰ کے فوائد میں سے ایک اُمت مسلمہ کا اتحاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○

”اللہ سے ڈرو، اور آپس کے تعلقات درست کر لو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم واقعی مومن ہو۔“

تفسیر منیر میں لکھا ہے ’اُمتِ مسلمہ کی اصلاح، اس کی قوت اور عزت تین امور کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، تنہائی یا لوگوں کے سامنے تقویٰ، اپنے درمیان اصلاح اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت‘۔

ابن ابی الدنیا محمد بن المنکدر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’کہ تقویٰ کا راز صبر ہے اور اس کی حقیقت عمل ہے اور اس کو پورا کرنا پرہیزگاری ہے‘۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے خطبے میں فرمایا ’جان لو! ذہانت تقویٰ میں ہے اور حماقت گناہوں میں ہے‘۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ تقویٰ کے معنیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں ’اللہ تعالیٰ کا خوف، قرآن کریم پر عمل، کم مال پر قناعت اور دنیا سے رحلت کرنے کی تیاری کو تقویٰ کہتے ہیں‘۔

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں ’کامل ترین تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے حتیٰ کہ ایک ذرے کے برابر نافرمانی سے بھی اپنے آپ کو بچائے اور (باقی صفحہ نمبر 32 پر)

باب چہارم: سچا اور پر خلوص آغاز

صدق کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے مجھے ایک جہادی قائد کے وہ الفاظ یاد آرہے ہیں جو انہوں نے ایک مرتبہ مجھ سے کہے:

''افغانستان میں داعیوں کا سب سے پہلا گروہ اپنی طہارت قلب کے حوالے سے فرشتوں جیسا تھا۔ ایک مرتبہ افغانستان کے سب سے پہلے شہید انجینئر حبیب الرحمٰن نے مجھ سے اپنی 'قساوت قلبی' کی شکایت کرتے ہوئے کہا: 'بھائی! میں آج کل بڑی بری طرح قساوتِ قلب محسوس کر رہا ہوں۔'

میں نے کہا: 'خیر تو ہے، کیا بات ہوئی؟'۔

کہا: 'یقین کرو، یونیورسٹی میں آنے سے پہلے میں پرندوں اور درختوں کو تسبیح کرتے ہوئے سنا کرتا تھا اور اب یونیورسٹی کی فضا میں تو وہ سب کچھ غائب ہی ہو گیا ہے'۔

ان جہادی قائد نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

'یہ نوجوان انجینئر حبیب الرحمٰن افغانستان کی ایک اسلامی جماعت کا جنرل سیکرٹری تھا۔ انہوں نے کہا، پھر داؤد کے زمانے میں ہمیں قید میں ڈال دیا گیا۔ وہاں ہمیں تعذیب دینے سے پہلے جیل کے ارد گرد کی شاہراہیں بند کر دی جاتیں تاکہ ہماری بلند ہوتی ہوئی چیخیں کوئی نہ سن سکے۔ حالانکہ تعذیب کا یہ سلسلہ جیل کے تہہ خانوں میں عمل میں لایا جاتا تھا۔ میں اپنے دل میں کہتا، کیا زمین کے سینے پر کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں یہ خبر ہو کہ کچھ مسلمانوں کو یہاں ...... افغانستان کے جیل خانوں میں ...... محض خدا، دین، اسلام اور مذہبی تشخص کی وجہ سے تختۂ مشق بنایا جا رہا ہے۔ اُس وقت ان چند افراد کو قطعاً علم نہیں تھا کہ مخلص اور صادق لوگوں کا یہ مسئلہ افغانستان کے تعذیب خانوں سے نکل کر اتنا بڑا عالمی مسئلہ بن جائے گا جو ایک دنیا کو ہلا کر رکھ دے گا اور سپر پاورز اُس کے لمحے لمحے کا حساب رکھنے پر مجبور ہو جائیں گی۔ یہ یقیناً سچ کی برکت تھی اور کلمۂ طیبہ اور دین حق کی کرامت!'

آپ اس مبارک جہاد کے آغاز کی داستان سن لیں تو حیران ہو کر رہ جائیں گے۔ ایک مجاہد قائد کہتے ہیں کہ:

''داؤد کے زمانے میں، میں کابل یونیورسٹی میں ایک اسلامی تنظیم کے چودہ نوجوانوں سے ملا۔ انہوں نے کہا: ہم نے 'جہاد' کرنے کا فیصلہ کیا ہے، کیا آپ ہمیں کہیں سے ایک 'پستول' مہیا کر سکتے ہیں؟''، وہ کہتے ہیں، ''میں نے بڑی کوشش کی مگر ان نوجوانوں کو کہیں سے ایک پستول لا کر دینے میں ناکام رہا۔ مایوس ہو کر یہ لوگ پشاور کی طرف نکل گئے اور وہاں سے جہاد کے پروگرام پر عمل شروع کر دیا۔ ان لوگوں کا جوش وجذبہ دیکھیے، ڈاکٹر محمد عمر درہ سے ایک دستی بم اور دو پستول خرید کر پاکستان سے سفر کرتا ہوا بدخشان میں روسی سرحدوں کے قریب پہنچا اور وہاں جا کر داؤد حکومت کے ایک فوجی مرکز پر حملہ کیا۔ افغانستان کے اس مرکز میں افغانی پرچم کو روسی پرچم کے مطابق بنانے کے لیے سرخ رنگ دیا جا رہا تھا... ذرا غور کیجیے صرف دو پستولیں اور ایک بم۔ اس جوشیلے نوجوان نے ایک ہزار کلو میٹر سے زیادہ کا فاصلہ صرف اس لیے طے کیا کہ اسے داؤد کے شوریدہ سر مراکز پر آزما سکے۔ یہ سچی کوششیں بیکار نہیں گئیں...... یہ خلوص...... یہ محنت یہ محبت ہمارے عسکری مبصرین کی نظر میں خواہ 'بچوں کی سی حماقت' ہی قرار پائے...... رائیگاں ہرگز نہیں گئی بلکہ اس خلوص کی بنیاد پر جہاد کی وہ عظیم عمارت کھڑی ہوئی جو آج تک کھڑی ہے۔''

چند روز قبل میں نے ایک فرانسیسی لیڈی ڈاکٹر کو اسلام قبول کرتے ہوئے دیکھا، وہ صرف جہاد افغانستان دیکھ کر اسلام پر ایمان لے آئی تھی۔ اس سے پہلے اس کا ایک فرانسیسی دوست بھی اسی جہاد کو دیکھ کر مسلمان ہو چکا ہے۔

برادران کرام!

اللہ تعالیٰ نیک نیتوں، سچی کوششوں، مخلص دلوں اور مطمئن اور راضی ضمیر کے خمیر سے ایسے ایسے واقعات رونما فرماتا ہے جو انسانی عقل کو گم کر کے رکھ دیتے ہیں۔ وہ اس خلوص کا بدلہ اس دنیا میں بھی دکھاتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا انعام اُس کے ذمے طے ہے۔ اللہ کے ساتھ سچائی برتیے وہ آپ کے ساتھ خلوص برتے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عرب بدو کے بارے میں فرمایا کہ یہ شخص آیا اور اس نے ایک معرکے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ آپ ﷺ نے اسے غنیمت دی تو اُس نے کہا: میں نے اس (غنیمت) کی خاطر آپ کی پیروی اختیار نہیں کی۔ میں نے تو اس لیے آپ کی اتباع کی ہے کہ مجھے یہاں (اُس نے ہاتھ سے سینے کی طرف اشارہ کر کے کہا) زخم لگے اور میں جنت میں داخل ہوں۔ وہ دوسرے معرکے میں بھی شریک ہوا، جنگ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہ پایا۔ اس کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ ایک تیر اُس کو عین اس مقام پر لگا ہے جہاں اُس نے اشارہ کیا تھا۔ فرمایا: ''اُس نے اللہ کے ساتھ خلوص برتا تو اللہ نے اُس کی مراد پوری کر دی۔'' تو دوستو! تم بھی اللہ کے ساتھ صدق اختیار کرو۔ اللہ کی مدد کرو، اللہ تمہیں ثبات بخشے گا۔

باب پنجم: تقویٰ اور ورع

اے اللہ کو اپنا رب!

اسلام کو اپنا دین!

محمد ﷺ کو اپنا نبی اور رسول ماننے والو!

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا..... فرمایا:

إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا۟ بِهَا وَإِن تَصْبِرُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا إِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ۝ (سورۃ آلِ عمران: ۱۲۰)

"اگر تمہیں کوئی بھلائی مل جائے تو ان کو برا لگتا ہے، اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو تو ان کی چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے (علم اور قدرت کے) احاطے میں ہے۔"

اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کی زبانی کہلواتا ہے:

إِنَّهُۥ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۝ (سورۃ یوسف: ۹۰)

"جو اللہ سے ڈرے گا اور صبر کرے گا تو اللہ (ایسے) اچھے لوگوں کا اجر ضائع نہ کرے گا۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلَىٰٓ إِن تَصْبِرُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَـٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ ءَالَـٰفٍ مِّنَ الْمَلَـٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِينَ۝ (سورۃ آلِ عمران: ۱۲۵)

"بلکہ اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرو تو پھر وہ اپنے حساب سے جس وقت مرضی تم پر (حملے کو) آئیں اللہ... تمہارا رب... پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔"

صبر کو قرآن کریم میں اکثر تقویٰ کے ساتھ ہی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں انسان کو دشمن کے نقصان سے بچانے کے لیے دو لازمی ستون ہیں۔ دشمن کی چالوں سے بچتے ہوئے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ تقویٰ کی چادر اوڑھی اور صبر کی کملی لپیٹی جائے۔

گزشتہ خطبے میں ہم صبر کے متعلق بہت کچھ بتا چکے ہیں، آج ہم اس تقویٰ کے بارے میں بات کریں گے جس کا تازہ اور پکا ہوا پھل "ورع" کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

سربراہی اور عہدے کی خواہش:

اسلام نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی واضح اعلان کر دیا ہے کہ

الحلال بيّن والحرام بيّن وبينهما مشتبهات ... او متشابهات ... فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع فى الشبهات وقع فى الحرام، كالراعى يرعى حول الحمى فيوشك ان يواقعه

"حلال واضح ہے اور حرام واضح ان کے درمیان میں کچھ متشابہ امور ہیں۔ جو ان متشابہ امور سے بچتا رہا اُس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی اور جو شبہات میں پڑ گیا، حرام میں پڑ گیا جیسے کوئی چرواہا کسی باڑھ کے گرد چراتے چراتے کسی بھی وقت باڑھ میں جا گھسنے کے خطرے سے دوچار ہو۔"

ورع کی بات شبہات کی بات ہے۔ انسان کا تقویٰ اور ورع کسی متشابہ مسئلے کے سامنے آنے پر پہچانے جاتے ہیں۔ تقویٰ جتنا زیادہ ہو گا، احتیاط کا دامن جتنا زیادہ تھاما جائے گا۔ اپنی نگرانی خود جتنی زیادہ کی جائے گی، ورع اتنا ہی ارفع و اعلیٰ پیمانے کا ہو گا۔

سب سے پہلے ورع ان چیزوں میں ظاہر ہوتا ہے: ایک سربراہی کا مسئلہ اور دوسرا مال کا مسئلہ۔ صحیح حدیث میں ہے کہ

ما ذئبان جائعان ارسلا فى غنم بافسد لها من حرص المرء على الشرف والمال لدينه

جس طرح بکریوں کے گلے میں بھیڑیے کا پہنچنا خطرے سے خالی نہیں اسی طرح دین کے گلے میں تباہی پھیلانے کے لیے دولت اور سربراہی کا لالچ دو ایسے بھوکے بھیڑیے ہیں جو سارے دین کو خراب کر ڈالتے ہیں۔

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو دو بھیڑیوں سے تشبیہ دی ہے۔ یہ دونوں بھیڑیے سردیوں کی ٹھنڈی راتوں میں بھیڑوں کا شکار خوب آزادی سے کھیلتے ہیں اور انسان کے دین اور "ورع" کو چیر پھاڑ ڈالتے ہیں۔

انسان کے دل سے سب سے آخر میں جو لالچ نکلتا ہے وہ یہی ریاست اور شرف کا لالچ ہے۔ یہ بڑی خطرناک شے ہے۔ کتنے لوگ اس لالچ کا شکار ہو کر ضلالت کے گڑھے میں گر چکے ہیں۔ ان دونوں میں سے مال کا لالچ نسبتاً کم خطرناک ہے کیونکہ سونا چاندی وغیرہ مال، ریاست اور سربراہی حاصل کرنے کے لیے خرچ کر دیے جاتے ہیں، چنانچہ مال کے لالچ سے بچنا شرف کے لالچ کی نسبت کم درجے کا "ورع" ہے۔ دکھاوا...... ظاہریت پسندی اور نمود و نمائش کا شوق انسان کے دل سے بڑی ہی مشکل سے نکلتا ہے۔ اس رستے میں کتنے مال ضائع ہو چکے ہیں... کتنے مسلمان تباہ ہو چکے ہیں... کتنی حکومتیں بربادی سے دوچار ہو چکی ہیں... کتنے ممالک کا نام و نشان مٹ چکا ہے... یہ سب اسی لالچ کا نتیجہ ہے جو انسانی دل سے سب سے آخر میں نکلتا ہے۔

دکھاوے اور گفتگو کا شوق

دکھاوے اور شو مارنے کا شوق بھی کتنا خطرناک شوق ہے۔ اگلے زمانے کے مسلمان، جن کی مثالیں دی جاتی ہیں، اس خطرناک ڈھلوان سے بہت بچتے تھے اور اس مشکل گھاٹی سے بچ کر نکل جایا کرتے تھے جو دلوں کے اندر چپکے سے راہ بنالیتی ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا: ؏

ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں

اس موذی مرض سے اس کے علاوہ کون بچ سکا جس پر اللہ نے اپنی رحمت کا سایہ کیے رکھا اور اپنی رحمتِ خاص سے اُسے بچالیا اور اس مرض کو مرض سمجھ کر، اس سے بچنے والے، اپنے دل

کو اس ہوس سے پاک رکھنے والے کتنے ہیں؟ یہ ہوس تو مرتے دم تک انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔

ورع... گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ نیز ورع اپنی نیکیوں اور اپنے ایمان کو ضائع ہو جانے سے بچانے کی کوشش کا نام ہے۔ اسی طرح ''ورع'' نفس کو ان سب چیزوں سے بچا رکھنے کا نام ہے جو ایک پاکیزہ نفس کو رب العالمین اور اس کے فرشتوں کے سامنے ''تن داغ دار'' ٹھہرا دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور دھیان جتنا زیادہ ہو گا، گناہ اتنے ہی کم ہوں گے، برائیاں اتنی ہی کم سرزد ہوں گی اور انسان اتنی ہی کم غلطیوں کا مرتکب ہو گا۔

تو اے مومنو!

اللہ سے ڈرو!

اور یاد رکھو! تمہارے ساتھ ایک ایسی ذات ہر وقت موجود رہتی ہے جو کبھی تم سے جدا نہیں ہوتی (سوائے بیت الخلا اور اوقات ہم بستری کے)۔

تو اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اُس کے قوانین اور قاعدوں کا احترام کرو۔

اسے اپنے حسن اخلاق سے عزت دو۔ اللہ تعالیٰ بڑا غیرت مند ہے، وہ کسی بندے کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اُس کی غیرت جوش میں آجاتی ہے۔

تو بھائی! اپنے نفس کو خراب ہونے سے بچاؤ۔

اس مقام کا اعلیٰ وارفع مرتبہ تو یہ ہے کہ ''مباح'' چیزوں میں بھی وسیع المشربی کا مظاہرہ کرنے سے پرہیز برتا جائے اور فضول چیزوں کو ترک کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے کیسی جامع بات فرمائی۔ فرمایا:

من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه

''کسی شخص کے اسلام کے لیے بہتر بات ہے کہ وہ فضول باتیں ترک کر دے۔''

کتنے ہی لوگ ہیں جو بے فائدہ کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ گروہوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں، خاندانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، دوستوں میں دوری پیدا کرتے ہیں اور یہ سب محض گفتگو کا شوق پورا کرنے کے لیے... صرف شوق پورا کرنے کے لیے، صرف اس لیے کہ وہ بولنا چاہتا ہے اور اپنے اس شوق پر کسی طرح قابو نہیں پا سکتا۔ وہ مشتبہ چیزوں کی پیروی کرتا ہے اور ہر چیز کے بارے میں یہ جانے بغیر کہ اس کو اس معاملے میں بولنے کا حق ہے یا نہیں، اظہار خیال کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ وہ ہر موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع

''کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے محض اتنا ہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے (بغیر تصدیق کیے) آگے سنا دے۔''

اور یہ گمان... فرمایا:

إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (سورۃ یونس:۳۶)

''گمان حقیقت کو کسی طرح نہیں پہنچ سکتا۔''

اور فرمایا کہ

إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ...... (سورۃ الحجرات:۱۲)

''بعض گمان تو گناہ ہوتے ہیں۔''

اور اگر بعض گمان بذات خود گناہ ہوتے ہیں تو اُس گفتگو کے بارے میں کیا رائے دی جا سکتی ہے جو محارم اور حرمات کے بارے میں محض ''گمان'' کی بنیاد پر کی جا رہی ہو؟ شہوت کلام نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح لکڑی کو آگ۔ حدیث میں ہے کہ

وان الرجل ليتكلم بالكلمة لا يلقى لها بالا فيهوى بها فى النار وان الرجل ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقى لها بالا ...

''جب آدمی بلا سوچے سمجھے ایک جملہ منہ سے نکال دیتا ہے تو وہ اپنے آپ کو آگ میں گرا دیتا ہے کیونکہ بعض اوقات انسان ایسے ہی بلا سوچے سمجھے اللہ کو ناپسند کوئی کلمہ منہ سے نکال دیتا ہے۔''

کبھی آپ نے نہیں دیکھا کہ ایک آدمی ٹانگ پر ٹانگ دھرے ایسے ہی فارغ بیٹھا ہے۔ وہ فراغت گزارنے کے لیے قہوہ یا چائے کی چسکیاں لینا شروع کر دیتا ہے۔ وہ اپنی فراغت کے لیے تلاوت یا عبادت کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ اپنی فرصت کا وقت اپنے بھائی کا گوشت کھا کر گزارنا چاہتا ہے۔ وہ حرمات پر رائے زنی کرتا ہے، وہ حدود سے گزرتا ہے۔ خدا کے اس بندے کے پاس کل نیکیاں ہی کتنی ہیں جنہیں وہ اس طرح ضائع کر رہا ہے تو اپنے نفس کو اسے خراب کرنے والی چیزوں سے بچانا چاہیے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

قیامت سے پہلے کچھ حالات و معاملات ایسے برپا ہونے ہیں جن سے اہلِ ایمان کی جنت و جہنم وابستہ ہے۔ مخبرِ صادق، نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کا مفہوم ہے کہ ’آخری زمانے میں دنیا دو خیموں میں بٹ جائے گی، ایک خیمہ اہلِ ایمان کا ہو گا جس میں نفاق نہ ہو گا اور ایک خیمہ اہلِ نفاق کا ہو گا جس میں ایمان نہ ہو گا‘۔ مولانا مسعود کوثر صاحب مدّ ظلہٗ کے یہ دروس اسی کامیابی یا ناکامی سے متعلق ہیں اور ان میں اہلِ ایمان کو لائحۂ فکر و عمل فراہم کرنے کا سامان ہے۔ مولانا موصوف نے یہ دروس ایک عوامی مجلس میں ارشاد فرمائے تھے، جہاں برادرِ عزیز حافظ شہزاد (محب اللہ) شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، برادر حافظ شہزاد شہید نے ہی بڑے اہتمام سے ان دروس کو ریکارڈ کیا تھا۔ ان صوتی دروس کو تحریری شکل میں بھائی خیر الدین درانی نے ڈھالا ہے، باذن اللہ یہ دروس قسط وار، مجلّہ ’نوائے افغان جہاد‘ میں نشر کیے جائیں گے۔ (ادارہ)

اس وقت سے لے کر قیامت کے قائم ہونے تک تفصیل کے ساتھ راوی (یعنی اصحابِ رسول ﷺ) یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خطبہ شروع فرمایا اور ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ منبر سے اترے نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنی بات کو وہیں سے شروع کیا حتیٰ کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا۔ نبی کریم ﷺ منبر سے اترے، عصر کی نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے، اپنے سلسلۂ کلام کو جاری کیا سورج کے غروب ہونے تک (خطبہ جاری رہا)۔ نبیٔ کریم ﷺ نے خطبے کے آخر میں ارشاد فرمایا...... لوگوں سے سوال کیا، بتاؤ سورج کے غروب ہونے میں کتنا وقت باقی ہے؟ جواب ملا کہ چند لمحے باقی ہیں، سورج غروب ہوا چاہتا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، سمجھ لو کہ قیامت تم پر اسی طرح قائم ہے۔ اس کا وقت انتہائی قریب ہے، جتنا غروبِ شمس کا وقت باقی ہے اور دنیا اپنی اتنی عمر جو ہے وہ گزار چکی جتنا کہ یہ سارا دن گزر چکا ہے اور تم آخری اُمت ہو اور تم قیامت کے متصل اُمت ہو تمہارے بعد کسی اُمت نے نہیں آنا۔ تمہیں پر قیامت نے قائم ہونا ہے۔

یہ نبی کریم ﷺ کا خطبہ مسجدِ نبوی میں مدنی دور میں، ہجرت کے بعد کا ہے۔ مدینہ کے حالات اور موسم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تقریباً رسولِ اقدس ﷺ کا پندرہ گھنٹے کا طویل خطبہ جس میں نماز کے علاوہ رسولِ اقدس ﷺ نے اپنی گفتگو کو توڑا نہیں ہے۔ طویل ترین خطبے کا موضوع، صحابیٔ رسول یہ کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ہمیں اس میں وہ بتایا جو تب سے لے کر قیامت کے قائم ہونے تک پیش آنا تھا۔ پھر اس خطبے کے بعد نبی کریم ﷺ کے علما صحابہ کی تقسیم ہو گئی۔ کیا مطلب (علما صحابہ کی تقسیم ہو گئی)؟ اس خطبے کے بعد پوچھا یہ جاتا کہ فلاں صاحب بھی عالم ہیں؟ کہا عالم ہیں! اِن کو مسائل کا علم ہے؟ مسائل کا علم ہے۔ جو علما صحابہ تھے، جن کو تفسیر و حدیث پہ عبور حاصل تھا، مسائل و فضائل کا علم، احکام و میراث کا علم ان کے پاس تھا، دیکھا جاتا تھا کہ کیا ان کو رسول اللہ ﷺ کا وہ طویل ترین خطبہ یاد ہے یا نہیں۔ اُس میں کہی ہوئی باتیں وہ احادیث، وہ حالات و واقعات یاد ہیں یا نہیں۔ اگر تفصیل مسائل، احکام، میراث اور احادیث رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ کسی عالم صحابی کو رسولِ اقدس ﷺ کا یہ طویل ترین خطبہ یاد ہوتا تو اس کو صحابہ میں سب سے بڑا عالم سمجھا جاتا تھا۔

صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں صحابیٔ رسول یہ کہتے ہیں کہ اس خطبے کے بعد ہم میں صحابہ میں سب سے بڑا عالم اس کو تصور کیا جاتا، جو ہم میں سے سب سے زیادہ اس خطبے کو یاد کرنے والا تھا۔ جس کے پاس تمام حالات و واقعات کا، مستقبل کا اور فتن کا علم ہوتا، اس کو بڑا عالم سمجھا جاتا۔ یوں صحابہ میں تقسیم ہو گئی اس خطبے کے بعد۔ تو آپ ذرا سوچیے کہ کس بات نے نبی کریم ﷺ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ نبی کریم ﷺ نے انتہائی اہمیت کے ساتھ کام کاج سے بٹھا کر، لوگوں کو اُن کی حاجات سے فارغ کر کے، بغیر کسی وقفے کے فجر سے لے کر مغرب تک ایک طویل ترین مسلسل خطبہ ارشاد فرمایا۔

اس کی جزئیات...... اس خطبے میں کیا ارشاد فرمایا؟ وہ ہر صحابی نے اپنے اپنے الفاظ میں اس کو روایت کیا ہے۔ اور روایت کرنے والوں میں حضرتِ ابو ہریرہؓ، حضرتِ حذیفہ ابن الیمانؓ، حضرت نواص ابن السمعانؓ، حضرت عمر بن خطابؓ اور دوسرے کچھ صحابہ اس میں اور بھی ہیں لیکن بنیادی طور پر یہ چار صحابہ ان واقعات کو تفصیل سے بیان کرنے والے موجود ہیں، جنہوں نے ان کو یاد رکھا۔ اور آگے اِن حالات و واقعات کو...... رسولِ اقدس ﷺ کے اس خطبے کو آگے نقل کیا اور وہ احادیث کی شکل میں صحاحِ ستہ میں موجود ہے اور اس کی زیادہ تر احادیث کو امام نعیم ابن حمادؒ نے الگ سے جمع کیا ہے۔ اُس حدیث کی کتاب کا نام ”الفتن“ ہے۔ جس میں امام نعیم ابنِ حمادؒ نے جو امام بخاریؒ کے بھی استاد ہیں اور یہ الفتن کتاب جو ہے، یہ صحیح بخاری یعنی صحاحِ ستہ سے پہلے تصنیف کی گئی ہے۔ ۲۲۹ ہجری میں امام نعیم ابنِ حماد العروضیؒ کی وفات ہے، جو امام بخاریؒ کے استاد ہیں، ۱۹۴ ہجری میں امام بخاریؒ کی پیدائش ہے، ۲۵۶ ہجری میں امام بخاریؒ کی وفات ہے، ۲۷۱ ہجری میں امام مسلم کی وفات ہے، ۲۷۳ ہجری میں امام ترمذیؒ کی وفات ہے، ۲۷۹ ہجری میں امام ابو داؤدؒ کا انتقال ہے اور ۳۰۳ ہجری میں امام نسائیؒ کی وفات

ہے۔ ان سب سے مقدم، اِن سب سے پہلے ۲۲۹ ہجری میں امام نعیم ابن حماد العروضیؒ کی وفات ہے۔ امام بخاریؒ کے شیوخ میں سے ہیں، استادوں میں سے ہیں۔ وہ تمام احادیث جو رسولِ اقدس ﷺ کے اس طویل خطبے سے متعلق ہیں، جزئیات کے ساتھ وہ روایات ہوتی ہوئی امام نعیم ابنِ حماد نے اس دور میں ان کو ایک جگہ جمع کر کے اس کتاب کا نام ''الفتن'' رکھا اور وہ کتاب جو ہے اُمت کے پاس محفوظ ہے۔ کچھ عرصہ یہ مفقود رہی۔ اب نئی شکل میں یہ اُمت کے پاس چھپ کر، طباعت ہو کر محفوظ ہے۔ یہ وہ احادیث تھیں جو نبی کریم ﷺ نے مجمع عام میں ارشاد فرمائی۔ اس علم کا دوسرا حصہ وہ ہے جس کو رسولِ اقدس ﷺ نے فتنہ کی وجہ سے عوام تک نہیں، بطورِ علم بطورِ راز نبی کریم ﷺ نے چند صحابہ میں یہ علم تقسیم فرمایا اور اُن صحابہ نے آگے اپنی زندگی میں ایک ایک دو دو شاگرد تیار کیے وہ علم ان تک پہنچا اور پھر روایات ہوتا ہوا صحاح ستہ میں بھی موجود ہے اور کتاب الفتن میں بھی موجود ہے۔ ایک علم جو مجمع عام میں ارشاد فرمایا، الفتن سے متعلق اور دوسرا وہ جو رسولِ اقدس ﷺ نے بالخصوص بطورِ راز صحابہ تک پہنچایا جس میں حضرت حذیفہ ابن الیمانؓ صاحب سِرّ رسول ﷺ (حضور اقدس ﷺ کے راز دان صحابی) صاحبِ سِر اس وجہ سے ہیں کہ اُن کے پاس یہ والا علم تھا۔ ہر راز حضرتِ حذیفہؓ کے پاس نہیں تھا۔ ورنہ رسولِ اقدس ﷺ کے سب سے بڑے راز دان تو حضرتِ ابو بکر صدیقؓ تھے، دوسرے قریبی صحابہ تھے جنہوں نے ہجرت کی ہے۔ حضرتِ حذیفہ ابن الیمانؓ تو مدینہ کی زندگی میں حاضر ہوئے اور یہ سن چھ ہجری کے بعد آکر مسلمان ہونے والوں میں سے ہیں جنہوں نے بدر واحد میں شرکت نہیں کی ہے۔ تو یہ صاحبُ السِر ہیں، حضور ﷺ کے راز دان ہیں، اس خاص علم کے حامل اس خاص علم کے راز دان ہونے کی وجہ سے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی احادیث کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسولِ اقدس ﷺ سے علم کے دو برتن حاصل کیے ہیں، ایک برتن وہ جو تمہارے اندر میں نے پھیلا دیا ہے۔ جو دوسری احادیث، دوسرا برتن علم کا ہے...... اگر میں وہ علم کا برتن تمہارے اندر کھولوں، وہ احادیث واضح کروں، لوگ مجھے یہاں قتل کر دیں، میری گردن اڑا دیں۔ کیوں اڑا دیں؟ اس شک کی وجہ سے کہ یہ احادیث نہیں، ابو ہریرہ جو حالات وواقعات کو ہوتا ہوا دیکھتا ہے، اس کو حدیث بنا کر لوگوں کو بتاتا ہے۔ اس شک سے ابو ہریرہ کو قتل کر دیں گے، کہ یہ احادیث نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ احادیث حالات وواقعات کے اتنی موافق ہیں، اتنی واضح ہیں۔ تو اس تمہید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قیامت ہمارے عقائد میں شامل ہے، قرآن و حدیث کا بنیادی مضمون ہے اور علاماتِ قیامت کو نبی کریم ﷺ نے، ان حالات و واقعات کو اتنی اہمیت اور اتنی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا پھر ایک عقل مند مسلمان، ایک عقل مند مومن کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ نبی کریم ﷺ نے جن واقعات کو اتنی اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہو اور وہ اس اُمت کے حالات، اور اُمت کے مستقبل کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں بالخصوص اس فتن کے زمانے میں جس میں آپ اور میں جی رہے ہیں۔ اس زمانے کے حالات رسولِ اقدس ﷺ نے تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہوں تو ایک مسلمان کو اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ وہ اِن احادیث پر غور کرے، سمجھے، اس کو دیکھے، علما سے سنے۔ علما کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عوام میں اس کو بیان کریں اور رسولِ اقدس ﷺ کی اِن احادیث کو عام فرمائیں تاکہ اُمت کو اپنے مستقبل کا علم بھی ہو اور بصیرتِ نبویہ (نبی کریم ﷺ کی بصیرت) اور آپ ﷺ کی ان فتنوں کے حالات میں جو ہدایات و تعلیمات ہیں اُمت کو ان کا علم ہو۔ فتنہ کیا ہے؟ فتنے ہیں کیا؟ وہ حالات کیا ہیں؟ اُن کی پہچان کیا ہے؟ اور کس میں کس کا کردار کتنا ہے اور ہمارے لیے اس میں ہدایات کیا ہیں؟ تعلیمات کیا ہیں؟ ہم بچ کیسے سکتے ہیں؟ مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ ہمیں کس گروہ میں شامل ہونا چاہیے؟ یہ تمام ہدایات و تعلیمات احادیث میں موجود ہیں۔ تو ایک صاحبِ فراست ایمان والے شخص کو، ایک مومن کو اس سے دوری کیوں ہے؟! یہ دوری ختم کرنے کے لیے اور بصیرتِ نبویہ کو اور فہمِ نبوت کو جو نبی کریم ﷺ کو علم اور بصیرت اللہ ذوالجلال نے وہب کی تھی، عطا فرمائی تھی، اُمت کو اس کا علم بھی ہونا چاہیے اور اپنی زندگی کو اُن ہدایات کے مطابق بسر کرنا چاہیے۔ ہمارے اس موضوع کا، مضمون کا اہم حصہ جو ہے وہ یہ ہے۔ حالات بیان ہو جائیں گے، علامات کو بیان کر دیں گے، قیامت کے واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کر دیں گے، جنگوں اور ملاحم کو بیان کر دیں گے، لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس بات کو یاد کر کے، سمجھ کے، اس کا فہم حاصل کر کے، اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنا ہے۔ اگر فرد ہے تو فرد کا یہ فریضہ ہے، قوم ہے تو پھر قوم کا فریضہ یہ ہے اور حکومت ہے تو حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی پالیسیوں کو رسولِ اقدس ﷺ کی تعلیمات اور رسولِ اقدس ﷺ کے فرامین پر پرکھنا چاہیے لیکن اگر فردِ واحد سننے والا ہے تو اس کی یہ ذمہ داری ہے اور چند لوگ سننے والے ہیں جماعت ہے تو جماعت کی ذمہ داری۔

حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مومن، اُن جیسی شخصیت نے اپنی خلافت کی داخلہ اور خارجہ پالیسی جو ہے وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک عالم جماعت پر رکھی تھی جو قرآن، تفسیر، فقہ، حدیث، تاریخ، سیرتِ رسول ﷺ اور علم الفتن کے ماہر لوگ تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے شخص جو امیر المومنین ہیں وہ جنازے سے پہلے دیکھتے ہیں کہ جنازے کی صفوں میں علم الفتن کے جاننے والے حذیفہ ابن الیمانؓ موجود ہیں یا نہیں۔ اگر وہ مدینہ میں ہیں اور اس شخص کے جنازے پر آئے ہیں تو حضرت عمرؓ جنازہ پڑھا دیتے ہیں اور اگر وہ نہیں ہیں تو یہ اس بات کا شک ہے کہ مرنے والا نفاق پر نہ مر رہا ہو۔ جنازہ کسی اور کے ذمے لگا رہے ہیں اور خود جنازہ نہیں پڑھاتے۔ مسلمان کسی نئے علاقے کو فتح کر رہے ہیں تو وہاں صحابہ کی ایک جماعت موجود ہے۔ اردن کا علاقہ فتح ہوا۔ آذر بائیجان کی سرحد پر صحابہ پہنچے تو حضرت عمرؓ، حضرت حذیفہؓ کو بھیج رہے ہیں کہ اس جنگ میں آپ شریک ہوں، اس کے حالات و واقعات بتائیں کیونکہ آپ کے پاس رسولِ اقدس ﷺ کا وہ علم، وہ احادیث ہیں جو واقعات بھی بتاتا ہے اور جو ملکوں کی خبر بتاتا ہے کہ فلاں ملک کا مستقبل یہ ہے۔ آپ اس لشکر میں جائیے اور اُن کو

بتائیے کہ ان کے بارے میں رسول اقدس ﷺ کے اقوال کیا ہیں۔ اس کے مطابق آپ امیر کو کہیے۔ امیر لشکر کو آپ اپنے حکم کے مطابق چلائیں۔ یہ داخلہ و خارجہ پالیسی حضرت عمرؓ کی اُن صحابہ پہ تھی اور اُن احادیث پر جو تفسیر و حدیث اور احکام و میراث کے علم کے ساتھ علم الفتن پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔ جن کو حالات و واقعات ازبر یاد ہیں اور رسولِ اقدس ﷺ کا وہ طویل ترین خطبہ جو الفتن پر تھا وہ اُن کو ازبر تھا کیونکہ اس خطبے کے حافظ تھے۔ تو ہم جس زمانے میں جی رہے ہیں، ہم اُس زمانے سے پندرہ سو سال کا سفر کرتے ہوئے جس زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اور جس زمانے میں سانس لے رہے ہیں، کم از کم ہمیں یہاں سے لے کر قیامت تک کے حالات و واقعات کا علم تو حاصل کرنا چاہیے کہ ہم کس زمانے میں جی رہے ہیں، ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہمارے بعد آنے والا زمانہ کیا ہے، اس کے بارے میں تعلیمات و ہدایات کیا ہیں قرآن و حدیث کی صورت میں، رسولِ اقدس ﷺ کی بصیرت اور فہم کے مطابق۔ تو اس تمہیدی گفتگو میں وقت لگ گیا۔ لیکن یہ ضروری گفتگو تھی جس کے بغیر اہمیت اور اس کا تعارف نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ نے اُمت کو اُمت کے ادوار بتائے۔

ہم اب اپنے اصل موضوع کو شروع کر رہے ہیں۔ آج ہم کہاں کھڑے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ابو داوٗد شریف کی حدیث ہے: ''یہ دین میری نبوت سے اور میری رحمت سے شروع ہوا''۔

آغاز نبوت و رسالت سے۔ اُمت کا پہلا دور وہ گزرا کہ جب اُمت میں اُمت کے نبی موجود تھے۔ اہلِ رسالت، اہلِ نبوت، نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی، نبی کریم ﷺ کے اسفار، نبی کریم ﷺ کی دعوت، آپ ﷺ کے خطوط، نبی کریم ﷺ کی جہادی زندگی اور دین کی تکمیل ہو رہی ہے، وحی آ رہی ہے، احکام بن رہے ہیں۔ یہ تئیس سالہ نبی کریم ﷺ کے نبوت کا زمانہ ہے، یہ اس اُمت کا پہلا دور ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''نبوت تم میں رہے گی جب تک اللہ چاہیں گے، پھر تم سے نبوت اٹھالی جائے گی''۔ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة

اُمت دوسرے دور میں داخل ہو جائے گی اور نبوت اٹھالی جائے گی اور اس کی جگہ خلافت آجائے گی اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ، نبوت کی طرز پر ہو گی۔ اور وہ حضرت ابو بکر و عمر، حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی صورت میں یہ خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور آیا۔ جس کو خلافتِ راشدہ کہتے ہیں۔ یہ اُمت کا دوسرا دور تھا۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر امت تیسرے مرحلے میں داخل ہو گی۔

بادشاہت آجائے گی اور وہ کاٹ کھانے والی بادشاہتیں ہوں گی۔ ایک دوسرے کو دبا دینے والی، ایک دوسرے کا حق کھانے والی، باپ نے اپنے بیٹے سے حکومت چھینی، بیٹے نے باپ سے حکومت چھینی، ایک دوسرے کو قتل کیا، بھائی نے بھائی کا گلا کاٹا۔ جس کی لاٹھی اسی کی بھینس، جس کا غلبہ آیا اسی نے اس علاقے پر اقتدار حاصل کیا اور یہ بادشاہی کا ایک طویل سلسلہ ہے۔

جو اُمت کا تیسرا دور ہے وہ کاٹ کھانے والی بادشاہتیں ہیں۔ اُمت نے یہ دور بھی دیکھا۔ بادشاہی بھی جو ہے وہ اس امت پر مسلط ہوئی اور ایک طویل عرصہ اس اُمت نے بادشاہتوں کو بھگتا جو نبوت کے طرز پر نہیں تھیں جو خالص بادشاہی نظام تھا اور بادشاہت جو ہے وہ یا وراثت میں منتقل ہوتی رہی یا نئے آنے والے ظالم اور جابر بادشاہ کو منتقل ہوتی رہی۔

پھر اُمت میں چوتھا دور آیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اُمت چوتھے مرحلے میں داخل ہو گی۔ جبر، آمریت اور دہشت کا دور آئے گا۔ تب جو جابر ہو گا، جو آمر ہو گا، جو جتنی زیادہ دہشت رکھتا ہو گا، وہ اپنی حکومت کو قائم کر لے گا۔

ابو داوٗد شریف کی حدیث میں ہے، اُمت چوتھے مرحلے میں داخل ہو گی، انتہائی ظلم، انتہائی جبر، انتہائی بے انصافی کا دور ہو گا اور جو جتنا بڑا آمر ہو گا، جتنا بڑا ظالم و جابر ہو گا وہ اتنے حصے پر بادشاہت کرتا رہے گا۔ چار مرحلے ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اُمت پانچویں اور آخری مرحلے میں داخل ہو گی۔ پھر کیا ایک کیا ہو گا۔ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة، پھر خلافت قائم ہو گی۔ ملک نہیں کہا، بادشاہی نہیں کہا، آمریت نہیں کہا، جبر نہیں کہا، ظلم نہیں کہا ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة، پھر خلافت قائم ہو گی اور نبوت کے طرز پر ہو گی۔ جس کو خلافتِ راشدہ کہہ سکتے ہیں۔ وہ تسلسل جو ٹوٹا ہو گا، بیچ میں کئی صدیاں گزری ہوں گی، نبی کریم ﷺ کے عہد اور خلافت راشدہ کے عہد کے بعد دنیا وہ زمانہ دیکھے گی کہ وہ خلافت واپس آئے گی، وہ زمانہ واپس لوٹے گا اور صرف نام کی خلافت نہیں خلافة علیٰ منہاج النبوۃ، نبوت کے طرز پر قائم ہو گی جس میں سو فیصد اللہ کا قانون، آئین نافذ ہو گا۔ محدثین اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ جو پانچواں زمانہ ہے، المرادُ به زمن مهدي و عيسى عليه الصلوٰة والسلام۔ یہ پانچواں دور حضرتِ مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کا دور ہے۔ اگر ہم اپنے آپ کو دیکھتے ہیں تو ہم چوتھے دور کے آخر میں کھڑے پانچویں دور کے منتظر ہیں۔ ہماری جدوجہد، ہماری کاوشیں اور مسلمانوں کا انتظار اور مایوسی کی یہ کیفیت اور حق و باطل کی یہ کشمکش، یہ بتا رہی ہے کہ جلد از جلد چوتھے دور کا اختتام ہو گا اور ہم پانچویں دور میں داخل ہونے ہی والے ہیں۔

یہ جو چوتھا دور اور چوتھے دور کا اختتام ہے اور پانچویں دور کا آغاز ہے یہ ان حالات و واقعات پر دائرہ لگا رہے ہیں کہ یہ اصل میں حالات، واقعات، ملاحم اور فتنوں کے عروج کا زمانہ ہے۔ جس میں اپنا ایمان بچانا، اپنے خاندان بچانا، اپنی نسلوں کو بچانا مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ یہ چوتھے دور کا آغاز فتنوں کے عروج کا آغاز ہے۔ جو ایمان والوں سے ایمان کھینچ لے گا، جو حق و باطل کی تمیز مٹا دے گا، جو سچ اور جھوٹ کے فرق کو مٹا دے گا، جو فانی اور باقی کی تمیز کو مٹا دے گا، جس میں یہ پہچان کرنا مشکل ہو جائے گا کہ کون کس طرز پر زندگی بسر کر رہا ہے اور کس کا ساتھ دینا چاہیے، حق کیا ہے اور باطل کیا ہے... (باقی صفحہ نمبر 32 پر)

اسلام تیرا دیس ہے، تُو مصطفوی ہے!

(مسلمانانِ ہند کی خدمت میں محبت واخوت کا پیغام)

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم

برصغیر اور بالخصوص ہندوستان کے میرے عزیز مسلمان بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہماری یہ گزارشات ہندوستان کے مسلمان بھائیوں کے نام ہیں۔ علماءِ کرام، داعیانِ دین، اصحابِ فکر، نوجوانانِ اسلام اور ہندوستان کے وہ سب اہلِ دل ہمارے مخاطب ہیں جو یہاں مسلمانوں کی حالتِ زار پر دردمند اور ان کے مستقبل کے حوالہ سے فکر مند ہیں، پھر محمدِ عربی ﷺ کے خاص وہ غلام ہمارے مخاطب ہیں جن کے چہرے نورِ ایمان سے روشن ہیں، شرک وظلم کے اندھیروں سے جو دبنے اور ڈرنے والے نہیں، اور جو کفر والحاد کے طوفانوں کا مقابلہ کرنے اور اسلام دشمن سیلابوں کا رُخ اسلام ہی کے حق میں پھیرنے کا عزم رکھتے ہیں۔

عزیز بھائیو! تقسیمِ ہند سے لے کر آج تک...... اس پورے عرصہ میں، ارضِ ہند پر مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ کیے گئے ایک ایک ظلم پر آپ نگاہ ڈالیے...... احمد آباد و گجرات کے فسادات، بابری مسجد کی شہادت، اس کی جگہ پر آج رام مندر کی تعمیر کا یہ سرکاری اعلان، 'گھر واپسی' کی ارتدادی مہم اور پھر شہریت کے قانون میں یہ مخصوص ترمیم...... یہ سب واقعات تو محض چند جھلکیاں ہیں، جبکہ مظالم کی یہ روداد بہت طویل ہے اور آپ سے بہتر اس کی تاریخ کون جانتا ہے؟! ہندوستان کے طول و عرض میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پکنے والی نفرت وعداوت آپ کے سامنے ہے اور جن کے پاس قوت واختیار ہے، ان کے اسلام دشمن منصوبے بھی آپ دیکھ ہی رہے ہیں...... عزیز بھائیو! یہ سب احوال کیا ہمارے لیے کوئی پیغام نہیں رکھتے؟ کیا یہ دھواں کسی جلتی آگ کا پتہ نہیں دیتا؟ یہ واقعات ہمیں خبردار کر رہے ہیں کہ وہ موڑ کسی بھی وقت آنے والا ہے جو اصل میں ایک خطرناک کھائی کا نام ہے، ایسی کھائی کہ اگر تیاری کی جو موجودہ کیفیت ہے، اس کے ساتھ ہمیں اس میں دھکیلا گیا تو اس سے بچ کر نکلنا بالکل ناممکن ہوگا...... سچ یہ ہے ہندوستان کے میرے عزیز بھائیو! ہم مانیں یا نہ مانیں، تیاری کریں یا نہ کریں، یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ ارضِ ہند میں ایک انتہائی بھیانک طوفان ہماری طرف بڑھ رہا ہے، ایسا بے رحم طوفان آگے بڑھ رہا ہے کہ جس کے تصور سے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اس طوفان سے مقابلے کے لیے تیاری میں مزید تاخیر ہوئی تو اللہ نہ کرے کہ ہندوستان کی زمین بھی اس اندوہناک قیامت کا نظارہ پیش کرے جس سے ابھی چند سال پہلے برما میں ہمارے مسلمان بھائی گزر چکے ہیں، وہ نظارہ کہ جس کے سوچنے سے بھی ہر صاحبِ ایمان کی روح تڑپ جاتی ہے۔

عزیز مسلمان بھائیو!

آپ ہی بتائیے...... کیا کسی کو شک ہے کہ ہندوستان کی زمین ہم پر تنگ کرنے اور ہمارا خون بہانے کی یہاں ملک بھر میں تیاری ہو رہی ہے ؟! ہندو دہشت گرد تنظیمیں اسٹیبلشمنٹ کی سرپرستی اور عالمی طاقتوں کے تعاون سے، پورے ہندوستان میں پھیل رہی ہیں، عسکری ٹریننگ حاصل کر رہی ہیں۔ فوج، پولیس اور سب حکومتی اداروں پر ان دہشت گردوں کا قبضہ مستحکم ہوتا جا رہا ہے...... ان کا نعرہ، نظریہ اور منصوبہ ہی یہ ہے کہ 'ہندو بن جاؤ یا ہندوستان چھوڑ دو'! وہ برما میں مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم کی علی الاعلان تائید کرتے ہیں اور بغیر کسی خوف وخطر کے ہندو غنڈوں کو برما میں ڈھایا گیا ظلم بطور رول ماڈل بتاتے ہیں۔ ایک دو سیاسی جماعتیں مسلمانوں کی ہمدرد بن کر رواداری کا راگ بھی الاپ رہی ہیں، مگر کون نہیں جانتا کہ 'رواداری' اور مسلمانوں کے ساتھ 'ہمدردی' کی یہ نمائش کرسیٔ اقتدار تک پہنچنے کا محض وسیلہ ہے۔ یہ واقعی 'امن پسند' ہیں، اتنے کہ کل مسلمانوں پر اگر خدانخواستہ کڑا وقت آگیا تو یہ گھروں کے دروازے تو بند کر لیں گے، کانوں میں انگلیاں تو یہ ٹھونس لیں گے مگر مسلمانوں کی چیخ وپکار پر کوئی ایک بھی باہر نہیں نکلے گا۔ ایک مسلمان کی خاطر کسی ہندو غنڈے کے ساتھ یہ بھڑ جائیں، ناممکن ہے۔ لہٰذا ظالم بھیڑیوں اور ہندو درندوں سے حفاظت اگر مطلوب ہے تو اس کے لیے کسی اور کو نہیں خود مسلمان ہی کو کھڑا ہونا ہوگا۔

میرے عزیز بھائیو!

طوفانوں کا مقابلہ تو تب ہی ہو سکتا ہے کہ جب آنکھیں کھلی اور خطرات کی حقیقت تسلیم کی جاتی ہو، لیکن سامنے کھڑے خطرات کے وجود اور طوفانوں کی آمد سے ہی اگر انکار کیا جائے تو ایسے میں سب سے بڑی دشمن پھر اپنی یہ خود فریبی ہی ہوتی ہے۔ ہمیں دُکھ ہے کہ بعض حلقے مطمئن بیٹھ کر ہندوستان میں مسلمانوں کے قدموں کے نیچے دہکتے اس آتش فشاں کے وجود سے ہی انکاری ہیں۔ وہ مسلمانوں کو باور کراتے ہیں کہ ملکی حالات کا یہ سیلاب جس سمت بھی ہمیں لے جائے، بغیر کسی مزاحمت کے اس کی رو میں ہمیں بہہ جانا چاہیے، ان حلقوں کو خدشات ہیں اور نہ ہی اس قسم کے خدشات کو ذہنوں میں جگہ دینے کے یہ حق میں ہیں، نظر آنے والے خطرات پر سوچنے اور بولنے کو یہ تنگ نظری کہتے ہیں، طوفان سے پہلے اس کی تیاری کو ردِ عمل کی سوچ کہتے ہیں، طفل تسلیاں ہیں جو دی جا رہی ہیں، کہتے ہیں 'سیکڑوں سال سے ہم مسلم وہندو ساتھ رہے، مسلمانوں کو یہاں کوئی خطرہ نہیں'...... یہ کہہ کر یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر سیکڑوں سال ہم یہاں ساتھ رہے ہیں تو کمزور بن کر کبھی نہیں رہے، ہندوؤں کے رحم وکرم، ان کی کسی

’وسعت نظری‘ اور کسی نام نہاد ’رواداری‘ کے سہارے بھی ہم نہیں رہے، ہم یہاں فاتح بن کر آئے تھے اور فاتح رہ کر اپنی ایمانی قوت، کردار اور زورِ بازو کے بل پر رہے۔ ہماری ایمانی غیرت اور دفاعی قوت ہی تھی کہ جس کے سبب خود بھی یہاں عزت کے ساتھ جیے اور دوسروں کو بھی عدل وامن سے ہم نے نوازا۔ لیکن انگریز کے آنے اور تقسیم ہند کے بعد ہم وہ نہیں رہے، حاکم محکوم بن گئے اور طاقت ضعف میں تبدیل ہوئی۔ مگر کیا اب وہ کم سے کم قوت بھی ہمارے پاس موجود ہے کہ جو کسی ظالم ہاتھ کو ہماری طرف بڑھنے سے باز رکھے؟ قطعاً نہیں، یقیناً اس کم سے کم قوت سے بھی آج ہم محروم ہیں، اور اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ ’ہم اقلیت نہیں، دوسری بڑی اکثریت ہیں اور ہمیں ہمارے حق سے کوئی محروم نہیں کر سکتا‘...... عزیز بھائیو! اس دنیا میں محض حق پر ہونے اور استحقاق کی بنیاد پر ہی کیا حق دار کو حق ملا کرتا ہے؟ ایسا ہوتا تو کیا ہی بات ہوتی، پھر برما، مشرقی ترکستان اور چیچنیا سے لے کر فلسطین و شام تک کے مسلمانوں کو کبھی اپنی زمینیں نہ چھوڑنی پڑتیں، کشمیری مسلمانوں کو زمین سے ایسا کبھی نہ لگایا جاتا اور ان کا خون یوں بے دردی کے ساتھ کبھی نہ بہایا جاتا، احمد آباد سے مظفر نگر تک مسلم کُش فسادات نہ ہوئے ہوتے، بابری مسجد آج بھی اپنی شان کے ساتھ یہاں کھڑی رہتی اور اس کے میناروں سے اذانیں سنائی دیتیں......ہندوستان پر مسلمانوں کا حق یقیناً ہے مگر کیا یہ حق منت سماجت کر کے کبھی لیا جاسکتا ہے؟ کیا سنگ دل دشمن کی خوشامد کر کے اس کا دل موم کیا جاسکتا ہے؟ بھیڑیے کے سامنے رحم کی اپیلیں کر کے اس سے جان بخشی کبھی ہو سکتی ہے؟ حق لینے کے لیے اپنے اندر حق چھیننے کی قوت پیدا کرنی ہوتی ہے اور ظلم روکنے کے لیے ظالم کے سامنے کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ یہاں سسک سسک کر زندگی نہیں ملا کرتی ہے، بلکہ موت ہی زندگی کی حفاظت کیا کرتی ہے۔

عزیز بھائیو!

ہمیں یاد رکھنا چاہیے، کہ مسلمان اور ہندو، اسلام اور شرک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسلام انسانوں کے رب کی طرف سے دیا ہوا عظیم نور ہے، جبکہ شرک اندھیرا اور نری جاہلیت ہے۔ یہ انتہائی قاتل خود فریبی ہوگی اگر ہم نے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کر ’ہندو مسلم بھائی بھائی‘ کے سفید جھوٹ اور ’مذہبی رواداری‘ نامی دام فریب پر اعتبار کیا۔ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ مشرک ہندو کبھی بھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے ہیں۔ اللہ کی کتاب بتاتی ہے کہ یہود کے بعد مسلمانوں کے بدترین دشمن یہی مشرکین ہیں۔ فرماتے ہیں: لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ "مؤمنین کے لیے دشمنی میں سب لوگوں سے زیادہ تم یہود کو پاؤ گے" وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا...... "اور وہ جو شرک کرتے ہیں"۔

اللہ کی کتاب ہم مسلمانوں کو سمجھاتی ہے کہ ان مشرکین کی چکنی چپڑی باتوں میں کبھی نہیں آنا...... ’بغل میں چھری منہ میں رام رام‘ ان مجرمین کا قدیم طریقہ ہے، اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ اگر مسلمان نہتے ہوں، اپنا دفاع خود ان کے اپنے ہاتھوں میں نہ ہو، تو مشرکین سے بدتر کوئی دشمن نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں: كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ "یہ مشرکین صلح پر کیسے قائم ہو سکتے ہیں؟ اگر یہ تم پر قابو پائیں"......لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً "تو نہ یہ تمہاری قرابت داری و ہمسائیگی کا خیال رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنے کیے ہوئے وعدوں کو ایفا کرتے ہیں" يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ "صرف منہ کی باتوں سے تمہیں راضی کرتے ہیں"، (یعنی یہ صرف زبانی جمع خرچ کرتے ہیں، جب یہ مجبور ہوں، ان کی کوئی ضرورت ہو تو کہتے ہیں ہندوستان میں کوئی مذہبی تقسیم نہیں ہے، سب دھرم والے یہاں برابر شہری ہیں: يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ مگر حقیقت میں) وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ جبکہ دل میں ایسا نہیں ہوتا "دل ان کے نہیں مانتے ہیں" وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ "اور اکثر ان میں بدعہد ہیں"، جب انہیں قوت و اختیار ملتا ہے، مسلمانوں کو جب نہتا اور کمزور پاتے ہیں تو پھر کسی عہد وپیمان اور میثاق و آئین کا خیال نہیں رکھتے ہیں۔

عزیز بھائیو! اہم ترین نکتہ جس کا نظروں میں رہنا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ، ہم تحریک اٹھائیں نہ اٹھائیں، باطل ہمارے خلاف تحریک ضرور اٹھاتا ہے، وہ کبھی نہیں رکتا، وہ ہماری اپنے دین سے وابستگی برداشت کرے، یہ ناممکن ہے۔ شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مکالمہ پڑھیے، یہ مکالمہ آج کے مشرکین کی فطرت سمجھنے کے لیے بھی کافی ہے۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کیا[1]: وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ "اگر تم میں سے ایک گروہ اُس دین پر ایمان لایا ہے جو میں لایا ہوں" وَطَائِفَةٌ لَمْ يُؤْمِنُوا "اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا تو"......فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا "صبر سے کام لو، یہاں تک کہ اللہ ہمارے بیچ فیصلہ فرمائے،" وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ "اور اللہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں"، علماءِ کرام نے یہاں وضاحت کی ہے کہ شعیب علیہ السلام نے ان کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھایا تھا، دھمکی نہیں دی تھی، آپ نے الٹا جنگ و لڑائی سے منع کیا، کہا کوئی کسی کے خلاف کچھ نہ کرے، اللہ کیا فیصلہ فرماتا ہے؟ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں؟ بس اس کا انتظار کریں۔ ایسے میں جو قوت و اختیار والا طبقہ تھا، اس نے شعیب علیہ السلام سے کہا، قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ

[1] وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ○ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ (سورۃ الأعراف 87،88)

اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ "قوم کے متکبر سردار بولے" لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا "اے شعیب تمہیں اور جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں، تم سب کو ہم یہاں سے نکال باہر کردیں گے" أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا "(تمہارے پاس بس ایک ہی راستہ ہے) "یا تم واپس ہماری ملت میں پلٹ جاؤ (واپس نعوذ باللہ مشرک بن جاؤ!)"...... یہ دھمکی ہے جو شرک وکفر کے علم بردار ہمیشہ اہل ایمان کو دیتے ہیں، 'تبادلۂ خیال' اور 'بقائے باہمی' کا ڈھنڈورا پیٹنے والے آج بھی جب مسلمانوں کو کمزور پاتے ہیں، تو لہجے بدل جاتے ہیں اور 'رواداری' اور 'قانون کی حکمرانی' جیسے دعووں کا نقاب جلد ہی چہروں سے اتر جاتا ہے۔

بتائیے میرے بھائیو! برما کے مسلمانوں نے کس کو تکلیف دی تھی؟ انہوں نے کس کے خلاف ہتھیار اٹھایا تھا؟ کب انہوں نے انتہا پسندی اور 'دہشت گردی' کی دعوت دی تھی؟ انہوں نے تو لاٹھی تک بھی نہیں اٹھائی تھی۔ وہ تو مکمل طور پر نہتے، مسکین اور ضعیف تھے، وہ انسانیت اور ہم وطن ہونے کے واسطے دے کر امن کی بھیک اور جینے کا حق مانگتے تھے، کیا انہیں معاف کیا گیا؟ ان کی جان بخشی ہوئی؟ نہیں! ان کا قتل عام ہوا، لاکھوں کی تعداد میں انہیں سمندر میں دھکیلا گیا۔ درندوں میں بھی ترس اور رحم نامی صفات موجود ہوں گی مگر برما کی زمین پر مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس قدر بے رحمی کے ساتھ ہوا کہ جنگل کے درندے بھی اس پر دردمند ہوں گے، اور یہ سب مظالم آج کے میڈیا والے دور میں ہوئے، سب کچھ عالمی طاقتوں کی نظروں میں ہوا۔ چوری چھپے، یا خاموشی کے ساتھ نہیں، ڈنکے کی چوٹ پر...... کیمروں کے سامنے...... لاٹھیاں، خنجر اور آگ وپٹرول لے کر مشرک بدھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ فوج وپولیس ان غنڈوں کی محافظ اور معاون تھی...... پھر بے دردی اور نت نئے طریقوں سے...... اذیتیں دے دے کر انہیں مارا گیا...... بچوں کو والدین کے سامنے آگ میں ڈالا گیا، زندہ انسانوں تک کے ہاتھ، پاؤں اور کان کاٹے گئے، بیچ چوراہوں میں مسلمان خواتین کے ساتھ زیادتیاں کی گئیں اور پھر پٹرول چھڑک کر انہیں آگ لگادی گئی......ایک واقعہ نہیں، بے شمار واقعات اور لاتعداد ویڈیوز ہیں، بستیوں کی بستیاں چند دنوں کے اندر راکھ میں تبدیل ہوگئیں، اور لاکھوں بہنیں ہیں جو آج بھی بے گھر ودربدر، کیمپوں میں پناہ لیے اپنے اوپر گزرے ان مظالم کی داستان سنا رہی ہیں۔

عزیز بھائیو!

اسلام 'لا الٰہ' کا اعلان کرکے دیگر تمام معبودوں اور تمام ادیان کا انکار کرتا ہے جبکہ 'الا اللہ اور محمد رسول اللہ' کہہ کر صرف اسلام ہی کے حق پر ہونے اور زمین میں اس کے غالب رہنے کے استحقاق کا اقرار واعلان کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام تمام انسانوں کو آزاد کرنے اور انہیں اللہ کی بندگی میں لانے کا پیغام ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مسلمان کی ذمہ داری ہی یہ لگائی ہے کہ وہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر خالق السماوات والارض، اللہ کی بندگی میں داخل کردے اور تمام ادیان کے جور وستم سے انہیں نجات دلا کر اسلام ہی کی رحمت میں انہیں داخل کردے۔ یہ مسلمان کی ذمہ داری تھی، یہ اس کا فرض تھا کہ وہ دنیا پر ظلم وکفر کے خلاف تحریک بپا کرے، انسانیت اور اس کے رب کے بیچ رکاوٹوں کو ڈھادے اور زمین پر زمین کے رب اللہ کے دین کو حاکم وغالب کردے۔ اگر تو مسلمان اس فرض پر لبیک کہے، اس کی ادائیگی میں اپنی جان اور سب مال ومتاع کھپادے، تو اس کی زندگی کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، اس کو دنیا میں بھی اللہ عزت دیتا ہے اور آخرت میں بھی ہمیشہ کی کامیابی سے اسے نوازتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے اِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا "نکلو ہلکے ہو یا بوجھل" وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ "اور اللہ کے راستے میں جان ومال سے جہاد کرو" ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ "یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو"۔ لیکن اگر مسلمان کے اردگرد ظلم وکفر کا تو بازار گرم ہو، زندگی کے تمام تر رستوں پر تو باطل کا قبضہ اور حکمرانی ہو اور وہ اس سب کے باوجود بھی چین وآرام سے بیٹھا، اللہ کی پکار پر لبیک نہیں کہتا ہو، اس کے باوجود بھی اللہ کے نور کو لے کر اندھیروں کو بھگانے نہیں نکلتا ہو...... بلکہ دنیا کی چار دن کی زندگی کا وہ اسیر بن جاتا ہو، عافیت، راحت اور دنیا کی نام نہاد ترقی وخوشحالی کو وہ عزیز تر رکھتا ہو، تو اللہ رب العزت اسے خبردار کرتا ہے، کہ إِلَّا تَنْفِرُوا "اگر تم (جہاد کے لیے) نہیں نکلتے"...... يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا "تمہیں اللہ دردناک عذاب دے دے گا"...... وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ "اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا" وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا "اور تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے" وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ "اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"...... عزیز بھائیو! آج ہماری جو حالتِ زار ہے، یہ اپنا یہ فرض پورا نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ جو دین غالب ہونے آیا ہے، وہی آج برصغیر میں مغلوب ہے، اور جو دوسروں کو آزادی دینے آیا تھا، آج خود اس کے ماننے والے غلام ہیں۔ اگر یہ دین غالب ہوتا، شریعت مطہرہ یہاں حاکم ہوتی، برصغیر کی اس سرزمین پر اسلام کا قلعہ اگر کہیں بھی واقعی موجود ہوتا، تو ہندوستان کیا برصغیر بھر میں مسلمانوں کی یہ حالت نہ ہوتی، مسلمان تو مسلمان کسی غیر مسلم پر بھی ظلم نہ ہو رہا ہوتا، یہاں کی زمین بھی خوش ہوتی اور آسمان بھی رحیم ہوتا، اسلام کے فیوض وبرکات کو سب سمیٹ رہے ہوتے اور یہاں کے تمام انصاف پسند انسان اسلام ہی کے آغوش میں اپنی نجات پاکر اس کی طرف لپک رہے ہوتے۔ مگر افسوس کہ یہ فرض ادا نہیں ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوا، ایک ملک اسلام کے نام پر بھی بنا، مگر وہاں سب سے بڑا دھوکہ اسلام ہی کے ساتھ ہوا۔ آج وہاں اسلام اور اسلام چاہنے والوں پر بدترین مظالم ہو رہے ہیں، وہاں کی فوج وحکمران اسلام دشمن جنگ کا ہراول دستہ ہیں... پھر یہاں جنہوں نے کفر والحاد کے سامنے بند باندھ کر غلبۂ دین کی تحریک چلائی تھی، افسوس کہ انہوں نے جمہوریت کی قربان گاہ پر اپنی اسلامیت ہی قربان کردی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان میں اصحابِ اقتدار کا مقصد اسلام کی خدمت نہیں، بلکہ اپنے مفادات کا حصول رہا، یوں غلبۂ اسلام اور مظلوم انسانوں کی نصرت کے وہ سب خواب دھرے کے

دھرے رہ گئے۔ آج پاکستان کی صورتِ حال پر شیخ احسن عزیز شہید رحمہ اللہ کے یہ اشعار بہت صادق آتے ہیں جو انہوں نے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں کو مخاطب کر کے لکھے تھے:

ہم سے بچھڑے جو... تم
"اقلیت" رہ گئے!
یوں اکیلے ہی پھر
اتنے غم سہہ گئے!
اور ہم!!!
خواب لے کر کے آئے تھے
کل جو یہاں!
سَیلِ الحادو عصیاں کے طوفان میں
کب کے...... وہ بہہ گئے!
بے سُدھ و دَم بخود
ہم جہاں سے چلے تھے
وہیں رہ گئے!

تقسیم ہند کے وقت جہاں سے ہم چلے وہیں رہ گئے، وہیں نہ رہتے تو آج پورے برصغیر کی تقدیر مختلف ہوتی۔ دوسری طرف بھارت میں بھی غلبۂ دین اور دعوتِ دین کی تحریک، افسوس ہے کہ چند قدم بھی نہیں چل سکی، حالانکہ یہی وہ تحریک تھی جو یہاں کے مسلمانوں کو حفاظت و تقویت دے سکتی تھی۔ یہی وہ تحریک تھی جو اپنے تو اپنے پرایوں کی بھی تقدیر بدل سکتی تھی، یقیناً مشکلات یہاں کم نہیں تھیں اور جس نے ان حالات میں دین کی جو بھی خدمت کی ہے، اللہ انہیں اجر عظیم دے، لیکن مجموعی طور پر یہاں بھی وہ کچھ نہیں ہوا، جو ہونا چاہیے تھا، ضروری تھا کہ مسلمانوں کو مثالی مسلمان بننے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی دعوت دی جاتی، اپنی حفاظت و دفاع کے لیے انہیں تیار کیا جاتا، ان میں وطن پرستی کی جگہ 'خدا پرستی'، لادینیت کی جگہ للّٰہیت اور 'اتباع شریعت' کی ایسی روح پھونک دی جاتی کہ وہ دعوت و کردار کا ہتھیار لے کر غیروں کے سامنے بھی اسلام کی عظمت کا عملی نمونہ بن جاتے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم نے یہاں 'جمہوریت' اور 'سیکولرازم' کے نعروں کا تو ساتھ دیا مگر اسلام اور ہماری حالت زار بتار ہی ہے کہ رخ بہ منزل سفر میں چند قدم بھی ہم آگے نہیں اٹھا سکے۔

ہندوستان کے میرے عزیز مسلمان بھائیو!

ہمیں یقین ہے کہ ارضِ ہند بلکہ پورے برصغیر میں اسلام غالب ہو کر رہے گا۔ شاہ عبد العزیز دہلوی، سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ نے جو خواب آنکھوں میں سجائے تھے، اُن کی تعبیر کا وقت اب زیادہ دور نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مبارک احادیث ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ یہاں کفر و ظلم کا یہ راج ہمیشہ نہیں رہے گا، وہ دن ضرور آئے گا جب شرک و ظلم کے یہ اندھیرے سب چھٹ جائیں گے۔ پس اے محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کی روحانی اولاد! پریشان نہ ہوں، دل برداشتہ اور مایوس نہ ہوں...... یہ اٹل حقیقت ہے کہ فتح و نصرت اللہ اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ "اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے" ﴿إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ "بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے"۔ آزمائش ہماری ہے کہ ہم ان اندھیروں کے ساتھ مصالحت کرتے ہیں یا اسلام کا نور لے کر ان کے خلاف صف آرا ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم نے عزم و ہمت کے ساتھ نصرتِ دین کا شرعی راستہ چنا اور نصرتِ دین ہی کے مقصد کو اول و اہم رکھ کر میدان عمل میں اترے، تو یقین جانیے، فتح ہمارے قدم چومے گی۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ﴾ "اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے" ﴿إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ "بیشک اللہ زبردست غالب ہے"۔ پس جذبے ٹھنڈے نہ ہوں، عزم قوی رکھیے، عمل کرنے اور آگے بڑھنے کا وقت ہے، ہم مؤمن ہوئے، صبر و استقامت کا دامن ہم سے نہیں چھوٹا...... تو ہم بہر حال کامیاب ہیں۔ اقلیت و اکثریت کے بکھیڑے سب بیکار ہو جائیں گے اور باطل کا یہ شور و غوغا سارا ہوا میں تحلیل ہو جائے گا۔ ﴿كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ "ایسا بہت ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے" ﴿وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾، اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔ اللہ ہمیں اس آیت کا مصداق بنائے اور اہل ہند کو جس مبارک گروہ نے اندھیروں سے نجات دلانی ہے، اللہ ہمیں اس میں شامل فرمائے، آمین۔

عزیز بھائیو اور محترم بزرگو!

وہ کیا امور ہیں کہ جو اسلامیان ہند کو خصوصی طور پر اپنے سامنے رکھنے چاہییں اور کیا عملی اقدامات ہیں کہ جن کو اٹھا کر ہم بے رحم طوفانوں سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں؟ اللہ ہماری رہنمائی فرمائے اور توفیق و مدد سے نوازے، اس سے متعلق نکات کی صورت میں چند گزارشات ہیں جو آپ کی خدمت میں رکھ رہے ہیں۔

1. پہلا نکتہ، اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف بحیثیت مجموعی رجوع ہو، اللہ ہمارا خالق و مالک ہے، وہی ہمارا معبود اور حاکم ہے، لہٰذا اللہ کی عظمت کے مقابل کسی مخلوق کی عظمت ہم قبول نہ کریں۔ اُس رب عظیم کے مقابل کسی عدالت، کسی ریاست، عوام یا خواص کے کسی حکم و فیصلے کی تقدیس ہم نہ کریں۔ وطنیت اور جمہوریت، یہ سب عصر حاضر کے تراشیدہ بت ہیں، ان سب کا انکار جبکہ صرف للّٰہیت اور اسلامیت کا ہم اقرار کریں۔

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تُو مصطفوی ہے

صرف اللہ کے سامنے ہم جھکیں، اللہ کے احکامات کی پیروی کریں اور اللہ کے احکامات کے مقابل کسی کے اصول واحکامات کو ہم خاطر میں نہ لائیں۔ یہی 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کا تقاضہ ہے۔

2. دوسرا، 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کی یہ دعوت ہم عام کریں، اس کلمے کا معنی و مفہوم، فرائض اور تقاضے خود بھی ہم سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں، یہ کلمہ تمام معبودوں اور بادشاہوں سے انکار جبکہ صرف ایک اللہ کی عبادت اور اطاعت کا اعلان ہے۔ یہ دعوت ہم اپنوں کے سامنے بھی رکھیں اور پرایوں کے سامنے بھی۔ سب کو ہم سمجھائیں کہ ہماری دنیاو آخرت کی تمام تر بھلائیاں بس اس کلمہ کو ماننے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں ہیں۔ ہمارے اخلاق و کردار، معاشرت و معاملات، دعوت و خدمت خلق، دوستی و دشمنی کا ڈھنگ سب شریعت کے مطابق اور کلمۂ توحید کی عملی تصدیق کرنے والے ہوں۔ اسلام و شریعت پر عمل اور اس کی دعوت کے سبب اگر مشاکل و محرومی کا سامنا ہو، تو سامنا کیا جائے اور اگر اس کی خاطر سب کچھ کی قربانی بھی دینی پڑے تو اس سے دریغ نہ ہو۔ ہماری دعوت و تحریک اور فکر وسعی شرعی اصولوں کے گرد ہو، نہ کہ قومی و شخصی مفادات کے گرد۔ ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ اس طرزِ فکر و عمل کا فائدہ اسلام کو بھی ہو گا اور بطورِ قوم ہم مسلمانوں کو بھی۔ لیکن قومی فوائد کے نام پر اگر احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ہم کریں، تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ یہ ہماری قوم کے لیے بھی کبھی کوئی برگ وبار نہیں لائے گی۔

3. تیسرا، ہندوستان میں جو ہمیں کچھ نہ کہے، یعنی ہمارے اوپر جو ہاتھ نہ اٹھائے، ہم بھی اسے کچھ نہ کہیں اور ہم بھی اس کے لیے مکمل طور پر امن کے پیغامبر ہوں، لیکن اگر کوئی ہمیں، ہمارے بچوں، ماؤں اور بہنوں کو مارنے آئے، کیا اس کے سامنے بھی ہم پر امن ہوں؟ نہیں! قطعاً نہیں! تمام علماء وفقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ عدوِصائل، حملہ ور دشمن کو روکنا اوراپنے دین و دنیا کو اس کے فساد سے محفوظ کرنا نماز کے بعد اہم ترین فرض ہے۔ ہندو کی فطرت ہے کہ یہ کمزور کو مارتا اور پسے ہوئے کو مزید پیٹتا ہے جبکہ طاقت ور کو دیوتا بنا کر اس کی پوجا کرتا ہے۔ برما میں قتل عام صرف وہاں ہی ہوا جہاں مزاحمت نہیں ہوئی، مگر جہاں مزاحمت ہوئی، محض لاٹھی اور پتھروں سے بھی جہاں دفاع ہوا، وہاں دشمن بھاگنے پر مجبور ہوا۔ پھر عزیز بھائیو! اعداد و تیاری چونکہ خود ایک مستقل فرض ہے، اس لیے علماء کرام اور داعیانِ دین کی خدمت میں ہم درخواست کرتے ہیں کہ اس کی بھرپور ترغیب دیں اور اس کے لیے باقاعدہ ابھی سے صف بندی کریں۔ دلوں میں شہادت کا جذبہ پیدا کیا جائے، ظاہر ہے شہادت سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں اور اپنے دین وایمان، اہل وعیال اور مسلمانوں کے دفاع میں جان دینا افضل شہادت ہے۔

4. چوتھا، دنیا بھر میں الحمدللہ جگہ جگہ میادینِ جہاد گرم ہیں، یہاں غلبۂ دین اور مظلوموں کی نصرت کے لیے مجاہدینِ اسلام بر سرِ پیکار ہیں، دفاعِ امت کے اس ہراول دستے، ان ابطالِ اسلام سے آپ لاتعلق مت رہیے۔ ضروری ہے کہ ان میدانوں میں آپ بھی شریک ہوں اور تحریکِ جہاد کی نصرت و تائید میں آپ کا بھی بھرپور حصہ ہو۔ آپ کا قریب ترین میدان، جہادِ کشمیر ہے، اس جہاد میں آپ جان ومال سے شریک ہوں۔ تحریکِ جہاد میں آپ کی یہ شمولیت اور کسی بھی سطح پر آپ کی شرکت ہندوستان بھر میں اسلام اور مسلمانوں کی تقویت کا ان شاءاللہ سبب بنے گا۔

5. پانچواں اور آخری نکتہ یہ ہے کہ مذکورہ نکات پر زیادہ سے زیادہ اتفاق واتحاد پیدا کریں اور ان تمام امور کو مکمل نظم وضبط کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کیجیے۔

اللہ سے دعا ہے کہ مسلمانانِ ہند کو وہ عزت، قوت اور شوکت سے نوازے... یا اللہ! ہندوستان میں ہمارے بھائیوں کے دین وآبرو، جان ومال اور اہل وعیال کی حفاظت کیجیے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم برصغیر میں غلبۂ اسلام کی تحریک میں اپنا سب کچھ لگائیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں وہ دن دکھائے جب پاکستان و ہندوستان اور پورے برصغیر میں اللہ کی رحمانی شریعت کا راج ہو اور ظلم وکفر کے جھنڈے سب سرنگوں ہوں، آمین یارب العالمین۔

وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ. وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين ـ

(بشکریہ: ادارہ السّحاب برِّصغیر)

تم کو رہِ رسول پہ چلنا نصیب ہو! (ﷺ)

اللہ تم کو صاحبِ سیف و سِناں کرے
جسموں میں روحِ خالدؓ و طارقؒ رواں کرے

دے کر شعورِ زیست، ارادے جواں کرے
جو جم چکا ہے خون رگوں میں دواں کرے

تم کو رہِ رسولؐ پہ چلنا نصیب ہو
کب سے گرے پڑے ہو، سنبھلنا نصیب ہو

(احسان دانش رحمہ اللہ)

گستاخانِ رسول سے انتقام لینے کے تین طریقے

مولانا محمد مثنیٰ حسّان حفظہ اللہ

آج پھر بندر و خنزیر کی اولاد، ان کافروں نے اپنے پہلوں کی پیروی میں ہمارے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے، جس سے مسلمانوں کے دل غم و ہم میں گرفتار ہیں۔ ایسے میں ہر اہلِ ایمان کا ضمیر تڑپ کر یہ سوال کرتا ہے کہ میں اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے لیے کیا کروں؟

۱. جہاد فی سبیل اللہ

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سینوں میں موجود اس غیض و غضب کو ٹھنڈا کرنے کی راہ قتال فی سبیل اللہ کو قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَلاَ تُقَاتِلُونَ قَوْماً نَّكَثُواْ أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّواْ بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَؤُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤُمِنِينَ○ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ○ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللّهُ عَلَى مَن يَشَاءُ وَاللّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ○ (سورۃ التوبۃ: ۱۳-۱۵)

”کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہ کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کو جلاوطن کرنے کا عزمِ مصمم کر لیا اور انہی کی طرف سے ابتدا ہوئی۔ کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ ڈرنے کے لائق تو اللہ ہے بشرطیکہ تم ایمان والے ہو۔ ان سے (خوب) جنگ کرو، اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ دے گا اور مومنوں کے سینوں کو ٹھنڈک بخشے گا اور ان کے دلوں سے غصہ دور کرے گا اور جس پر چاہے گا رحمت کرے گا۔ اور اللہ سب کچھ جانتا اور حکمت والا ہے۔“

”جاهدوا في سبيل الله فان الجهاد في سبيل الله باب من أبواب الجنة، ينجي الله به من الهم والغم.“ (رواه الحاكم وصححه وواقفه الذهبي)

”اللہ کے راستے میں جہاد کرو، کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اس کے ذریعے اللہ غم و حزن سے نجات دیتا ہے۔“

پس یہ ناپاک جسارتیں جہاد سے ہمارا تعلق مزید پختہ کرنے کا باعث بننی چاہیے ہیں اور ہمیں مظاہروں کے لیے سڑکوں اور چوکوں پر نکلنے کی بجائے، قتال کے لیے محاذوں کا رخ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور بالخصوص ہمیں اپنے تیروں و تلواروں کا رخ ان ممالک کی طرف پھیرنے کی ضرورت ہے جن کی سرکاری سرپرستی میں یہ خاکے چھاپے گئے ہیں، مثلاً ڈنمارک، جرمنی، ناروے، ہالینڈ وغیرہ۔ ان صلیبی ممالک کو ایسا سبق سکھانے کی ضرورت ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی تاقیامت ایسی جرأت کرنے کا نہ سوچیں۔ الحمدللہ ان ممالک کے مفادات محض ان کی اپنی سرزمین ہی میں نہیں موجود، بلکہ دنیا بھر میں، بشمول اسلامی ممالک، ایسے بے شمار اہداف ہیں جن پر ضرب لگانے سے ان ملکوں پر براہِ راست زد پڑتی ہے۔ پس اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ آگے بڑھ کر ہر ممکن طرح اپنا فرض ادا کریں!

۲. گستاخانِ رسول کا قتل

اس وقت کرنے کا دوسرا کام، جو کہ شریعت کی روشنی میں فرض کی حیثیت رکھتا ہے، یہ ہے کہ ہر اس شخص کی گردن ماری جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوا ہے۔

ہمارے اسلاف نے ہر دور محمد بن مسلمہؓ، عبد اللہ بن عتیکؓ اور عمیر بن عدیؓ کی سنت کو تازہ کیا ہے۔ ماضی قریب میں ہمارے آباؤ اجداد نے بھی اسی کو اپنا طرزِ عمل بنایا۔ جب ۱۹۲۹ء میں راج پال نے شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی پر مبنی کتاب نشر کی تو غازی علم دین شہیدؒ نے اسے قتل کر ڈالا۔ اس پر انگریزی عدالت نے انہیں سزائے موت سنائی اور ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو انہیں شہید کر دیا گیا۔ اس موقع پر علامہ اقبالؒ نے غازی علم دین شہیدؒ پر رشک کرتے ہوئے فرمایا: ”اسی گلاں کر دے رہ گئے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا“ (ہم باتیں کرتے رہ گئے اور ایک بڑھئی کا بیٹا بازی لے گیا)۔ اور غازی عامر چیمہ شہیدؒ نے بھی اپنی جان کا نذرانہ دے کر اسی سنتِ صحابہؓ کو پھر زندہ کیا۔

پس اس مقام پر یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ وہ اللہ رب العالمین جسے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اتنی سی بے ادبی بھی گوارا نہیں کہ مومنین کی آوازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند ہوں اور اس پر اتنی سخت تنبیہ فرمائی کہ: ڈرو کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں (سورۂ حجرات)...... کیا وہ ان چوپایہ نما انسانوں کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی پر مسلمانوں کی یہ خاموشی قبول فرما لیں گے؟

کیا فقط جلوس نکالنا، ٹائر اور پتلے جلانا، مغربی ممالک کے جھنڈوں کو پاؤں تلے روندنا اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لیے کافی ہو گا؟

روزِ حشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس منہ سے جاؤ گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہوئی اور ہم انہی بے فائدہ تماشوں میں لگے رہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکھایا ہوا عمل کچھ اور تھا؟

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غائبانہ مدد اسی طرح ہوتی ہے؟ کیا ”من لي بهذا الخبيث“ کی نبوی پکار کا جواب یونہی دیا جاتا ہے؟

اگر حضرت عمیرؓ نابینا ہونے کے باوجود یہود یہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتے ہیں تو کیا ایک ارب سے زائد تعداد میں دنیا کے شرق و غرب میں بکھری امت، مٹھی بھر گستاخوں کی گردنوں تک نہیں پہنچ سکتی؟ کیا اس امت میں کوئی نہیں جو گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سر کاٹ کر بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے "افلحت الوجوه" کی دعا کا مستحق بنے؟

۳. زبان و قلم سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع

ہمارے کرنے کا تیسرا اہم کام یہ ہے کہ ہم زبان و قلم سے حرمتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کریں، اور کفار کی خباثت و بدباطنی، اور اہلِ ایمان کے قلوب میں ان کے لیے موجود بغض و عداوت اور نفرت و حقارت کا کھل کر اظہار کریں۔ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جب کبھی کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات یا اشعار کہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کرکے فرمایا:

"قولوا لهم كما يقولون لكم." (الطبراني، أنظر: عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب لأدب، باب هجاء المشركين)

"تم بھی ان کے بارے میں ویسی باتیں کہو جیسی وہ تمہارے بارے میں کہتے ہیں۔"

پس صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ اور حضرت عامرؓ بن الاکوع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور کفار کی مذمت میں اشعار کہنے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس میدان میں بھی کفار کو منہ کی کھانی پڑی۔ علامہ ابنِ بطالؒ کفار کی مذمت میں اشعار کہنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"هجو الكفار من أفضل الأعمال، وكفى بقوله ((اللهمّ أيده)) فضلاً و شرفاً للعمل والعامل به." (الطبراني)

"کفار کی مذمت میں اشعار کہنا افضل ترین اعمال میں سے ہے، اور اس عمل اور عمل کرنے والے کی فضیلت و شرف ثابت کرنے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہی کافی ہے: اے اللہ (روح قدس کے ذریعے) اس کی مدد فرما!"

پس امت کے ادبا و مصنفین، شعرا و مقررین، خطبا اور داعیانِ دین پر لازم ہے کہ وہ آگے بڑھ کر اپنے زبان و قلم سے حرمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کا حق ادا کریں، اہلِ ایمان کے دلوں میں موجزن حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دلنشیں پیرایوں میں اظہار کریں، سینوں میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ بھڑکائیں، امت کے غافلین کو جھنجھوڑ کر اتباعِ سنت کی راہ پہ لائیں، کفارِ عصرِ حاضر کا مکروہ چہرہ پورے عالم کے سامنے بے نقاب کریں، کفر و اہلِ کفر سے منسوب ہر شے کی نفرت و عداوت دلوں میں بٹھائیں، اپنے دین و ایمان پر فخر کرنے اور کفار کی ہر ادا کو حقیر جاننے کا درس دیں، جہاد فی سبیل اللہ پر ابھاریں، گستاخوں کے سر کاٹنے کی ترغیب دیں...... الغرض ایک ایسی ایمانی آگ لگا دیں جو کفار کے چہار سو پھیلائے ہوئے فتنوں کو بھسم کر ڈالے، اور کوئی حجر و شجر بھی ان ناہنجاروں کو پناہ دینے پر تیار نہ ہو!

حاصلِ کلام

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کی طرف سے کیے گئے حملے کا قول و عمل سے دفاع کرنا امتِ مسلمہ پر قرض ہے۔ یہ قرض ادا کرکے ہی امتِ مسلمہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرخرو ہوگی، اور یہ قرض اسی صورت میں ادا ہوگا کہ ان خبثاء کے سر تن سے جدا ہوں یا ہماری روحیں قالب سے علیحدہ۔ شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے قائدِ جہاد کی حیثیت سے کفارِ عالم کو خبردار کرتے ہوئے کہا ہے:

"تمہاری یہ تمام حرکتیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ تم مسلمانوں سے ان کے دین پر جنگ جاری رکھنا چاہتے ہو اور یہ جاننا چاہتے ہو کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو اپنی جان و مال سے زیادہ محبوب ہیں یا نہیں؟ پس اب تم ہمارا جواب سنو گے نہیں بلکہ دیکھو گے! اور ہم برباد ہوں اگر ہم اب بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت نہ کریں!"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کا حق ادا کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پہ کٹ مرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین!

وصلى الله علي نبينا و حبيبنا محمد و على آله و صحبه اجمعين!

بقیہ: یہودیوں کی جدید تاریخ

اس طرح قدیم معاشی نظام ختم ہو جائے گا اور نئے معاشی نظام کے تحت علاقوں کی معیشت ایک دوسرے پر منحصر (Interdependent) ہو جائے گی۔ اس لامحدود کرنسی سے یہود دنیا کی پیداوار اور تجارت پر غالب آ جائیں گے اور دنیا پر حکومت وہ کرتا ہے جس کے ہاتھ میں خوراک کی پیداوار ہو۔ کرنسی لامحدود ہونے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اب 'یہودی بینک' فرد، کمپنیوں اور ملکوں کو سودی قرضہ فراہم کرکے ان کو اپنا غلام بنائیں گے۔ یوں کرنسی کا یہ اختیار تجارت پر قبضے میں بھی مدد دے گا اور ایک عسکری آلہ کا کام بھی دے گا۔ دوسری طرف یہودی اس لامحدود کرنسی سے تمام سونے کے ذخائر خرید لیں گے۔ چنانچہ کرنسی کی قدر کو کنٹرول کرنے کا اختیار حاصل کرنے، سونے کے ذخائر کو جمع کرنے اور ملکوں کی معیشت کو عالمی سطح تک آپس میں منسلک کرنے سے دنیا کی معیشت ان کے قبضے میں آ جائے گی۔ اس معیشت کو وہ جب چاہیں تجارت کے لیے اور جب چاہیں عسکری آلے کے طور پر استعمال کریں۔ نیو ورلڈ آرڈر کا معاشی نظام اور جنگِ عظیم دوم کے بعد قائم ہونے والا معاشی نظام...... جسے 'جدید منڈی کی معیشت' (Market Economy) کہتے ہیں...... دونوں اس پورے یہودی نظام کی عکاسی کرتے ہیں۔

[ان موضوعات کو مزید سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو: 'عصرِ حاضر میں جہاد کی فکری بنیادیں، از ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان'۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

سلمان تاثیر گستاخِ رسول کا مرتکب تھا!

مولوی حافظ حق نواز صاحب مدظلہ العالی

سلمان تاثیر کو قتل ہوئے نو برس ہو چکے ہیں اور اس گستاخِ رسول کے سعادت مند قاتل، عاشقِ رسول، غازی ملک ممتاز قادری کو جرمِ عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں شہادت سے (بحکم عدالت و حکومت) سرفراز ہوئے چار سال ہو چکے ہیں۔ اب تک بعض حلقوں میں یہ بحث موجود ہے اور بعض حضرات اب بھی سلمان تاثیر کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ گستاخِ رسول کا مرتکب نہ تھا۔ اسی طرح کے اعتراضات کا جائزہ ذیل میں مولانا حافظ حق نواز صاحب نے لیا ہے اور عقلی و شرعی لحاظ سے ایسے اعتراضات کا بطلان ثابت کیا ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ

نورِ ایماں ملے، فہمِ فرقاں ملے، زُور و باطل کی پہچاں سُجھا دیجیے

ہو جو حق، ان نگاہوں کو حق ہی دِکھے، آنکھ کو ایسا سُرمہ عطا کیجیے

آمین یا ربّ العالمین! (ادارہ)

الحمدللہ ربّ العالمین و الصلاۃ و السلام علی رسولہ الکریم محمد و علی آلہ و صحبہ و ذرّیتہ و من تبعھم باحسان الی یوم الدین و بعد

پہلی بات:

کفرِ جدید کا رسول اللہ ﷺ سے عداوت و بغض اتنا عیاں ہے کہ چھپائے نہیں چھپتا۔ گزشتہ ایک عرصہ سے اہلِ کفر کی رسول اللہ ﷺ کے خلاف اظہارِ بغض کی مہمات اور طریقوں میں اضافہ بھی ہوا اور اس میں ایک شیطانی تنوع بھی پیدا ہوا۔ تحریری گستاخیوں اور تصنیفاتی ہرزہ سرائیوں سے نکل کر یہ شیطانی قبیلہ برقی تصویری دنیا میں نئے ہتھیاروں سے لیس ہو کر حملہ آور ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے خاکے بنانے، فیس بک پر نام نہاد ووٹنگ کروانے، ویڈیو فلمیں بنانے کے اطوار اس عہد کی شیطانی اختراعات ہیں۔ اہلِ کفر کی عداوت کو اس عہد میں جو ایک "کامیابی" حاصل ہوئی ہے وہ تاریخ میں کبھی نہیں ہوئی اور وہ یہ کہ ان کو مسلمانوں کے معاشروں کا حصہ اور مسلمانوں کی علمی و سماجی دنیا سے وابستہ ایسے "مسلمان" میسر آ گئے جو گستاخیٔ رسول کے کافرانہ عمل کے مؤید و معاون ہیں۔ یہ معاونین دو طرح کے ہیں۔ ایک روایتی علمی طبقہ سے تعلق رکھنے والے "سکالرز" جن کا سارا دینی علمی زور یہود و نصاریٰ کے حق میں قرآن و حدیث سے دلائل تلاش کرنے اور دینی ادب سے ایسے جزیے ڈھونڈنے میں صرف ہوتا ہے جس سے ثابت ہو کہ یہود و نصاریٰ جو کہیں وہ آخری حق ہے اور مسلمان بنیادی طور پر باطل ہیں۔ اس کے لیے ان کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے مُسلَّمات میں تشکیک پیدا کرنے کے لیے اسلامی فقہی ادب سے اختلافی مسائل و آرا اور شاذ اقوال کو اپنا ہتھیار بناتے ہیں۔ حالانکہ جن غیرت مند فقہا کی آرا سے یہ فاسد مقاصد حاصل کرنے کے لیے ان کے فقہی ذخیرے کو کھنگالتے ہیں ان فقہا کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ کل مسلمان کہلانے والے اہلِ کفر کی حمایت میں ہماری فقہی آرا استعمال کریں گے۔ اس کی علمی بحث تو تفصیل کا تقاضا کرتی ہے کہ کوئی فقہی مسئلہ جس سیاق و سباق میں بیان ہوا ہو اور جو اس کے قائل (کہنے والے) کا ارادہ ہو اور جو اس کا اول مدلول ہو ان سب سے ہٹا کر اس کا اطلاق کرنا کیسے درست ہے؟ مثلاً حنفیہ کی ذمی کی رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کی سزا کے بارے جو بھی رائے ہے ان جدید صلیبی فقہا سے کوئی پوچھے کہ:

1. کیا تم ان کافروں کو جنہیں تم غیر مسلم اقلیت کہتے ہو ذمی قرار دیتے ہو؟ جب نہیں کہتے تو ذمی کی سزا کے جُزیے کیوں نکال نکال پیش کرتے ہو؟ جب تمہارے نزدیک یہ ذمی نہیں تو آخر ان پر ذمی کے متعلق کسی بھی فقہی جُزیے کا اطلاق کیسے ہو گیا؟
2. کیا تم یہود و نصاریٰ کو کافر و مشرک قرار دیتے ہو؟ نہیں تم تو یہود و نصاریٰ کا کافر قرار دینا ہی جائز نہیں سمجھتے۔ تو ان فقہا کے جُزیے کیوں پیش کرتے ہو جن کی ساری بحث ہی اس اصل الاصول پر کی گئی ہے کہ یہود و نصاریٰ کافر و مشرک ہیں۔ جس اصل پر انہوں نے اپنی فقہ کی بنیاد رکھی ہے اس اصل کے تو تم منکر ہو اور بھاگ بھاگ ان فقہا کے فقہی جُزیے ڈھونڈتے ہو جن سے تمہارے محبوب یہود و نصاریٰ کو فائدہ پہنچ سکے۔
3. کیا تم یہود و نصاریٰ کے بارے قرآن و سنت سے اخذ کردہ قدیم فقہا و علما کی آرا کو تسلیم کرتے ہو؟ کیا وہ جو یہود و نصاریٰ کے بارے حکم لگاتے ہیں تم اسے مانتے ہو؟ جب نہیں مانتے تو ان کے فقہی ذخیرے سے کیوں جُزیے ڈھونڈتے ہو؟
4. کیا ان فقہا کی آرا کا مقصود اہلِ کفر کے غلبے کی حمایت تھی؟ کیا ان فقہا کے ہاں نام نہاد مسلمان اور اہلِ کفر کی گستاخیٔ رسول کو تائید دینے کے لیے یہ جزیے تخلیق کیے گیے؟ کیا ان فقہا کے دور میں گستاخانِ رسول کو سرکاری پروٹوکول دیا جاتا تھا؟ جب یہ سب نہیں تو ان کے فقہی جُزیوں سے یہ کام کیسے ان فقہا کا مقصود بنا لیا گیا؟

اہلِ کفر کی رسول اللہ ﷺ سے بغض کی واضح وجوہات یہ ہیں:

1. رسول اللہ ﷺ نے اپنے بارے فرمایا: "محمد فرق بين الناس" (محمد ﷺ لوگوں کے درمیان حدِ فاصل ہیں)[1]۔ اس لیے آپؐ کو ماننا اور نہ ماننا ہی بنیادی مسئلہ ہے۔ اگر اس مسئلہ کا خاتمہ ہو جائے تو دینِ اسلام کی خاتمیت و حقانیت کا خاتمہ ہو جائے۔ اس لیے آپ ﷺ کی ذات کو موردِ تضحیک وطعن بناتے ہیں تاکہ جو شخصیت حدِ فاصل ہے اس حد کو ختم کیا جائے۔

2. دین کا عملی پہلو آپ ﷺ سے ہی وابستہ ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی ذات اور ان کا عمل نکل جائے تو دین محض نظریہ رہ جاتا ہے۔ اس لیے ان کی ساری مساعی اس پر صرف ہوتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کو منہا کر دیا جائے (یا نکال دیا جائے)۔ جب آپ کی ذات منہا ہو گئی تو دین اسلام ایک فلسفہ رہ جائے گا۔

3. رسول اللہ ﷺ سے محبت مسلمانوں کے دلوں میں راسخ ہے۔ وہ اپنی اعتقادی و عملی کمزوریوں کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی ذات کے بارے حساس ہیں۔ اہلِ کفر جانتے ہیں جب تک یہ حساسیت باقی ہے کسی وقت بھی کوئی مسلمان ہمارے لیے خطرہ بن سکتا ہے اگرچہ اسباب میں اس کے خطرہ بننے کا کوئی امکان نہ نظر آتا ہو لیکن رسول اللہ ﷺ کی ذات بارے اس کی حساسیت اس کو کسی بھی وقت برانگیختہ کر سکتی ہے۔

اس لیے اہلِ کفر رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کو ایک عام بات بنانے کے لیے زور صرف کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ممتاز قادری جیسے عظیم لوگ کھڑے کر کے فَأَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُم مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ[2] کے مناظر دکھاتا رہتا ہے۔ آئندہ سطروں میں ان اعتراضات کا جواب دیا جائے گا جو سلمان تاثیر کے قتل کے تناظر میں گستاخِ رسول کے قتل کے بارے کیے گئے۔

اعتراض نمبر ایک:

سلمان تاثیر نے رسول اللہ ﷺ کے بارے کچھ نہیں کہا تھا بلکہ پاکستان کے ایک قانون کے بارے میں تبصرہ کیا تھا۔ اس لیے اس کو گستاخِ رسول ﷺ کا مرتکب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس اعتراض کا جواب درجِ ذیل ہے:

کسی بھی شخصیت کی گستاخی یا یا اس پر شتم تین جہات (یا اطراف) سے ہوتا ہے۔

أ. اس کی ذات کو طعن و تنقیص کا نشانہ بنانا۔ جیسے کوئی کہے کہ فلاں شخص ذاتی لحاظ سے ہے ہی گندا۔

ب. اس کی صفات میں طعنہ زنی کرنا۔ جیسے کوئی کہے کہ فلاں شخص ظالم و جابر ہے۔

ج. اس کی منسوبات میں عیب زنی کرنا۔ جیسے کوئی کہے کہ فلاں شخص کے کپڑے دیکھ کر قے ہوتی ہے۔

ناموسِ رسالت کی حفاظت کے لیے بنائے گئے قانون کو کالا قانون کہنا ذاتِ رسالت پر طعنہ زنی کو درست قرار دینا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ناموس کی حفاظت اہلِ ایمان پر فرض ہے۔ قرآنی آیات لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ[3] اور لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ[4] اور إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ[5] سے یہ واضح مستفاد ہے کہ ناموسِ رسالت کی حفاظت دینی فریضہ ہے۔ اسی طرح کسی بھی مسلمان اجتماعیت پر لازم ہے کہ وہ ایسا انتظام کرے کہ حکومت و سلطنت کی سطح پر ناموسِ رسالت میں طعنہ زنی کا کامل انسداد ہو۔ عہدِ خلفائے راشدین میں اس کے نظائر موجود ہیں کہ شاتمِ رسول کو قتل کیا گیا۔ لہٰذا یہ قانون شرعی تناظر میں لازم ہے اور اس قانون کا استہزا رسول اللہ ﷺ کی ذات پر طعنہ زنی کو جرائم کی فہرست میں شامل نہ سمجھنا ہے۔

اگر یہ بھی کہا جائے کہ اس قانون توہینِ رسالت پر طعنہ زنی رسول اللہ ﷺ کی ذات کی توہین نہیں تو تب بھی یہ منسوباتِ رسول ﷺ کی توہین ہونے کے باعث ایک ہی حکم کے زمرے میں آتے ہیں۔ کیونکہ اس قانون کا تعلق صرف ناموس رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ اس میں کسی اور کی گستاخی اور توہین پر سزا کا کوئی ذکر نہیں۔ لہٰذا یہ قانون اصلاً اور عرفاً صرف رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے۔ منسوباتِ رسول اللہ ﷺ کی توہین بھی ذاتِ رسول ﷺ کی توہین ہے اور سزائے قتل کا مستوجب ہے۔ قاضی عیاض المالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح بخاری

[2] ﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُم مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِن فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ﴾ "ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکر کے منصوبے بنائے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ (منصوبوں کی) جو عمارتیں انہوں نے تعمیر کی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں جڑ بنیاد سے اُکھاڑ پھینکا، پھر اُن کے اُوپر سے چھت بھی اُوپر آ گری، اور اُن پر عذاب ایسی جگہ سے آ دھمکا جس کا اُنہیں احساس تک نہیں تھا۔" (سورۃ النحل: ۲۶)

[3] ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً سب کچھ سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔" (سورۃ الحجرات: ۱)

[4] ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ "اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو، اور نہ اُن سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں، اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔" (سورۃ الحجرات: ۲)

[5] ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ "جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اللہ نے دُنیا اور آخرت میں اُن پر لعنت کی ہے، اور اُن کے لیے ایسا عذاب تیار کر رکھا ہے جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔" (سورۃ الاحزاب: ۵۷)

”رسول اللہ ﷺ کو سب بازی (برا کہنا) ہی ہے چاہے آپ کی ذات کو عیب دار کہے، یا آپ کی ذات کے ساتھ کسی نقص کو منسلک کرے، یا آپ کے نسب میں عیب زنی کرے، یا آپ کے دین میں طعنہ زنی کرے، یا آپ کی عادات و صفات میں عیب زنی کرے، یا آپ کی عزت کو بٹہ لگائے یا اس کے مشابہ کوئی بات یا عمل کرے جو سب بازی یا عیب زنی میں شمار ہو یا جس سے بغض کا اظہار ہو اور کوئی عیب لگے تو یہ سب شتم رسول ہے، چاہے یہ صراحتاً ہو یا اشارتاً۔“[1]

نسیم الریاض شرح شفاء میں علامہ خفاجیؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سیاہی کی نسبت توہین ہے کیونکہ سیاہ رنگ ناپسندیدہ اور معیوب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ناموس کی حفاظت کے قانون کو کالا قانون کہنا بالتصریح اہانت ہے۔ اس میں کوئی اشارہ و کنایہ بھی نہیں۔ لہٰذا اگر ہم کہیں کالے پاکستان کی کالی فوج اور اس کا کالا آئین تو کوئی اسے تعریف نہیں سمجھے گا اور نہ ہی اسے غیر جانبدارانہ جملہ کہے گا۔ توہین کے الفاظ و افعال ہر معاشرے کے عرف میں جانے پہچانے ہوتے ہیں۔

اعتراض نمبر دو:

سلمان تاثیر نے قانونِ ناموسِ رسالت کو برا نہیں کہا بلکہ اس کے ناجائز استعمال (Misuse) کے باعث اس کو کالا قانون کہا لہٰذا اس نے رسول اللہ ﷺ کی گستاخی نہیں کی!

یہ توجیہ و تاویل اس لیے غلط ہے کہ غلط استعمال تو پاکستان کے ہر قانون کا ہوتا ہے۔ ہزاروں جھوٹے مقدمے چوری، زنا، ڈکیتی، ناجائز اسلحہ اور فراڈ کے بنائے گئے۔ ٹیکس چوری کرنے والے پاکستانی قانون کے اندر ہی چور دروازے تلاش کرتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ پورے آئین کو کالا آئین نہیں کہا گیا۔ صرف رسول اللہ ﷺ کی اہانت کے جرم پر سزا کے قانون کو ہی اس نے کالا قانون قرار دیا۔ قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک توہینِ رسالت کے مقدمات کی تعداد دیکھی جائے اور دیگر مقدمات میں جعل سازی و ظلم دیکھا جائے تو کوئی موازنہ ہی نہیں بنتا، پھر سلمان تاثیر کا ناموسِ رسالت کے قانون کو برا کہنا اس کی بدنیتی کی دلیل تھا۔ اس کو جب تنبیہ کی گئی تو اس نے مزید ہرزہ سرائی کی۔ پیپلز پارٹی کے اسی دورِ حکومت میں اس قانون کو ختم کرنے کے لیے پارلیمانی سطح پر بل لانے کی کوششیں بھی ہوئیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ تاویلات و توجیہات سب نام نہاد دینی طبقے کو سوجھیں خود سلمان تاثیر اس گستاخی کے بعد زندہ رہا، نہ تو اس نے تاویل کی نہ توجیہ۔

اعتراض نمبر تین:

احناف کے نزدیک شاتمِ رسول کی سزا قتل نہیں ہے۔ لہٰذا سلمان تاثیر کو قتل کرنا ضروری نہیں تھا!

یہ درست نہیں کہ حنفیہ کے نزدیک شاتمِ رسول کی سزا قتل نہیں۔ ان کے نزدیک شاتمِ رسول اگر پہلے مسلمان کہلاتا تھا تو مرتد کے حکم میں ہے اور مرتد جمیع فقہا بشمول حنفیہ کے نزدیک واجب القتل ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

”من سبّ الرسول صلى الله عليه وسلم فانه مرتد وحكمه حكم المرتد.“[2]

”جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سبّ و شتم کیا وہ مرتد ہے اور اس گستاخ کا حکم بھی ارتداد کا ارتکاب کرنے والے جیسا ہے۔“

ائمۂ اربعہ کا قتلِ مرتد پر اتفاق ہے۔

”واتفق الائمة الاربعة عليهم رحمة الله تعالى على ان من ثبت ارتداده عن الاسلام وجب قتله واهدر دمه.“[3]

”ائمۂ اربعہ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) اس بات پر متفق ہیں کہ جس شخص کا اسلام سے مرتد ہو جانا ثابت ہو جائے تو اس کا قتل واجب اور اس کا خون بہانا جائز ہے۔“

اختلاف مرتد کو توبہ کا موقع دینے اور نہ دینے میں ہے۔ جمہور توبہ اور عدمِ توبہ کو برابر سمجھتے ہیں اور قتل کو ہر صورت لازم قرار دیتے ہیں جب کہ حنفیہ میں شاتمِ رسول مرتد کو توبہ کا موقع دینے کے بارے میں متقدمین و متاخرین میں اختلاف ہے۔ متاخرین حنفیہ کے نزدیک توبہ کا موقع نہیں دیا جائے گا اور ہر صورت قتل ہو گا۔

علامہ انور شاہ کاشمیری دیوبندی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”مجمع الانهار، درمختار، بزازيه، درر اور خیریہ میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی کو سبّ و شتم کرنے والے کی توبہ مطلقاً قبول نہیں کی جائے گی۔“[4]

شاتمِ رسول کی سزا کا معاملہ اور شاتمِ رسول کو توبہ کا موقع دینے کا معاملہ دو علیحدہ امور ہیں۔ شاتمِ رسول حنفیہ کے نزدیک بھی مرتد ہونے کے باعث واجب القتل ہے۔

اعتراض نمبر چار:

حنفیہ کے نزدیک توبہ کا موقع دینا ضروری ہے لہٰذا سلمان تاثیر کو غلط قتل کیا گیا۔

یہ دعویٰ بالکل باطل ہے اس کی درج ذیل وجوہ ہیں:

1. سلمان تاثیر کو اپنے گستاخانہ کلمات کے کافی عرصہ بعد قتل کیا گیا۔ لہٰذا اس کو توبہ کا بہت موقع ملا۔ علما نے اس کی گستاخی بارے اس کو متنبہ کیا مگر اس نے کہا کہ میں ان مولویوں کے فتووں سے نہیں ڈرتا۔ اس لیے توبہ کا موقع نہ دینے کا عذر تراشنا محض عذرِ لنگ ہے۔
2. فقہائے حنفیہ کی کتب میں توبہ کا موقع دینے کا سیاق و سباق رعایا اور عوام الناس کا ہے نہ کہ حکمرانوں کے تناظر میں کہا گیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ فقہائے حنفیہ کا یہ کہنا کہ توبہ کا

---

[1] (الشفاء بتعريف حقوق المصطفى صلى الله عليه وسلم۔ ج۲، ص۲۱۴)

[2] رد المحتار على الدر المختار، ابن عابدین الشامی، ج۴، ص۲۳۴

[3] الفقه على المذاهب الاربعة، ج۵، ص۳۷۲

[4] اکفار الملحدین، ص۱۳۶

موقع دیا جائے گا کہ مخاطب عوام و رعایا ہوں اور وہ عوام حکمرانوں کو گستاخیٔ رسول پر توبہ کا موقع دیں؟ لہٰذا توبہ کا موقع دینے یا نہ دینے کا تعلق اس معاملہ سے ہے ہی نہیں۔ سلمان تاثیر کو توبہ کا موقع ممتاز قادری شہید نے نہیں دینا تھا۔

حکمرانوں کے ارتداد پر شرعاً دو صورتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے خلاف کفر پر اصرار کے باعث مسلمانوں کی طرف سے خروج کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ کسی علاقہ کے حاکم کو ارتداد کے باعث بڑا حاکم معزول کر کے قید کر دے۔ سلمان تاثیر بارے دوسری صورت پر عمل نہیں کیا گیا بلکہ اس کا پروٹوکول بڑھا دیا گیا اور وہ اپنے کفر پر مسلسل اصرار کرتا رہا۔ لہٰذا سلمان تاثیر کا قتل حکومت کے اس کفر و ارتداد کی تائید کے باعث ہوا۔ حکومت سے سلمان تاثیر کے بارے معزول کر کے قید کرنے کی کوئی امید بھی نہ تھی کیونکہ اس سے پہلے بھی گستاخِ رسول مجرموں کی پشت پناہی کئی بار ہو چکی تھی۔[1]

3. حنفیہ کے فقہی جزیے کو سلمان تاثیر کے حق میں استعمال کرنے والے علمائے سوء سے عرض ہے کہ حنفیہ کے نزدیک چوری کی سزا قطع ید ہے، حنفیہ کے نزدیک شادی شدہ زانی کی سزا رجم اور غیر شادی شدہ کی سو کوڑے ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ارتداد کی سزا قتل ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سود کی حرمت کے خلاف قانون سازی کر کے سود کا نفاذ کرنے والوں کے ساتھ مقاتلہ فرض ہے۔ کیا فقہِ حنفی کا ایک جزئیہ ہی دین کہلاتا ہے جس سے سلمان تاثیر کا بچاؤ ہو سکے؟ کیا فقہائے حنفیہ کی باقی تصریحات کی روشنی میں اس ملک کے دین دشمن حکمرانوں پر حکم لگانے میں ان کے قلم حرکت میں آسکتے ہیں؟ کیا اہلِ کفر کو عسکری اڈے دینے اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر کوئی شرعی حکم فقہائے حنفیہ کی کتابوں میں علمائے سوء کو نہیں ملا؟

اعتراض نمبر پانچ:

گستاخِ رسول کو قتل کرنا اگر شرعی سزا بھی ہے تو یہ انفرادی طور پر نافذ کرنا ممتاز قادری کا استحقاق نہیں تھا!

یہ اعتراض قرآن و حدیث کی واضح نصوص سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اس کے شرعی نظائر و دلائل درج ذیل ہیں:

حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ نے منافق کو آپ ﷺ کے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دینے کے بعد دوبارہ فیصلہ کی غرض سے ان کے پاس آنے کے باعث اس کو گستاخیٔ رسول سمجھتے ہوئے قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ اس کو قتل کرنے کی کوئی اور وجہ نہیں تھی۔ یہ قتل کا فیصلہ انفرادی طور پر کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر کیا گیا۔ منافقین کے شور و غل کرنے پر رسول اللہ ﷺ قصاصاً قتل کرنے کے لیے تیار ہوئے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے بھی خود کو قصاص کے لیے پیش کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرما کر:

1. گستاخ رسول کے انفرادی قتل کو شرعاً درست قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ جو نبی بھی تھے اور حاکم شرعی بھی جب ان کی اجازت و حکم کے بغیر کیا گیا گستاخ رسول کا قتل شرعاً قابلِ تعریف قرار پایا تو آج کے حکمرانوں کی اجازت کی کیا حیثیت جو نہ تو رسول اللہ ﷺ سے کوئی نسبت رکھتے ہیں اور نہ ان کا عمل دینی ہے۔
2. انفرادی طور پر گستاخ رسول کے قتل پر نہ تو قصاص لیا گیا اور نہ دیت۔ گستاخِ رسول مباح الدم قرار پایا۔
3. حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پورا موقع موجود تھا کہ وہ اس منافق کو رسول اللہ ﷺ کے پاس دوبارہ لے جاتے یا خود جا کر اس منافق بارے شرعی حکم پوچھ لیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اور نہ اس منافق کو آگاہ کیا کہ میرا فیصلہ تمہیں قتل کرنے کا ہے۔ ان کے ایسا نہ کرنے پر ان پر کوئی نکیر نہیں کی گئی بلکہ قرآن ان کی تائید میں نازل ہوا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ گستاخِ رسول کو قتل کرنے کا حکم ایسا مطلق ہے کہ اس پر ضرورت کے وقت فوراً عمل کرنا واجب ہو گا۔

اعتراض نمبر چھ:

سلمان تاثیر کو ممتاز قادری نے دھوکے کے ساتھ قتل کیا جس کا شرعاً جواز نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ممتاز قادریؒ کی ذمہ داری سلمان تاثیر کی حفاظت تھی کیونکہ وہ اس ڈیوٹی کی تنخواہ لے رہا تھا مگر اس نے ڈیوٹی کے دوران اس کو قتل کر دیا۔ اس لیے یہ دھوکہ اور خیانت کا فعل ہے۔ یہ اعتراض متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

1. شاتم رسول کو قتل کرنے کے لیے اختیار کردہ تدبیر کو شریعت جائز قرار دیتی ہے، اگرچہ اس کی صورت مخادعت (دھوکے) کی ہو۔

[1] یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ ملعون سلمان تاثیر نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کی تو وہ پنجاب کا گورنر تھا اور پنجاب میں نواز شریف کی پارٹی کی حکومت تھی۔ مرکز میں پیپلز پارٹی کے تحت ایک رافضی، آصف علی زرداری اور جنرل کیانی و جنرل پاشا کی حکومت تھی۔ جب کہ گستاخیٔ رسول کے مرتکب سلمان تاثیر کے قاتل، غازی ممتاز قادری شہید رحمہ اللہ کو نواز شریف، شہباز شریف جیسے سول حکمرانوں اور راحیل شریف اور رضوان اختر جیسے فوجی حکمرانوں کے دور میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا کے جرم میں پھانسی کی صورت قتل کیا گیا ہے۔ کیا آصف علی زرداری سے نواز شریف اور کیانی سے راحیل شریف تک کی حکومتیں گستاخانِ رسالت کی سہولت کار نہیں؟ (ادارہ)

أ.   حدیث میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر محمد بن مَسْلَمَہ رضی اللہ عنہ نے شاتم رسول کعب بن اشرف یہودی کو ایسی صورت ہی اختیار کرکے قتل کیا۔ حالانکہ وہ معاہد تھا۔ لیکن گستاخی کے باعث اس کا معاہد ہونا اس کے لیے باعثِ حفاظت نہ بن سکا۔ اسی طرح اگر ممتاز قادری کا سلمان تاثیر سے حفاظت کا معاہدہ تھا تو یہ معاہدہ گستاخی کے باعث اس کے حصانت و صیانت کا باعث نہیں ہو سکتا تھا۔

ب.   رسول اللہ ﷺ نے اس کو یہ پیغام و اطلاع نہیں بھجوائی کہ تم اب معاہد نہیں رہے اور ہم تم سے گستاخی کا انتقام لے رہے ہیں۔ اور نہ صحابہ کی طرف سے کوئی ایسا اشارہ اسے ملا، وہ حالتِ امن میں اپنے گھر کے اندر قتل کیا گیا۔

ج.   امام ابنِ تیمیہ اس کے قتل بارے لکھتے ہیں "وقتله الصحابة غيلة بامر رسول الله"[1] یعنی صحابہ نے اس کو حالتِ غفلت میں دھوکے کے ساتھ قتل کر دیا۔

2.   جہاں تک حفاظت کی تنخواہ لینے کی بات ہے تو جس دن ممتاز قادریؒ نے سلمان تاثیر کو قتل کیا اس کے بعد اس نے حفاظت کی کوئی تنخواہ نہیں لی۔ اور جو تنخواہ وصول ہوئی وہ اس وقت تک کی ہے جب ممتاز قادری نے اس کی حفاظت کی ڈیوٹی سر انجام دی اور اس کی ہی تنخواہ وصول کی، بعد میں تو وہ گرفتار ہو گیا۔ تو معاہدہ تو قتل کرتے ہی ٹوٹ گیا۔ خیانت کیا ہوئی؟ اگر حکومت کو حق حاصل ہے کہ جب چاہے اسے نوکری سے برخاست کر دے تو اس کو بھی حق حاصل ہے جب چاہے نوکری کسی طرح بھی ختم کر دے۔

اعتراض نمبر سات:

ممتاز قادری پاکستانی قانون کے مطابق مجرم تھے لہٰذا ان کو پھانسی کی سزا درست دی گئی!

معترضین کہتے ہیں کہ ممتاز کا اقدام پاکستانی قانون کے مطابق چونکہ جرم تھا لہٰذا اس کو اسی کے مطابق پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ اس پر عرض یہ ہے کہ کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ شرعی قانون کے مقابلے میں کسی وضعی قانون کو درست سمجھے۔ ممتاز قادری نے جس کو قتل کیا وہ شرعاً مباح الدم تھا۔ اس کا قتل ہر صورت شرعاً واجب تھا۔ چنانچہ ممتاز قادری نے اس فرد کو قتل کیا جو نہ صرف مباح الدم تھا بلکہ اس کو قتل کرنا واجب تھا۔ اگر عقلی و شرعی معیار کو چھوڑ کر کسی محض سلطنت کے قانون کے مطابق فیصلے کو مدنظر رکھ کر اس پھانسی کو درست قرار دیا جائے تو یہ سب کچھ بھی درست ماننا پڑے گا:

1.   سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے "ملکی قانون" کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بت توڑنے کا اقدام کیا۔ اس کے باعث ان کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے حاکم نے حکم دیا فَأْتُوا بِهِ عَلَىٰٓ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ[2]۔ پھر حاکم وقت کے فیصلے کے مطابق انہیں آگ کا الاؤ بھڑکا کر اس میں پھینکا گیا تاکہ "ملکی قوانین" کو پامال کرنے کی سزا دی جا سکے۔

2.   حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی ملکی قانون کے مطابق یونانیوں کی عدالت کے فیصلے کی روشنی میں پھانسی پر لٹکایا گیا (نصرانیوں اور یہودیوں کے اعتقاد کے مطابق پھانسی ہو گئی)۔

گویا ممتاز قادری کو پھانسی کی سزا دے کر حکومتِ پاکستان نے:

1.   اہلِ کفر کا راستہ کا اختیار کیا اور اپنے سلسلۂ نسب کو برّصغیر کے نصاریٰ (ایسٹ انڈیا کمپنی و برطانوی شاہی سامراج) سے جوڑا۔ کیونکہ انہوں نے غازی علم دین (راج پال گستاخ رسول کو قتل کرنے والے) کو "قانون" کی خلاف ورزی پر پھانسی دی تھی۔

2.   تاریخی روایت کے مطابق مسٹر محمد علی جناح اس مقدمہ میں غازی علم دینؒ کے وکیل تھے۔ گویا انہوں نے بھی شرعی قانون کے مقابل ملکی قانون کی بالادستی کو غلط سمجھا اور غازی علم دین کا ساتھ دیا۔

3.   علامہ اقبال مرحوم نے غازی علم دین کے اقدام کی ستائش و تعریف کی اور غازی علم دین کے "غیر قانونی اقدام" کو غیرت و حمیتِ دین کا نتیجہ سمجھا۔

اُن علمائے سوء جو ملکی قانون کے تحت اس قتل کو جرم قرار دیتے ہیں سے سوال ہے کہ:

1.   ملکی قانون کے مطابق طلاق مغلظہ بائنہ بھی ہو چکی ہو تو میاں بیوی باہم صلح کر کے دوبارہ رہ سکتے ہیں؟ کیا حنفی علما اس ملکی قانون پر عمل کی اجازت دیتے ہیں؟

2.   زنا پاکستانی قانون کے مطابق قابل راضی نامہ جرم ہے؟ کیا علما ایسا ہی سمجھتے ہیں اور اس کی اجازت دیتے ہیں؟

3.   سود لینا قانوناً درست اور بعض جگہ پر لازم ہے؟ کیا یہ درست ہے؟

کیا علمائے سوء کے فتاویٰ میں طغیانی صرف حکمرانوں کے باطل اعمال کے حق میں ہی آتی ہے؟

اعتراض نمبر آٹھ:

اگر سلمان تاثیر کی طرح کسی کو گستاخِ رسول قرار دے کر قتل کی اجازت دے دی جائے تو ملک میں انارکی پھیل جائے۔ اکثر لوگ اپنی ذاتی عداوت اس کی آڑ میں نکالیں گے۔

یہ اعتراض درج ذیل وجوہ کے باعث بے بنیاد ہے:

1.   شک اور احتمال کوئی دلیل نہیں اور نہ اس کی بنیاد پر کسی فعل کے جواز یا عدمِ جواز کا فیصلہ کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا یعنی حق کے

---

[1] الصارم المسلول، ص ۴۰۲

[2] ﴿قَالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلَىٰٓ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ﴾ "انہوں نے کہا: تو پھر اُس (ابراہیم علیہ السلام) کو سب لوگوں کے سامنے لے کر آؤ، تاکہ سب گواہ بن جائیں۔" (سورۃ الانبیاء: ۶۱)

مقابلے میں گمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ گستاخِ رسول کو قتل کرنا ایک شرعی حق ہے اور یہ احتمال کہ لوگ اپنی ذاتی عداوت پر ایسا کر سکتے ہیں، محض ایک بدگمانی ہے۔ ممتاز قادری کے معاملے میں سرکاری تحقیق کے مطابق بھی محرک صرف سلمان تاثیر کی ناموسِ رسالت کے قانون پر ہرزہ سرائی ہی تھی۔ اور اس نے قتل ہونے سے پہلے اس قانون کو Shit کہا۔

2. شریعتِ اسلامیہ کا یہ قانون پندرہ صدیوں سے موجود ہے۔ تاریخی طور پر اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس قانون کا عوام الناس میں غلط استعمال ہوتا رہا۔ مختلف معاشروں، خطوں اور نسلوں میں شریعت کے اس قانون کے ناجائز استعمال کی مثالیں، النادر کے معدوم کی طرح ہیں۔ غلط استعمال نہیں ہوا بلکہ درست استعمال حکمرانوں کے لیے سوہانِ روح ہے۔

3. پاکستان میں گستاخانِ رسول کو بیرونی قوتوں کی ایما پر اور خود حکمرانوں کی دین دشمنی کے باعث جو پروٹوکول دیا جاتا رہا اس کے باعث پاکستان کے نصرانی دلیر ہو گئے اور انہوں بیرونِ ملک جا کر آباد ہونے کے لیے اس گھناؤنے فعل کو ایک ذریعہ بنا لیا۔ اس طرح قتل کرنا تو مفید ہے کہ اس جرم کے انسداد کے لیے یہی راستہ درست ثابت ہوا ہے۔ حکومت کے ذریعے سزا دلوانے کا عمل تو ناکارہ ثابت ہو چکا ہے۔

اختتامیہ (از مدیر): اصل معاملہ دِل کا ہے!

جی ہاں اصل معاملہ دل کا ہے! دل و عقل علیل نہ ہوں، بلکہ سلیم ہوں۔ دِل و عقل پابندِ شرعِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو دلیل، دلیل معلوم ہوتی ہے بلکہ دیوانے تو دلیل مانگا ہی نہیں کرتے۔ عشق و مستی کی تاریخ کے ابواب دلیل نامی چیز سے ناواقف ہیں۔ مخلوق کی محبت کا آشنا سارے زمانے کی مخالفت مول لیتا ہے لیکن اس کا شوق کم نہیں ہو پاتا پھر خدائے بزرگ و برتر اور بعد از خدا بزرگ و برتر صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق اس محبتِ حقیقی سے آشنا ہونے کے بعد کیونکر پیچھے ہٹ سکتا ہے؟

حق تو یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود ہیں لیکن عبد اللہ ابنِ ابی جیسے منافق اور ابو جہل جیسے کافر کردار مسلسل کفر و نفاق کی روش پر چلتے رہے۔ وہ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم جن کی خوشبو کے سامنے مشک و عنبر ہیچ ہوں، جن کے اشارے سے بحکمِ خداوندی چاند دو ٹکڑے ہو جائے، جن پر بادل سایہ کریں، شجر جن کے اشارے پر زمین چیرتے ہوئے آگے بڑھیں اور کنکر جن کی مٹھی میں ان کی رسالت کی گواہی دیں، وہ ہوں تب بھی دینِ ہدیٰ عقلِ علیل و قلبِ سقیم رکھنے والوں کی سمجھ میں نہ آئے۔ دوسری طرف جب وہ اس دنیا سے رحلت فرما جائیں تو بھی غازی علم دین شہید، عامر چیمہ شہید اور ممتاز قادری شہید جیسے عاشق و فداکار پیدا ہوتے رہیں۔

اصل یہ ہے کہ جو اللہ کی جانب رجوع کرے اور شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حیات و ضابطۂ حیات بنا لے تو دلیل، دلیل قرار پائے اور عشق، عشق کہلائے۔

یا اللہ! تُو ہمیں حق کو حق ہی دکھلا اور ہمیں اس کی اتباع کرنے والا بنا دے اور باطل کو باطل ہی دکھلا اور اس کی اتباع سے اجتناب کرنے والا بنا دے، آمین یا ربّ العالمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی النبی

نبوت

میں نہ عارف، نہ مجدد، نہ محدث، نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام

ہاں، مگر عالمِ اسلام پہ رکھتا ہوں نظر
فاش ہے مجھ پہ ضمیرِ فلکِ نیلی فام

عصرِ حاضر کی شبِ تار میں دیکھی میں نے
یہ حقیقت کہ ہے روشن صفت ماہِ تمام

"وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام"

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

عاشقانِ ناموسِ رسالت اور نظامِ پاکستان

مولانا حافظ ناصر مصطفیٰ مدّظلّہٗ العالی

نظامِ پاکستان کے مقتدر اداروں حکومت، آرمی، عدلیہ و پولیس کے عہدے داران کا عاشقان رسول ﷺ کے ساتھ ظلم و ستم کا رویہ اپنانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے، تقسیمِ ہند سے آج تک ستر سالوں میں ان گنت مظالم یہ فوج ڈھا چکی ہے۔ افواجِ پاکستان کی جانب سے قتل و غارت گری اور قید و بند کی صعوبتوں کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کا دوسرا فرعون صفت سپوت یہاں کے حساس ادارے ہیں۔ آج پاکستان کے باسی عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ لاکھوں کی تعداد میں اپنے گھروں سے لاپتہ ہیں اور ان درندہ صفت حساس اداروں بالخصوص آئی ایس آئی کی اندھیری کال کوٹھریوں میں بے بسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ختم نبوت کی ویب سائٹ پر مجاہدینِ ختم نبوت کی قربانیوں پر ایک مضمون ''تحریک ختم نبوت...... قدم بہ قدم'' نظر سے گزرا، جس میں مسلم عوام کی قربانیوں کے بیسیوں واقعات ایسے لکھے ہیں کہ قادیانیت نواز اور غاصب انگریز کی پیدا کردہ پاکستانی افواج کے ہاتھوں کئی ہزار نبی اکرم ﷺ کے عاشق تحریک ختم نبوت کی بابت قتل و غارت گری کا شکار ہوئے۔

ایک نہایت ایمان افروز واقعہ ملاحظہ ہو، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب رحمہ اللہ راوی ہیں:

''۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت کے دوران بطور ڈاکٹر میری تعیناتی میو ہسپتال میں تھی۔ ہم چند دوست ہسپتال کی چھت پر کھڑے تھے۔ اچانک دیکھتے ہیں نسبت روڈ چوک کی جانب سے ختم نبوت کے پروانوں کا ایک جلوس بڑھتا ہوا آرہا ہے، جسے روکنے کے لیے فوج نے ہسپتال کے گیٹ کے آگے ریڈ لائن لگادی اور انتباہ کر دیا کہ جو بھی اسے پار کرے گا، اسے گولی ماردی جائے گی۔ یہ ایک ایسا انتباہ اور ایسی وارننگ تھی، جسے عاشقانِ مصطفیٰ کی پوری تاریخ میں تنکے سی اہمیت بھی حاصل نہ رہی، یہاں بھی یہی ہوا، جلوس نام محمد ﷺ کی عظمتوں کے ترانے بلند کرتا ہوا اسی آن سے آگے بڑھتا رہا۔ ریڈ لائن پر اک لمحے کو رُکا۔ دوسرے ہی لمحے چشم فلک نے دیکھا کہ غلامیٔ رسول پر ناز کرنے والا ایک خوبرو نوجوان آگے بڑھا، اس نے اپنا سینہ کھولا اور نعرہ لگایا 'ختم نبوت زندہ باد' اور سرخ لائن کراس کر گیا۔ دوسری طرف قادیانیت نواز کی بندوق سے گولی نکلی اور سرخ سرحد عبور کرنے والا نوجوان، عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے سفر میں اتنا تیز نکلا کہ ایک ہی جست میں زندگی کی سرحد عبور کر کے قدم بوسیٔ حضور ﷺ کے لیے روانہ ہو گیا۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ اسی رفتار سے دوسرا جوان آگے بڑھا، اس نے بھی گریبان چاک کیا اور پوری قوت سے نعرہ زن ہوا 'ختم نبوت زندہ باد'، ظلم و تشدد کی روایت کے مطابق ادھر سے گولی آئی اور عشق و محبت کی تاریخ کا اک اور صفحہ رنگین کرتے ہوئے گزر گئی، وہ نوجوان لڑکھڑایا اور لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ لیے راہیٔ فردوسِ بریں ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ تیسرا نوجوان آگے بڑھتا، ہم چھت سے نیچے آچکے تھے اور ادھر خبر ملی کہ ان دونوں جوانوں کے لاشے بھی ہسپتال پہنچ چکے ہیں۔ دورانِ زیارت معلوم ہوا کہ دونوں جوان سگے بھائی تھے۔''

مذکورہ مضمون میں درج ان ایمان افروز واقعات کو پڑھ کر حرمتِ رسول ﷺ کے حقیقی پاسداروں کا تعامل اور رویہ واضح ہوتا ہے۔ دوسری طرف قوم کے نام نہاد محافظ پاکستان آرمی کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بظاہر جو مصلح بنے پھرتے ہیں وہی دراصل راہزن ہیں۔ اس واقعہ میں آپ کے سامنے دورِ حاضر میں مختلف ناموں سے کیے گئے فوجی آپریشنز کی قلعی بھی کھلے گی کہ آج کے فوجی آپریشنز اور فوجی عدالتیں اس شعبۂ آرمی کی نئی پالیسی نہیں، بلکہ یہ ان کی پُرانی روش چلی آرہی ہے۔ اہلِ دین، شرعی نظام کا عملی نفاذ چاہنے والے مجاہدینِ امت کو قتل کرنا، نوجوانانِ توحید کو قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار کر کے اُن کو گھروں سے برسوں لاپتہ رکھنا، فوجی عدالتوں میں من گھڑت مقدمات بنا کر سزائے موت دینا اور شہادت کی متلاشی پاک روحوں کو جعلی پولیس مقابلوں میں شہید کر کے ان کی مسخ شدہ لاشوں کو سرد خانوں یا سڑکوں پر پھینک دینا ہی ان کے تاسیسی مقاصد میں سے ہے جو یہ قیامِ پاکستان سے آج تک پورے کرتے چلے آرہے ہیں۔ ایک واقعہ اسی مضمون کا ختم نبوت کی ویب سائٹ سے۔ چودھری نذیر احمد صاحب بھائی پھیرو میں کریانہ کا کاروبار کرتے ہیں۔ ۱۹۵۳ء کا واقعہ انہی کی زبانی سنیے:

''میری شادی کے چند ماہ بعد تحریکِ ختم نبوت ۱۹۵۳ء شروع ہوئی۔ تحریک میں بھرپور حصہ لینے کے لیے میں ننکانہ صاحب سے لاہور، مسجد وزیر خان چلا گیا۔ یہاں روزانہ جلسہ ہوتا اور جلوس نکلتے۔ ایک جنرل سرفراز جو غالباً اس وقت لاہور کا کور کمانڈر تھا، کے کہنے پر مسجد کی بجلی اور پانی کا کنکشن کاٹ دیا گیا۔ اسی پر مسجد میں ایک احتجاجی جلسہ ہوا، پھر جلوس نکلا۔ میں اس جلوس میں شامل تھا۔ فوج نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ چند احباب کے ہمراہ سرسری سماعت کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ میرا نمبر آخر میں تھا۔ میری باری پر قادیانی میجر حیاء الدین نے کہا معافی مانگ لو کہ آئندہ تحریک میں حصہ نہیں لوگے تو ابھی بَری کر دوں گا۔ میں نے مسکراتے ہوئے میجر کو کہا کہ آپ کی بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ حضور ﷺ کی عزت و ناموس کا مسئلہ ہو اور ایک امتی کی شفاعت کا ذریعہ ہو اور پھر وہ معافی مانگ لے؟ میجر نے کہا کہ سامنے لائن میں چلے جاؤ۔ آدھا گھنٹہ اچھی طرح سوچ لو۔ میں لائن میں بیٹھ گیا۔ پھر پیش کیا گیا تو میجر نے کہا کہ معافی مانگ لو۔ میں نے مسکراتے ہوئے میجر کو جواب دیا کہ شاید آپ کو اس مسئلہ کا علم نہیں، آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ اس مسئلہ میں معافی کیا ہوتی ہے؟ اس پر میجر

حیاء الدین نے غصہ کی حالت میں میرے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور آٹھ ماہ قید بامشقت اور 500 روپے جرمانہ کا حکم دیا، جسے میں نے بخوشی قبول کر لیا۔ میرے نامۂ اعمال میں میری بخشش کے لیے یہی ایک نیکی کافی ہے۔"

ایک اور واقعہ پاکستانی پولیس کے جرائم پر بھی پڑھیے! عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت واہ کینٹ کے حضرت مولانا عبد القیوم مدظلہ نے اپنے علاقہ کا ایک ایمان پرور واقعہ سنایا کہ:

"تحریکِ ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں واہ کینٹ میں ایک جلوس نکلا۔ پولیس نے جلوس کے کئی شرکا کو گرفتار کر لیا۔ ان میں ایک سات سالہ بچہ بھی تھا۔ مقامی ڈی ایس پی نے اس بچے کو مرغا بنا کر پوچھا 'بتاؤ تمہیں پیٹھ پر کتنے جوتے ماروں'۔ بچے نے بڑی ایمانی جرأت اور معصومیت سے جواب دیا 'اتنے جوتے مارو جتنے تم قیامت کے دن کھا سکتے ہو'۔ اتنا سننا تھا کہ ڈی ایس پی مارے خوف کے پسینہ پسینہ ہو گیا اور اس بچے کو سینہ سے لگایا، پیار کیا، گھر لے گیا، کھانا کھلایا، رقم دی، پاؤں پکڑ کر معافی مانگی اور فوراً گھر چھوڑنے گیا۔"

ایک طرف تو اس طرح کے واقعات ہیں جہاں فوج کا ناموسِ رسالت و قادیانیت نواز چہرہ نظر آتا ہے اور بعض جگہ ایسے لوگ بھی دِکھ جاتے ہیں جن میں شاید کچھ رمقِ ایمانی برقرار تھی۔ لیکن عصرِ رواں کا ایک شقاوتِ قلبی و بے ایمانی کا واقعہ بھی گوش گزار ہو کہ نفاذِ دین کی مبارک محنت کرنے کے جرم میں ایک مجاہد فی سبیل اللہ کو لاہور میں 'حساس اداروں' نے لاپتہ کر دیا اور بعد ازاں ایک جعلی مقابلے میں شہید کر دیا۔ شہید کرنے کے بعد اس مجاہد کی لاش کو ہسپتال کے سرد خانے والوں کے حوالے کیا۔ سرد خانے والے نے ایجنسی کے اہلکار سے پوچھا کہ 'لاش کو غسل دیا ہے؟'، تو ایجنسی کا اہلکار شقاوت و قساوت سے بولا 'شہیدوں کو غسل نہیں دیا جاتا!'۔

بقیہ: علاماتِ قیامت

جھوٹ اور سچ میں اتنی آمیزش ہو جائے گی کہ کسی ایمان والے کے لیے اس میں پہچان مشکل ہو جائے گی۔ الا یہ کہ وہ ایمان کے ساتھ ساتھ رسولِ اقدس ﷺ کی احادیث کو جاننے والا ان پر غور کرنے والا ہو۔ وہ بصیرتِ نبویہ جو احادیث میں آئی ہیں، وہ ہدایات جو احادیث میں آئی ہیں، اگر وہ ان ہدایات پر چل رہا ہے تو اس کو پہچان فتنے کی ہو جائے گی۔ الّا یہ کہ وہ فتنوں میں گھر جائے۔ یہ فتنوں کے عروج کا وہ زمانہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

"اس زمانے میں جو میری ایک سنت پر عمل کرے گا اور اس کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے گا اس کو سو شہیدوں کے برابر اجر ملے گا۔"

شہید کا کیا مقام ہے جو اپنا گھر بار چھوڑتا ہے، اپنا کاروبار چھوڑتا ہے، اپنا وطن اور علاقہ چھوڑتا ہے، بیوی بچے چھوڑتا ہے، اپنی جان، اپنا خون بھی اللہ کے راستے میں لگا دیتا ہے... اس کی فضیلت اور اس کا مقام کیا ہے؟ شہید کے مقام اور اس کی فضیلتیں کتنی ہیں اور پھر ایک نہیں، پانچ نہیں، دس نہیں، بیس نہیں سو شہیدوں کے برابر اس کو اجر ملتا ہے۔

کہنے کو بہت بڑی فضیلت ہے اور ایک سنت پر ہے لیکن اس ایک سنت پر عمل کرنا اور اس کو برقرار رکھنا انتہائی مشکل ہے اس فتن کے زمانے میں۔ تو ہم چوتھے دور کے آخر میں کھڑے ہوئے ہیں اور پانچویں دور کے منتظر ہیں۔ اور پانچواں دور اس اُمت کا، اس کا آغاز ہو گا، ظہورِ مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، تو ہم اس سے اگلی والی جو گفتگو ہے اس کے چار حصے کریں گے۔ پہلا حصہ ظہورِ مہدی اور اس کے متعلقات پر ہے۔ دوسرا خروجِ دجال پر ہے۔ تیسرا نزولِ عیسیٰؑ پر ہے۔ اور چوتھا عیسیٰؑ کے بعد سے لے کر قیامت کے قائم ہونے تک کے مختصر حالات پر ہے۔

(باقی آئندہ، ان شاء اللہ)

بقیہ: تقویٰ، اس کی اہمیت اور فوائد

حتیٰ کہ بعض حلال چیزوں اور کاموں کو بھی چھوڑ دے کہ کہیں یہ حرام نہ ہوں، یہاں تک کہ یہ عمل بندہ اور حرام چیزوں کے درمیان حجاب بن جائے'۔

حضرت ابوہریرہؓ سے تقویٰ کے بارے میں پوچھا گیا، آپؓ نے سوال کرنے والے سے فرمایا 'کیا کبھی کانٹے دار راستے سے گزرے ہو؟'، پوچھنے والے نے جواب دیا 'جی ہاں!'، آپؓ نے فرمایا 'تم کانٹے دار راستے سے گزرتے وقت کیا کرتے ہو؟' اس نے جواب دیا 'جب کانٹوں کو دیکھتا ہوں تو اپنے آپ کو اور کپڑوں کو (سکیڑ لیتا ہوں اور) اس سے بچاتا ہوں'۔ آپؓ نے فرمایا: 'یہی تقویٰ ہے، یعنی گناہوں سے اپنے آپ کو ایسے بچانا جیسے کانٹوں سے انسان اپنے آپ کو بچاتا ہے'۔

شاعر نے کہا:

خل الذنوب صغيرها و كبيرها فهو التقى
واصنع كما فوق أرض الشوك يحذر ما يرى
لا تحقرن صغيرة إن الجبال من الحصى

ترجمہ: چھوٹے اور بڑے گناہ چھوڑ دو کیونکہ یہی تقویٰ ہے، اپنے آپ کو اُن کی طرح بناؤ کہ جب کانٹے دار راستے پر چلتے ہیں اور جب کانٹوں کو دیکھتے ہیں تو اس سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں، چھوٹے گناہوں کو کم تر نہ سمجھو کیونکہ پہاڑ چھوٹے چھوٹے پتھروں سے بنے ہیں۔

میمون بن مہران رحمہ اللہ کہتے ہیں 'متقی اور پرہیزگار وہ ہے جو اپنے ساتھ ایسا سخت محاسبہ کرے جتنا سخت حساب ایک بخیل اپنے کاروباری شریک کے ساتھ بھی نہیں کرتا'۔

(اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں تقویٰ پر کاربند فرمائے، آمین۔)

لبیک محمد صلے علی!

ناموسِ رسالت کسی خاص مکتبۂ فکر کا مسئلہ نہیں!

چودھری عفّان غنی شہید عِلیہ الرحمۃ

زیرِ نظر مضمون ہمارے محبوب بھائی، شہید مجاہد عسکری قائد عفان غنی رحمۃ اللہ علیہ کی تفصیلی تحریر سے انتخاب ہے۔ میدانِ جہاد میں آپ ریحان اور فیضان کے ناموں سے معروف تھے اور مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' میں آپ کی تحریرات سابقاً 'فیضان چودھری' کے نام سے زیرِ اشاعت رہی ہیں۔ اللہ پاک آپ کی شہادت اور دیگر مساعیٔ جمیلہ قبول فرمائیں، آمین۔ (ادارہ)

بسم الله الرحمٰن الرحيم، وبه نستعين، الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على النبي الأمين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

قرآن کریم گستاخانِ رسول کے بارے میں ہماری رہنمائی فرماتا ہے:

وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ○لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ......(سورۃ التوبۃ:۶۶،۶۵)

''اور جب ان سے پوچھا جائے (کہ وہ کیا کر رہے تھے) تو وہ کہیں گے ہم تو کھیل تماشا کر رہے تھے، کہہ دو کیا تم اللہ، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس پر نازل کردہ آیات کے ساتھ دل لگی کرتے ہو، معذرتیں مت کرو، تم اسلام لانے کے بعد کفر کر چکے ہو۔''

یہ سلمان تاثیر، مشال خان اور ان کی قبیل کے دیگر افراد کے کفر اور ارتداد کی واضح دلیل ہے۔ جو کوئی بھی اللہ اور اس کے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یا اس کی لائی ہوئی شریعت کی شان میں گستاخی کرے، یہ کفر ہے اور اس میں کوئی عذر قبول نہیں ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مجلس میں ایک شخص نے یہ بات کی کہ 'کعب بن اشرف کو دھوکے سے قتل کیا گیا'، اس بات کے سنتے ہی حضرت علیؓ نے اس شخص کے قتل کا حکم دے دیا۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ کی مجلس میں ایک شخص نے اسی قسم کی بات کی تو حضرت محمد بن مسلمہؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ 'اے معاویہؓ! کیا آپ کی مجلس میں یہ بات کی جا رہی ہے اور آپ خاموش ہیں؟ اللہ کی قسم! میں اس چھت کے نیچے نہیں بیٹھوں گا یہاں تک کہ مجھے موقع ملے اور میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں'۔

مبسوط میں عثمان بن کنانہؒ سے روایت ہے 'جس نے مسلمانوں میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی'۔

علمائے سلف و خلف کا اس امر پر اجماع ہے کہ جو شخص نبی کریمؐ کی شان میں گستاخی کرے یا ان کی شان میں گستاخی کرنے والے کی مدد کرے یا شعائرِ اسلام کے ساتھ استہزا کرے اس کی جزا قتل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر لازم فرمایا ہے کہ وہ اس کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ان کی ذاتِ گرامی کے ساتھ محبت رکھیں، ان کی توقیر کریں اور ان کے دیے گئے اوامر کو بجا لائیں اور ان کی ہر صورت نصرت کریں۔ جبکہ اس نے اپنے بندوں پر حرام ٹھہرایا ہے کہ اس کے بندے اس کے نبیؐ کا انکار کریں، انہیں اذیت دیں یا ان کی عزت و اکرام میں کمی لائیں۔ اور اس کا سب سے بڑا سبب اللہ کے پیارے حبیبؐ کی عظیم قدر و منزلت ہے جس کا دیگر انبیا علیہم السلام بھی احترام فرماتے ہیں۔

جو شخص بھی ممتاز قادریؒ کے مسئلے کو صرف ایک خاص مکتبۂ فکر کا مسئلہ سمجھتا ہے اسے جان لینا چاہیے کہ یہ کسی ایک خاص مکتبۂ فکر کا قضیہ نہیں! کیا ہم اس اہم ترین اور حساس مسئلہ کی خاطر بھی حنفی، سلفی، بریلوی، دیوبندی اور پنج پیری وغیرہ میں تقسیم رہیں گے......؟ ان تمام مکاتیبِ فکر کا مرکزِ ثقل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ جب اسی ذاتِ پاک کو دشمنانِ اسلام اور ہمارے اپنے گھروں کے چند سفہا اور بے عقل افراد اپنا ہدف بنا لیں تو ایسے موقع پر کیا کسی سچے مسلمان کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ ان مسالک اور فرقوں کی تقسیم کو اپنا اصل ہم و غم بنا کر مسلمانانِ امت کو ان کے اصل ہدف یعنی دفاعِ ناموسِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کر دے؟ اس اہم مقصد پر تمام مکاتبِ فکر اور اہلِ سنت والجماعت کے عقائد پر مجتمع گروہوں کا اکٹھا ہونا اور ناموسِ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اکٹھا اس نظام سے ٹکرا جانا ہی وقت کی اہم ضرورت ہے......یاد رکھیے! ممتاز قادریؒ کو پھانسی دینے والے سب ایک صفحے پر تھے، یہ جرم ان حکمرانوں اور جرنیلوں کے باہمی اشتراک سے ممکن ہو پایا ہے۔ جبکہ کتنے افسوس کا امر ہے کہ جن اہلِ دین کو باہم مشترکہ طور پر ناموسِ رسالتؐ کی خاطر اِس نظام سے ٹکرانا تھا وہ حنفی، بریلوی، دیوبندی، سلفی کی بحث میں الجھ کر اس اہم دینی و ملی فریضے کو بھلا رہے ہیں۔ یہ اس امت محمدیہ کا مسئلہ ہے۔ یہ ہر مومن کا، ہر صاحبِ ایمان کا، ہر غیرت و حمیت رکھنے والے شخص کا، کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے والے تمام فرزندانِ توحید کا مسئلہ ہے جن کے سامنے ان کے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محبوب ترین ہستی کی شان میں گستاخی ریاستی سرپرستی میں کی جائے تو وہ خاموش نہ بیٹھیں اور ہر ممکن ذریعے سے شاتمین کی زبانوں کو لگام دیں۔ خواہ وہ ملک کا مقتدر طبقہ ہو یا جرنیل، خواہ وہ سول سوسائٹی کی گستاخ زبانیں ہوں یا سوشل میڈیا کے پردے میں چھپے وہ خبیث مریض اذہان جو کبھی ''بھینسا'' اور کبھی کسی دوسرے نام سے کبھی ہالینڈ تو کبھی جرمنی اور کبھی پاکستان میں اپنی شناخت کو چھپا کر اسلام اور اہلِ اسلام اور......

(باقی صفحہ نمبر 43 پر)

لبیک محمد صلے علیٰ!

آخرِ شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ

عبد اللہ آدم

ممتاز قادری رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد "شبِ دیدار" کے احوال ایک قلبِ مضطر کی زبانی یوں تو پہلے بھی کئی جگہ شائع ہو چکے ہیں، لیکن ممتاز قادری کی شہادت کے چار سال بعد ایک بار پھر شامل اشاعت ہیں کہ عشق جتنا بیان کیا جائے کم ہی قرار پاتا ہے۔ ہم برسیاں نہیں مناتے، لیکن جب دشمنِ رسولِ محبوب خاص کر فروری کی '۲۹' تاریخ کا انتخاب کر کے حافظِ ناموسِ رسالت کو تختۂ دار پر چڑھائے تو لازم آتا ہے کہ چار سال بعد نہیں، ہر سال بھی نہیں، ہر مہینہ اور دن کیا ہر آن دشمنِ ناموسِ رسالت کو بتایا جائے کہ ہمیں اپنے شہید یاد ہیں اور یہاں تو ہم اپنے شہیدوں کو الفاظ سے خراجِ تحسین پیش کر رہے ہیں لیکن تمہارے ناپاک وجود کی طرف، تمہارے سر شانوں سے اکھاڑنے کے لیے بھی ہم راہیٔ منزل ہیں۔ ہم امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ ناموسِ پیمبر علیہ الصلاۃ والسلام میں گفتار و کردار دونوں ہی کے غازی ہیں، بحمد اللہ! (ادارہ)

شہید کے دیدار کے لیے ہجوم شدید تھا اور چند رضاکار اس طرح بانس پکڑے کھڑے تھے کہ لوگ ان کے نیچے سے ہی گزر سکیں، بصورتِ دیگر ہجومِ عاشقاں سب کچھ بہالے جاتا۔ شہید کی ایک جھلک کرواتے ہی وہاں موجود رضاکار آگے کو دھکیل دیتے...... انتظامیہ کے نام پر بمشکل دس سے پندرہ لوگ تھے اور ہجومِ عاشقاں تھا کہ اس کی جھلکیاں سب دیکھ ہی چکے ہیں...... میں خیمۂ شہید میں داخل ہوا تو عینک کا ایک شیشہ ہجوم میں گر چکا تھا۔ تیز تیز گزرتے لوگوں میں مَیں ایک جھلک بھی نہ دیکھ سکا......

ایسے میں جب کسی نے مجھے باہر جانے کو کہا تو میں نے ایک ادھیڑ عمر صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا، اپنی محرومی کے دو لفظ کہے اور ٹوٹی عینک کی طرف اشارہ کیا، الفاظ سے زیادہ چہرے پر برستی بے بسی کی کیفیت نے انہیں ترس دلا دیا۔ کچھ دیر کھڑا ہونے کو کہا اور پھر ہاتھ پکڑ کر لے چلے اور دیدار کروا دیا...... پر ایک نظر میں سیری کہاں ہوتی ہے...... محبت کی بے خودی بھی ایک سمندر ہے جو رستہ ڈھونڈ لیتا ہے...... سو نظر بچا کر دیدار کروانے والے رضاکاروں میں شامل ہو گیا، رات پھر کتنے ہی لوگ اپنی دیوانگی کو رضاکاری کے لبادے میں چھپائے دوسروں کو دیدار کرواتے اور خود ہر دم شہید کے سامنے کھڑے اس چوکھٹ کی 'رضاکاری' اور چوکیداری پر خود کو نصیب والا شمار کرتے...... یہ جذبات پُر نم چہروں اور تمتماتے چہروں سے ہویدا تھے...... وقاص، شہزاد، ہاشم تین کے نام مجھے یاد رہ گئے!

یہ ایک حویلی نما جگہ تھی، ایک طرف جمعہ بازار اور بالمقابل سرکاری پرائمری سکول اور درمیان میں مختصر سا میدان۔ اس میدان میں ہجومِ عاشقاں تھا۔ جمعہ بازار کے ایک طرف سے دیدار کے لیے داخل کرتے اور دوسری طرف سے نکال دیتے۔ رات دس سے دو بجے تک شدید ہجوم کے ریلے کی کیفیت یہی تھی کہ شہید کے دیدار کے لیے جو قناتیں لگائی گئی تھیں، کئی بار اُکھڑنے کا خدشہ پیدا ہوا گیا۔ قریباً دو بجے یہ فکر ہوئی کہ پندرہ سے بیس افراد آنے والے بے شمار لوگوں کو کب تک اسی بد نظمی کی حالت میں زور زبردستی سے کنٹرول کر سکیں گے......

چنانچہ کچھ بھائی خیمے سے باہر نکلے، جمعہ بازار کے کونے میں لوہے کے پول اور بانس وغیرہ ڈھیر تھے...... پرانی کرسیوں پر انہیں ٹکایا اور یوں کچھ حد بندی کا سامان ہوا۔ کافی تگ و دو کے بعد قطاریں بننا شروع ہو گئیں، کچھ مزید حضرات ہمارے ساتھ مل گئے اور باہر حویلی کے گیٹ تک اور اس سے بھی باہر قطار بنوا کر اس کو قائم رکھنے کی تگ و دو میں مصروف ہو گئے۔ ہر طبقۂ فکر کا آدمی ان میں شامل تھا، اونچے شملے کی پگڑیوں والے نیازی بھی تھے اور قبائل و پشاور سے آنے والے گھیرے دار شلواریں پہنے پٹھان بھی...... کراچی کے بنگالی بہاری بھی تھے اور اسلام آباد یے بھی، دیہاتی لنگیوں میں ملبوس بزرگ بھی تھے، گرد آلود چپلوں میں مزدور بھی تھے اور پینٹ شرٹ اور کوٹ ٹائی والے بابو بھی...... ہری پگڑیاں تھیں تو تبلیغی عمامے بھی تھے اور اونچے ٹخنوں اور ننگے سروں سے پہچانے جانے والے سلفی بھی، سیاہ عماموں والے دیوبندی، رومال لیے جہادی، اور ہلکی داڑھیوں والے جماعتی سب ہی جمالِ شہید کا نظارہ کرنے وہاں موجود تھے...... بڑی تعداد کسی خاص ٹھپے کے بغیر عام نوجوانوں کی تھی...... سب عاشقانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے سب امت محمد تھی!

دوست تو واپس جا چکے تھے ادھر گھر والے بھی لاعلم تھے کہ لڑکا کہاں غائب ہے...... فون پر فون...... کیا بتاتا کہاں ہوں اور کیا کر رہا ہوں!!! ہر دفعہ دماغ 'تھوڑی دیر بعد' کہلواتا اور ہر دفعہ ہی دل اس 'تھوڑی دیر بعد' کو کھرچ کر دور پھینک دیتا...... لوگوں کے عجیب جذبات دیکھے...... عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تحریریں لکھنا، تقریریں کرنا، نعرے لگانا اور چیز ہے...... لیکن لوگوں کی آنکھوں سے زیادہ بلیغ کوئی چیز نہ تھی جن کے سامنے اظہار کا ہر ذریعہ، پیمانہ ہیچ تھا! کوئی کسی سے کچھ نہ کہہ رہا تھا...... عشق میں کہنے کو ویسے ہوتا بھی کیا ہے...... اور پھر حرف و صوت تو دل کی کہنے کے ذرائع ہیں اور جہاں آنکھیں اور چہرے خود سراپا دل ہو چکے ہوں وہاں کلام کی حاجت کہاں رہتی ہے؟!

جسدِ خاکی پر کچھ جوان متعین تھے...... ایک مجھ سے کہنے لگا وہ جو پگڑی والے بزرگ آ رہے ہیں ان کو میں تین دفعہ پہلے دیکھ چکا ہوں لائن میں آتے ہوئے...... قریب آئے تو 'پکڑے' گئے...... کہنے لگے میں نفی نہیں کرتا لیکن اتنا دیکھ لو کہ میں تو مجبور ہوں رہا نہیں جاتا...... بس آخری دفعہ دیکھ لینے دو بیٹا......!!! لوگوں کو روکتے سخت الفاظ کہتے ڈر بھی لگتا تھا کہ خود اپنا حال بھی لوگوں سے مختلف تو نہ تھا...... (باقی صفحہ نمبر 43 پر)

آ قا......او نجھ تے غریب آں، پر دِل تے امیر اے!

(آ قا......یوں تو غریب ہوں، لیکن دِل تو امیر ہے!)

انتخاب: مصعب ابراہیم (فک اللہ اسرہٗ)

جیل میانوالی کی ہے!!!

میرا غازی علم دین شہید ہے

آدھی رات ہے

مدینہ طیبہ کی طرف منہ ہے

عاشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا گونجتی ہے

آقا او نجھ تے غریب آں پر دل تے امیر اے!

....

جیل جہلم دی اے

عشق دا اک قیدی اے

غازی مرید حسین شہید اے

چکوال کی بستی کا رہنے والا ہے، مدینے کی طرف منہ ہے

اور دل عشق شاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا ہے

اور صدا بلند کرتا ہے

آقا او نجھ تے غریب آں پر دل تے امیر اے!

....

جیل قصور کی ہے

اور قیدی غازی صدیق شہید ہے

رات کا سناٹا ہے اور عاشق کا تنہا قید خانہ ہے

لب پر درود کا نغمہ ہے اور دلِ بے قرار سے

اک صدا بلند ہوتی ہے

آقا او نجھ دے غریب آں پر دل تے امیر اے!

....

سات سمندر پار

اپنے وطن سے ہزاروں میل دور

اک قید خانہ ہے، جیل جرمنی کی ہے

اور آقا علیہ السلام کا ایک عاشق قید تنہائی میں ہے

نام عامر چیمہ ہے

بے انتہا ظلم و بربریت برداشت کر رہا ہے

رات کا وقت ہے کچھ لمحے کے لیے

آرام کا موقع ملتا ہے مگر عاشق کو آرام کہاں

دل میں گنبدِ خضرا کو بساتا ہے

اور فریاد کرتا ہے

سوہنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم او نجھ تے میں غریب آں

غریب الوطن وی آں پر دل تے امیر اے

....

کسی کو کیا پتہ تھا کہ چشم فلک اک بار یہ نظارہ دوبارہ دیکھے گی

جیل اڈیالہ کی ہے

اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور قیدی غازی ممتاز حسین قادری ہے

ہاتھوں میں ہتھ کڑی ہے، پاؤں میں بیڑیاں ہیں

اور گلے میں پھانسی کا پھندا

تصور میں مدینہ، زیر لب درود و سلام کے نغمے ہیں

عشق کی آگ دل میں موجزن ہے

آواز آتی ہے

سوہنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم!

او نجھ تے میں غریب آں پر دل تے امیر اے!

....

اور گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے کی صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی سنت قیامت تک جاری رہے گی!

جب جب کسی شیطان کی اولاد نے ایسی ناپاک جسارت کی تو کوئی نہ کوئی غازی سامنے ضرور آیا بلکہ یہ تو ہر مسلمان کی اولین خواہش ہے کہ وہ ناموسِ رسالت کے تحفظ اور حرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کے لیے اپنی جان قربان کرے!

صنفِ نازک...... تہذیب و تمدن کے آئینے میں

مولانا سیّد امجد علی حیدر آبادی زید مجدہٗ

زیرِ نظر تحریر مولانا سیّد امجد علی صاحب حیدر آبادی (فاضل دار العلوم دیوبند) کی ہے جو ماہنامہ مجلّہ 'الحق' میں سنہ ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس تحریر میں بعض مقامات پر اہم اضافے کر دیے گئے ہیں جو کھڑے قوسین '[]' میں بند ہیں، نیز بعض مشکل الفاظ کو سہل بنا دیا گیا ہے، اسی طرح کہیں کہیں مزید پیرا بندی بھی کی گئی ہے اور ایک آدھ جگہ اسلوب کو بھی تبدیل کیا گیا ہے، انگریزی عبارتیں بعض جگہ حذف کر دی گئی ہیں اور ایک مقام پر افہام کی غرض سے ترجمۂ قرآنِ مجید مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا درج کر دیا گیا ہے۔ (مدیر)

عورت کو آدھی دنیا کہا گیا، اور کہا جاتا ہے، اس لیے اس کو کسی بھی سماج یا ازم کے لیے نظر انداز کرنا آسان نہیں ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عورت انسانی حیات کی گاڑی کا لازمی پہیہ ہے، لیکن انسانی تاریخ کا یہ المیہ ہے کہ عورت کو آدھی دنیا ہونے کے باوجود وہ اہمیت و حیثیت نہیں دی گئی جس کی واقعتاً وہ مستحق تھی، جس طرح قدیم تہذیب و تمدن (یعنی اسلام کی آمد سے قبل) نے عورت کے وقار کو تباہ کیا، اسی طرح جدید تہذیب نے بھی اسے شو پیس بنایا، اسے استعمال تو کیا لیکن اسے عزت نہیں بخشی، نمایاں تو کیا گیا لیکن عورت کے عورت پن کے خاتمے کی قیمت پر، آج وہ زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں تو نظر آتی ہے، لیکن یہ نمائندگی عزت و عصمت، حیا و شرم گنوانے کی قیمت پر ملی۔

صنفِ نازک کے ادوار

عورت کے ان متضاد ادوار کے سلسلے میں جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو افراط و تفریط کی کھینچ تان کا ایک عجیب سلسلہ نظر آتا ہے، ایک طرف ہم دیکھتے ہیں کہ وہی عورت جو ماں کی حیثیت سے آدمی کو جنم دیتی ہے اور بیوی کی حیثیت سے زندگی کے ہر نشیب و فراز میں مرد کی رفیق بنی رہتی ہے، اسی محسنہ کو اسلام سے قبل اس کے پیدا ہوتے ہی زندہ در گور کر دیا جاتا ہے، اس کی پیدائش کو نحوست تصور کیا جاتا ہے، اس کو ملکیت اور وراثت کے تمام حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے، اس کو گناہ اور ذلت کا مجسمہ سمجھا جاتا ہے، پھر اسلام کا عظیم الشان دور آتا ہے، جو سسکتی انسانیت کے لیے مسیحا ثابت ہوا، مرد و زن کو اس نوخیز مذہب نے وہ احکامات اور تعلیمات دیں جو دونوں کے جسمانی اور حیاتیاتی سانچوں کے عین مطابق ہیں، دوسری طرف مغربی جدید تہذیب کا بڑھتا ہوا سیلاب نظر آتا ہے کہ وہی عورت اٹھائی اور ابھاری جا رہی ہے مگر اس شان سے کہ اس کے ساتھ بداخلاقی اور بدنظمی کا طوفان بھی اٹھ رہا ہے، وہ حیوانی خواہشات کا کھلونا بنائی جاتی ہے، اس کو واقعی شیطان کا ایجنٹ بنا کر رکھ دیا جاتا ہے، اور اس کے ابھرنے کے ساتھ انسانیت کے گرنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ تاریخ کے سفینے میں قیامِ دنیا کے بعد بے شمار تہذیبوں نے اپنے پیر پسارے، ان کے ماننے والوں نے اپنی تعلیمات کو بساطِ قوت سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی، جس کے عوض اس قوم کو اپنے ہی دور میں تہذیب ساز جیسے خطاب ملے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ وہ قوم اپنی لنگڑی، ادھوری تہذیب اور بے اصل نظریات کے ساتھ دفن ہو گئی۔ آیئے تاریخ سے ہم ایسی تہذیب اور سوچ رکھنے والی اقوام کی دو چار مثالیں پیش کریں۔

یونان

اقوامِ قدیمہ میں سے جس قوم کی تہذیب سب سے زیادہ شاندار نظر آتی ہے وہ اہلِ یونان ہیں، اس قوم کے ابتدائی دور میں اخلاقی نظریہ، قانونی حقوق، اور معاشرتی برتاؤ، ہر اعتبار سے عورت کی حیثیت بہت گری ہوئی تھی، یونانی خرافات (Greek Mythology) میں ایک خیالی عورت پنڈورا (Pandora) کو اسی طرح تمام انسانی مصائب کا موجب قرار دیا گیا تھا جس طرح یہودی خرافات میں حضرت حوا علیہا السلام کو قرار دیا گیا، ان کی نظر میں عورت ایک ادنیٰ درجے کی مخلوق تھی، معاشرت کے ہر پہلو میں اس کا مرتبہ گرا ہوا رکھا گیا اور عزت کا مقام مرد کے لیے مخصوص تھا۔

روم

اہلِ یونان کے بعد جس قوم کو دنیا میں عروج نصیب ہوا، وہ اہلِ روم تھے، یہاں پھر وہی اتار چڑھاؤ کا منظر ہمارے سامنے آتا ہے جو اوپر آپ دیکھ چکے ہیں، رومی لوگ وحشت کی تاریکی سے نکل کر جب تاریخ کے روشن منظر پر نمودار ہوتے ہیں، تو ان کے نظامِ معاشرت کا نقشہ یہ ہوتا ہے کہ مرد اپنے خاندان کا سردار ہے، اس کو اپنی بیوی و بچوں پر پورے حقوقِ مالکانہ حاصل ہیں، بلکہ بعض حالات میں وہ بیوی کو قتل کر دینے کا بھی مجاز ہوتا ہے، نیز اس دور میں عورت اور مرد کے غیر نکاحی تعلق کو معیوب سمجھنے کا خیال بھی دلوں سے نکلتا چلا گیا، یہاں تک کہ بڑے بڑے معلّمینِ اخلاق بھی زنا کو ایک معمولی چیز سمجھنے لگے، کاٹو جس کو ۱۸۴ء میں روم کا محتسب اخلاق قرار دیا گیا تھا صحیح طور پر جوانی کی آوارگی کو حق بجانب ٹھہراتا ہے، حتیٰ کہ ایپکسٹیٹس جو فلاسفۂ رواَمیین میں بہت ہی سخت اخلاقی اصول رکھنے والا سمجھا جاتا تھا، اپنے شاگردوں کو ہدایت کرتا ہے کہ:

> ''جہاں تک ہو سکے شادی سے پہلے عورت کی صحبت سے اجتناب کرو، مگر جو اس معاملے میں ضبط نہ رکھ سکیں انہیں ملامت بھی نہ کرو۔''

اخلاق و معاشرت کے بند جب اتنے ڈھیلے ہو گئے تو روم میں شہوانیت، عریانیت، اور فواحش کا سیلاب پھوٹ پڑا، تھیٹروں میں بے حیائی و عریانی کے مظاہرے ہونے لگے، ننگی اور فحش تصویریں ہر گھر کی زینت کے لیے ضروری ہو گئیں، اہل روم کے یہاں عورت ذات کے سلسلے میں نظریات و رجحانات نے اتنا زوال قبول کیا کہ اس کی تصویر کشی مشکل نظر آتی ہے، مشہور رومی فلسفی و مدبر سنیکا اہل روم کے طرزِ عمل پر ماتم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ:

> ”اب روم میں طلاق کوئی بڑی شرم کے قابل چیز نہیں رہی۔ عورتیں اپنی عمر کا حساب شوہروں کی تعداد سے لگاتی ہیں۔“

مردوں کے اس رویہ کے بعد عورت ذات کا بھی مزاج بدلا، اور وہ بھی یکے بعد دیگرے کئی کئی شادیاں کرتی چلی گئیں۔ مارشل (۴۳ء تا ۱۰۴ء) ایک عورت کا ذکر کرتا ہے جو دس خاوند کر چکی تھی۔ اسی طرح جو دنیل (۶۰ء تا ۱۰۴ء) ایک عورت کے متعلق لکھتا ہے کہ اس نے پانچ سال میں آٹھ شوہر بدلے۔ سینٹ جروم (۳۴۰ء تا ۴۴۰ء) ان سب سے زیادہ ایک باکمال عورت کا حال لکھتا ہے کہ جس نے آخری بار تیئیسواں شوہر کیا اور اپنے شوہر کی بھی وہ اکیسویں بیوی تھی۔

مسیحی یورپ

مغربی دنیا کے اس علاج کے لیے مسیحیت پہنچی، اور اوّل اوّل اس کی بڑی اچھی خدمات رہیں۔ فواحش کا اس نے انسداد کیا، عریانیت کو زندگی کے ہر شعبے سے نکالا اور پاکیزہ اخلاقی تصورات لوگوں میں پیدا کیے، مگر عورت اور صنفی تعلقات کے بارے میں آبائے مسیحیین دو بنیادی نظریے رکھتے تھے جو فطرتِ انسانی کے خلاف اعلانِ جنگ تھے۔ ان کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ:

> ”عورت گناہ کی ماں، اور بدی کی جڑ ہے، معصیت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ ہے، تمام انسانی مصائب کا آغاز اسی سے ہوا ہے، اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک ہونے کے لیے کافی ہے، اس کو اپنے حسن و جمال پر شرمانا چاہیے، کیونکہ وہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، اس کو دائماً کفارہ ادا کرتے رہنا چاہیے، کیونکہ وہ دنیا اور دنیا والوں پر مصیبت و لعنت لائی ہے۔“

ترتولیان جو ابتدائی دور کے ائمۂ مسیحیت میں سے تھا، عورت کے متعلق مسیحی تصور کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے کہ:

> ”وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ شجرِ ممنوع کی طرف لے جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی خدا کی تصویر...... مرد کو غارت کرنے والی ہے۔“

کرائی سوسٹم جو مسیحیت کے اولیائے کبار میں شمار کیا جاتا ہے عورت کے حق میں کہتا ہے کہ:

> ”وہ ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گر دلربائی، ایک آراستہ مصیبت ہے۔“

ان کا دوسرا نظریہ یہ تھا کہ:

> ”عورت اور مرد کا صنفی تعلق بجائے خود ایک نجاست اور قابل احتراز چیز ہے، خواہ وہ نکاح کی صورت ہی میں کیوں نہ ہو۔“

تجرد اور دوشیز گی معیارِ اخلاق قرار پائی، اور خاندانی زندگی اخلاقی اعتبار سے پست اور ذلیل سمجھی جانے لگی۔

نظریات کا اثر

ان دونوں نظریات نے نہ صرف اخلاق اور معاشرت میں عورت کی حیثیت حد سے زیادہ گرا دی بلکہ تمدنی قوانین کو بھی اس درجہ متاثر کیا کہ ایک طرف ازدواجی زندگی مردوں اور عورتوں کے لیے مصیبت بن گئی تو دوسری طرف عورت کا مرتبہ سوسائٹی میں ہر حیثیت سے پست ہو گیا۔

مسیحیت سے مغرب تک

مسیحی شریعت کے زیرِ اثر جتنے قوانین مغربی دنیا میں جاری ہوئے، ان سب کی مجموعی خصوصیات کو ہم اس طرح تقسیم کرتے ہیں:

(۱) معاشی حیثیت سے عورت کو بالکل بے بس کر کے مرد کے قابو میں دے دیا گیا، اور وراثت میں اس کے حقوق نہایت محدود تھے، اور ملکیت میں اس سے بھی زیادہ محدود تھے۔

(۲) دوسری خصوصیت یہ تھی کہ طلاق و خلع کی سرے سے اجازت ہی نہیں تھی، زوجین میں ناموافقت، وباہمی تعلقات کے خراب ہونے کے باوجود مذہب و قانون ان دونوں کو زبردستی ایک دوسرے کے ساتھ بندھے رہنے پر مجبور کرتے تھے۔

(۳) تیسری خصوصیت یہ تھی کہ شوہر کے مرنے کی صورت میں بیوی کے لیے، بیوی کے مرنے کی صورت میں شوہر کے لیے نکاحِ ثانی کرنا سخت معیوب بلکہ گناہ قرار دیا گیا تھا۔

یہ چند مسیحی یورپ کی خصوصیات، اور صنف نازک کے تیئں ان کے فاسد نظریات تھے جو مختصراً آپ کے سامنے پیش کیے گئے۔ اب آگے تہذیب اہل مصر کو ملاحظہ فرمایئے۔

مصر

مصر کی عظمت کے پرچم دنیا بھر میں لہرائے ہوئے تھے، وہاں فرعون اپنی بہن تک سے شادی کر لیتا تھا، دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے عورتوں کی قربانی دی جاتی تھی، دریائے نیل کو خوش کرنے کے لیے ایک دوشیزہ کو بھینٹ چڑھا دیا جاتا تھا، غرض یہ کہ عورت کو عملی زندگی کی تعمیر میں کسی بھی نوعیت کا اختیار حاصل نہیں تھا، مرد کی مکمل تقلید مصری عورتوں کا مقدر بن چکی تھی۔

ایران

ایران آج سے تقریباً دو ہزار سال قبل ایک مہذب ملک مانا جاتا تھا، وہاں عورت کی حیثیت ایک حقیر جانور کی سی تھی، ایرانی لوگ لڑکیوں کی پیدائش کو باعث ندامت سمجھتے تھے، نیز ایک عورت کو متعدد بھائیوں کی بیوی بناتے تھے، باپ کے مرنے کے بعد ماں کو ترکہ کے طور پر اپنے تصرف میں لاتے تھے۔

قدیم ہندوستان

یہ وہ مختصر سی تاریخی نشیب و فراز کی اس خطہ ارضی کی داستانیں تھی جو ماضی میں تہذیبوں کا گہوارہ رہ چکی ہیں، اور آج بھی جن کی تہذیب و تمدن، ثقافت وحضارت کا ڈنکا اس دنیائے فانی میں بجایا جارہا ہے، کچھ ایسی ہی داستان خود ہمارے ملک ہندوستان کی ہے، جو صدہا سال سے افراط و تفریط کا شکار ہے، جب ہم ہندوستان کی اس قدیم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو عورت ایک طرف داسی بنائی جاتی ہے، مرد اس کا سوامی اور پتی دیو یعنی مالک اور معبود بنتا ہے، اسے بچپن میں باپ کی، جوانی میں شوہر کی، اور بیوگی میں اولاد کی مملوکہ بن کر رہنا پڑتا ہے، اسے شوہر کی چتا پر بھینٹ چڑھایا جاتا ہے، اس کو ملکیت اور وراثت کے حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے، اس پر نکاح کے بڑے سخت قوانین مسلط کیے جاتے ہیں جن کے مطابق وہ اپنی رضا اور پسند کے بغیر ایک مرد کے حوالے کی جاتی ہے، اور پھر زندگی کی آخری سانس تک اس کی ملکیت سے کسی حال میں نکل نہیں سکتی، اس کو یہودیوں، اور یونانیوں کی طرح گناہ اور اخلاقی و روحانی پستی کا مجسمہ سمجھا جاتا تھا، اور اس کی مستقل شخصیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جاتا تھا، تو دوسری طرف جب اس پر مہر کی نگاہ ہوتی ہے تو اسے بہیمی خواہشات کا کھلونا بنالیا جاتا تھا وہ مرد کے اعصاب پر سوار ہو جاتی ہے اور ایسے سوار ہوتی ہے کہ خود بھی ڈوبتی ہے اور ساری قوم کو بھی لے ڈوبتی ہے۔

ہم نے مختصر طور پر مختلف ادوار کی تہذیب وتمدن کی علم بردار اقوام کے حالات آپ کے سامنے رکھے، ہمیں نہ ان اقوام کی تاریخ سے دلچسپی ہے اور نہ ہی ان کے کارناموں سے، کیونکہ وہ قومیں اپنی تعلیمات اور غیر متوازن نظریات کے ساتھ فنا ہو گئیں، اور ان سب کے بعد مذہب اسلام نے جو تعلیمات اہل دنیا کو دیں، اور جس روش پر لے کر یہ مذہب چلا، تو تجربات شاہد ہیں کہ دنیا نے امن وامان کا منہ دیکھا، جب اسلام عالم عرب کی حدود سے نکل کر اقوام عالم میں پھیلنا شروع ہوا، اور جس علاقے اور خطے میں بھی پہنچا فطرت کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے ہر ایک ملک کے باشندوں کے موافق آیا، ہر جگہ کے تمدن پر اس نے غلبہ پایا، ہر ایک کے علوم وفنون کی سرپرستی فرمائی، ذرہ برابر بھی عقلِ سلیم اور فطرتِ سلیمہ رکھنے والوں نے دل کھول کر اسلام قبول کیا، اور اسلامی تہذیب نے ہر علاقے اور ہر خطے کو منور کیا۔

اسلام اور مغرب

جوں جوں زمانہ ترقی کر تا رہا اسلام مخالف سرگرمیوں میں بھی اضافہ اور نت نئے طریقے ایجاد ہوتے رہے، مغرب نے اسلام کے ہر اس نظریے کو مٹانے اور داغ دار کرنے کی پوری کوشش کی، جس کے زیر اثر ایک صحت مند انسانیت سانس لے رہی تھی۔ یورپ نے اسلامی نظریات و تعلیمات کے مقابل اپنے غیر متوازن نظریات کو لا کھڑا کیا، اس کی ظاہری چمک دمک دکھا کر سادہ دل انسانوں کو پھانسنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور دور رس منفی نتائج سے بے خبر جدید تہذیب کے بہاؤ میں بہتے چلے گئے۔ اس تہذیب سے جتنا نقصان عورت ذات کو پہنچا کسی اور کو نہیں پہنچا۔ عورت کو گھروں سے نکال کر عام شاہراہوں پر نمائش کے لیے لا کھڑا کیا، اسلام نے اس کے برعکس اس کو عزت و مقام دیا۔

خیر! یہ بحث تو ہم بعد میں کریں گے، اس سے قبل ہم چاہتے ہیں کہ مغربی تہذیب کے نظریات اور اس کے بنیادی عناصر، اس کا عروج و زوال، اور اس کے ماننے والوں کے خیالات آپ کے سامنے رکھیں۔

مغربی تہذیب کے بنیادی عناصر

وہ نظریات جن پر نئی مغربی معاشرت کی بنیاد رکھی گئی ہے، ہم اس کو تین عنوانوں کے تحت تقسیم کرتے ہیں: (۱) عورتوں اور مردوں میں مساوات (۲) عورتوں کا معاشی استقلال (۳) مرد و عورت کا آزادانہ اختلاط۔

مساوات

مساوات کے یہ معنی لیے گئے کہ عورت اور مرد نہ صرف اخلاقی مرتبہ، اور انسانی حقوق میں مساوی ہوں؛ بلکہ تمدنی زندگی میں عورت وہی کام کرے جو مرد کرتے ہیں، اور اخلاقی بندشیں عورت کے لیے بھی اسی طرح ڈھیلی کر دی جائیں جس طرح مرد کے لیے پہلے سے ڈھیلی ہیں۔ مساوات کے اس غلط تخیل نے عورت کو اس کے ان فطری وظائف سے غافل اور منحرف کر دیا، جن کی بجا آوری پر تمدن کی بقا بلکہ نوعِ انسانی کی بقا کا انحصار ہے۔ مغرب کے اس بنیادی نظریے نے جو تباہی پھیلائی، اور اس کے تناظر میں جن سنگین برائیوں نے جنم لیا وہ دنیا کے سامنے ہے۔

حیاتیاتی تضاد

اسلام کی نظر میں عورت و مرد دونوں برابر نہیں ہیں، ہر ایک کا دائرۂ عمل شریعت نے الگ الگ مقرر کیا ہے، اور ماضی قریب تک اسی اصول پر دنیا قائم رہی، مگر جب سائنسی دور شروع ہوا تو اس اصول کا بہت مذاق اڑایا گیا، اور اس کو دور جہالت کی یادگار قرار دیا گیا، چنانچہ ساری دنیا میں اور خاص طور سے مغرب میں اس اصول پر ایک نئی سوسائٹی ابھرنا شروع ہوئی، مگر طویل تجربے نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ مرد اور عورت دونوں پیدائشی طور پر یکساں نہیں ہیں،

اس لیے دونوں کو یکساں فرض کرکے جو سماج اور معاشرہ بنایا جائے وہ لازمی طور پر بے شمار خرابیاں پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔

پہلی بات آپ یہ سمجھ لیں کہ عورت اور مرد میں فطری صلاحیتوں کے زبردست نوعی اختلافات ہیں، اس لیے دونوں کو مساوی حیثیت دینا اپنے اندر ایک حیاتیاتی تضاد رکھتا ہے، ڈاکٹر ایلکس کیرل، عورت اور مرد کے فعلیاتی (Physiological) فرق کو بتاتے ہوئے لکھتا ہے:

"مرد اور عورت کا فرق محض مختلف جسمانی ساخت یا طریقۂ تعلیم ہی کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ یہ اختلافات بنیادی قسم کے ہیں، خود عضلات کی بناوٹ اور پورے نظامِ جسمانی کے اندر خاص کیمیائی ماڈے ان اختلافات کا حقیقی باعث ہیں، صنف نازک کے ترقی کے حامی ان بنیادی حقیقتوں سے ناواقف ہونے کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ دونوں جنسوں کو ایک ہی قسم کی تعلیم، ایک ہی قسم کے اختیارات، اور ایک ہی قسم کی ذمہ داریاں ملنی چاہیے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ عورت، مرد سے بالکل ہی مختلف ہے، اس کے جسم کے ہر ایک خلیے میں زنانہ پن کا اثر موجود ہوتا ہے، اس کے اعصابی نظام کی بھی یہی حالت ہوتی ہے، فعلیاتی قوانین (Physiological laws) اتنے ہی اٹل ہیں جتنے کہ فلکیات (Sidereal world) کے قوانین اٹل ہیں، انہیں انسانی آرزوؤں سے نہیں بدلا جاتا، عورتوں کو چاہیے کہ اپنی فطرت کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو ترقی دیں، اور مردوں کی نقالی کی کوشش نہ کریں۔"

مغرب میں اسی نظریے نے خاندان کا نظام، جو تمدن کا سنگ بنیاد ہے، بری طرح منتشر کر دیا ہے، مساوات کے اس غلط تخیل نے عورتوں اور مردوں کے درمیان بداخلاقی میں مساوات قائم کر دی ہے۔ وہ بے حیائیاں جو کبھی مردوں کے لیے بھی شرمناک تھیں، اب وہ عورتوں تک کے لیے شرمناک نہیں رہیں۔

عورتوں کا معاشی استقلال اور اس کے نتائج

عورت کے معاشی استقلال نے اس کو مرد سے بے نیاز کر دیا ہے، وہ قدیم اصول کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے، اب اس نئے قاعدے سے بدل گیا کہ عورت اور مرد دونوں کمائیں اور گھر کا انتظام بازار کے سپرد کر دیا جائے۔ اس انقلاب کے بعد دونوں کی زندگی میں بجز ایک شہوانی تعلق کے اور کوئی ایسا ربط باقی نہیں رہا جو ان کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہونے پر مجبور کرتا ہو۔ یہ تجربہ ہے کہ جو عورت اپنی روٹی آپ کماتی ہے وہ اپنی تمام ضروریات کی خود کفیل ہے، اپنی زندگی میں دوسرے کی حفاظت اور اعانت کی محتاج نہیں ہے، وہ آخر محض اپنی شہوانی خواہش کی تسکین کے لیے کیوں ایک خاندان کی ذمہ داری کا بار اٹھائے؟ خصوصاً جبکہ اخلاقی مساوات کے تخیل نے اس راہ سے وہ تمام رکاوٹیں بھی دور کر دی ہوں جو اسے آزاد شہوت رانی کا طریقہ اختیار کرنے میں پیش آسکتی تھیں۔

یہ وہ چیز ہے جس نے مغربی معاشرت کی جڑیں ہلا کر رکھ دی ہیں، آج ہر ملک میں لاکھوں جوان عورتیں تجرد پسند ہیں، جن کی زندگیاں آزاد شہوت رانی میں بسر ہو رہی ہیں۔ منع حمل، اسقاط، قتل اولاد، شرح پیدائش کی کمی، اور ناجائز ولادتوں کی بڑھتی ہوئی تعداد بڑی حد تک اسی سبب کی رہین منت ہے، بدکاری، بے حیائی، اور امراضِ خبیثہ کی ترقی میں بھی اس کیفیت کا بڑا دخل ہے۔

مردوعورت کا آزادانہ اختلاط

مغربی معاشرت کی تیسری بنیادی فکر مردوعورت کا آزادانہ اختلاط ہے۔ یہ نظریہ آندھی اور طوفان کی طرح اقوامِ عالم میں پھیل رہا ہے، تباہی اور بربادی اس آواز کا مقدر ہے۔ مقامی روایات اور تہذیب کو اس نظریے کی بدولت بھینٹ چڑھنا پڑا۔ نئی نسل ذہنی طور سے مفلوج اور قوت و ارادہ سے کھوکھلی ہو کر رہ گئی ہے۔ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط نے عورتوں میں حسن کی نمائش، عریانیت، اور فواحش کو غیر معمولی ترقی دے رہی ہے۔ حسن و جمال کی یہ نمائش رفتہ رفتہ تمام حدود کو توڑتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ برہنگی کی آخری حد کو پہنچ کر ہی دم لیتی ہے۔ اس وقت مغربی تہذیب میں صنف مقابل کے لیے مقناطیس بننے کی خواہش عورت میں اتنی بڑھ گئی ہے، اور اتنی بڑھتی چلی جارہی ہے کہ شوخ و شنگ لباسوں، غازوں اور سرخیوں اور بناؤ سنگھار کے نت نئے سامانوں سے اس کی تسکین نہیں ہوتی۔ بے چاری تنگ آکر اپنے کپڑوں سے باہر نکل پڑتی ہے۔ یہ گھن بڑی تیزی سے مغربی قوموں کی قوتِ حیات کو کھا رہا ہے۔ یہ گھن لگنے کے بعد آج تک کوئی قوم نہیں بچی، ایسے ماحول میں خصوصاً ان کی جوان نسلوں کو وہ ٹھنڈی اور پرسکون فضا میسر ہی کہاں آسکتی ہے جو ان کی ذہنی اور اخلاقی قوتوں کے نشوونما کے لیے ناگزیر ہے۔

فلکیاتی قوانین کی مخالفت

یہ جیتی جاگتی صداقت ہے کہ جس قوم نے بھی طبعی اور فلکیاتی قوانین کو تسلیم نہیں کیا ہے، اور ان کے خلاف چلنا شروع کر دیا ہے تو اس قوم کے تمدن کے اندر زبردست خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ مثال کے طور پر مغرب نے طبعی اور فلکیاتی قوانین کو چھوڑ کر "مساوات" جیسے کمزور اور بے بنیاد فلسفے کی بنیاد ڈالی، اس کے برے نتائج ہم گزشتہ سطروں میں مختصر طور سے بیان کر آئے ہیں۔ پھر اس غلط فلسفے کی وجہ سے دونوں صنفوں کے درمیان جو آزادانہ اختلاط پیدا ہوا ہے اس نے جدید سوسائٹی میں نہ صرف عصمت کا وجود باقی نہیں رکھا، بلکہ ساری نوجوان نسل کو طرح طرح کی اخلاقی اور نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا کر دیا ہے، علمائے جدید خود بھی اس تلخ تجربے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آزادانہ اختلاط کے بعد عصمت و عفت کا تحفظ ایک بے معنی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت اور مرد کے آزادانہ اختلاط کی خرابیوں کو مغرب کے دردمند افراد شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔

مخلوط تعلیم

عصرِ جدید میں آزادانہ اختلاط کو فروغ دینے کے لیے ایک بہت بڑا محرک مخلوط تعلیم بھی ہے، ایسی تعلیم گاہوں میں جذبات کو بھڑکانے کے لیے ایک پورا آتش خانہ موجود ہوتا ہے، اور ان کے بڑھتے ہوئے جذبات کی تسکین کے لیے ہر قسم کا سامان بھی کسی دقت کے بغیر فراہم ہو جاتا ہے، جس ہیجانِ جذبات کی ابتدا بچپن میں ہوئی تھی یہاں پہنچ کر اس کی تکمیل ہو جاتی ہے، بدترین، فحش لٹریچر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے زیرِ مطالعہ رہتا ہے، عشقیہ افسانے، نام نہاد آرٹ کے رسالے، صنفی مسائل پر نہایت گندی کتابیں، اور منع حمل کی معلومات فراہم کرنے والے مضامین، یہ ہیں وہ چیزیں جو عنفوانِ شباب میں، مدرسوں، کالجوں کے طلبہ وطالبات کے لیے سب سے زیادہ جاذبِ نظر ہوتی ہیں۔

مشہور امریکن مصنف ہینڈرک فان لون(Hendrich Fanloon) کہتا ہے کہ:

> ”یہ لٹریچر جس کی سب سے زیادہ مانگ امریکن یونیورسٹیوں میں ہے، گندگی، فحش اور بیہودگی کا بدترین مجموعہ ہے جو کسی زمانہ میں اس قدر آزادی کے ساتھ پبلک میں پیش نہیں کیا گیا۔ اس لٹریچر سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں، دونوں صنفوں کے جوان افراد ان پر نہایت آزادی، اور بے باکی سے مباحثے کرتے ہیں، اور اس کے بعد عملی تجربات کی طرف قدم بڑھایا جاتا ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں مل کر Petting parties کے لیے نکلتے ہیں، جن میں شراب و سگریٹ کا استعمال خوب آزادی سے ہوتا ہے، اور ناچ رنگ سے پورا لطف اٹھایا جاتا ہے۔“

اسلام کا نقطۂ نظر

اسلام میں عورتوں کو دینی اور دنیوی علوم سیکھنے کی نہ صرف اجازت دی گئی ہے بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کو اسی قدر ضروری قرار دیا گیا ہے جس قدر مردوں کی تعلیم و تربیت ضروری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح دین واخلاق کی تعلیم مرد حاصل کرتے تھے اسی طرح عورتیں بھی حاصل کرتی تھیں، آپ نے ان کے لیے اوقات متعین فرما دیے تھے جن میں وہ آپ سے علم حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتی تھیں، آپ کی ازواج مطہرات اور خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہ صرف عورتوں کی بلکہ مردوں کی بھی معلّمہ تھیں، اور بڑے بڑے صحابہ و تابعین ان سے حدیث، تفسیر، فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے، اشراف تو اشراف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈیوں تک کو علم اور ادب سکھانے کا حکم دیا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> ايّما رجل كانت عنده وليدة فعلّمها فأحسن تعليمها وأدّبها فأحسن تأديبها ثم أعتقها وتزوّجها فلهٗ أجران ۔ (بخاری شریف، کتاب النكاح)

> ”جس شخص کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اس کو خوب تعلیم دے، اور عمدہ تہذیب و شائستگی سکھائے پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کرے اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔“

پس جہاں تک نفس تعلیم وتربیت کا تعلق ہے، اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رکھا ہے۔ البتہ نوعیت میں فرق ضروری ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے عورت کی صحیح تعلیم و تربیت وہ ہے جو اس کو ایک بہترین مسلمان، بہترین بیوی، بہترین ماں، اور بہترین گھر والی بنائے۔ اس کا دائرۂ عمل گھر ہے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ ان علوم کی تعلیم دی جانی چاہیے جو اس دائرے میں اسے زیادہ مفید بنا سکتے ہیں، مزید برآں وہ علوم بھی اس کے لیے ضروری ہیں جو انسان کو انسان بنانے والے اور اس کے اخلاق کو سنوارنے والے اور اس کی نظر کو وسیع کرنے والے ہیں۔ ایسے علوم اور ایسی تربیت سے آراستہ ہونا ہر مسلمان عورت کے لیے لازم ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی عورت غیر معمولی عقلی و ذہنی استعداد رکھتی ہو، اور ان علوم کے علاوہ دوسرے علوم وفنون کی اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کرنا چاہے تو اسلام اس کی راہ میں مزاحم نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ ان حدود سے تجاوز نہ کرے جو شریعت نے عورتوں کے لیے مقرر کی ہیں۔

تہذیبِ نو اور مغربی خواتین کی سوچ

ہم نے آپ کے سامنے مغربی تہذیب کی بنیادی فکر رکھی، ان کے برے نتائج آپ کے سامنے آئے، مغرب کی انہی بنیادی سوچوں سے بے شمار خرابیوں نے جنم لیا جنھوں نے عورت ذات پر اس کی عزت وعظمت کے سارے دروازے بند کر دیے اور اس کو ایسے گندے ماحول میں قید کر دیا جس کے اثرات اس کی نسل کو بغاوت پر آمادہ کرتے ہیں، عورتوں کے ناموس کو تباہ کر دیا گیا، اس کو بے حیائی، بے شرمی کا اڈہ بنا دیا گیا، عورت کو اس مقام تک لانے کے لیے ”آزادئ نسواں“ جیسے پر فریب وخوبصورت نعرے دیے گئے۔ لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ دنیا کبھی بھی عقل اور فہم رکھنے والوں سے خالی نہیں رہی۔ دور اندیش نتائج کے مشاہدہ کے بعد خواتین اس تہذیب سے تنفر کا اظہار کر رہی ہیں، اور مغرب کی اس تحریک کو عورت کے ساتھ بغاوت قرار دے رہی ہیں، چنانچہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے چند خواتین نے کہا کہ اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ:

> ”عورتیں مردوں کی نقالی کریں، اور یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں نسوانیت کی اپنی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔“(ترجمان دیوبند، اکتوبر، نومبر ۲۰۰۵ء)

مسئلۂ حجاب

مغرب کے بنیادی افکار سے جنم لینے والے مسائل بہت زیادہ ہیں، بعض کو ہم آپ کے سامنے رکھ چکے ہیں، حجاب بھی ایک ایسا ہی مسئلہ ہے، مغرب نے یہ رجحان پیدا کر کے خواتین کو اپنی ہی صنف کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا ہے، یہ وہ عمل ہے جس نے خواتین سے ان کی

نسوانیت چھین لی ہے۔ یورپ نے پردہ اور نقاب کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھا، اپنے لٹریچر میں اس کی نہایت گھناؤنی اور مضحکہ خیز تصویریں کھینچیں، اسلام کے عیوب کی فہرست میں عورتوں کی ''قید'' کو نمایاں جگہ دی۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ سب مسائل ''مساوات اورآزادی'' جیسے عنوانات سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہر طرف بے حیائی، اور بے شرمی گشت کررہی ہے، جو لائقِ بیان نہیں ہے۔ اسلام نے عورت کے تحفظ و عصمت کا جو تصور دیا اور اس کے لیے جن اصول وضوابط کا انتخاب کیا وہ آج بھی اور قیامت تک ہر قوم کے لیے، ہر میدان میں باعث امن وامان ہیں۔

شرعی ہدایات

شریعتِ اسلامیہ نے دونوں صنفوں کو ایسے متوازن احکامات دیے ہیں جو کمی بیشی کو قبول نہیں کرتے۔ اگر کوئی بھی صنف اپنے اس دائرہ سے باہر نکلنے کی کوشش کرتی ہے تو اس کو ندامت اور شرمندگی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ قرآن کریم میں پردہ، عفت وعصمت کے تاکیدی احکام، اغیار کے سامنے اظہار زینت کی ممانعت، غضّ بصر سے متعلق احکامات موجود ہیں، ہم یہاں سورۂ ''نور'' کی ایک جامع آیت کا ترجمہ نقل کررہے ہیں جو مذکورہ بالا تمام احکام کے علاوہ دیگر احکامات پر بھی مشتمل ہے:

> '' اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنے بناؤ سنگھار کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے۔ اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں، اور اپنی سجاوٹ اور کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ، یا اپنے شوہروں کے باپ کے، یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا ان کے جو اپنے ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں یا ان خدمت گزاروں کے جن کے دل میں کوئی (جنسی) تقاضا نہیں ہوتا یا ان بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے اور مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ انہوں نے جو زینت چھپا رکھی ہے وہ معلوم ہو جائے۔ اور اے مومنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔''

عورت کا دائرۂ عمل

شریعتِ اسلامیہ نے مرد وعورت کے لیے الگ الگ دائرۂ عمل طے کر دیا ہے، کسب مال کی ذمہ داری مرد کے سر رکھی، اور گھر کا انتظام عورت سے متعلق رکھا، حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المرأة راعية على بيت زوجها، وهي مسئولةٌ (بخاری شریف)

> ''عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمراں ہے، اور وہی اپنی حکومت کے دائرے میں اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہے۔''

اس کو ایسے تمام فرائض سے سبکدوش کیا گیا جو بیرونِ خانہ امور سے تعلق رکھنے والے ہیں، مثلاً نمازِ جمعہ، جہاد، جنازے میں شرکت عورت کے لیے ضروری نہیں، نیز شریعت نے اس کو محرم کے بغیر سفر کرنے کی اجازت بھی نہیں دی۔ اس کے علاوہ اسلام نے جو نظریۂ حجاب عورتوں کو دیا ہے ہم کہتے ہیں کہ ان کے تحفظ کا واحد ذریعہ یہی ہے، اس سے ان میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے، عورتوں کو کھلے چہروں کے ساتھ باہر پھرنے کی عام اجازت دینا ان مقاصد کے بالکل خلاف ہے جن کو اسلام اس قدر اہمیت دے رہا ہے۔ ایک انسان کو دوسرے انسان کی جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ اس کا چہرہ ہی تو ہے، نگاہوں کو سب سے زیادہ وہی کھینچتا ہے، جذبات کو سب سے زیادہ وہی اپیل کرتا ہے۔ آپ کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ صنفی تحریک میں جسم کی ساری زینتوں سے زیادہ حصہ اس فطری زینت کا ہے جو اللہ نے چہرے کی ساخت میں رکھی ہے۔

نشوونما

مغرب نے ایک ظالمانہ اجتماعی نظام ''آزادی'' کے عنوان سے اہل دنیا کو دیا، لیکن یہ تاریخی صداقت ہے کہ جن لوگوں نے ابتداءً اس نظام کو پیش کیا وہ خود بھی اس کے منطقی نتائج سے آگاہ نہ تھے، شاید ان کی روح کانپ اٹھتی اگر ان کے سامنے وہ نتائج متمثل ہو کر آجاتے جن پر ایسی بے قید اباحت اور ایسی خودسرانہ انفرادیت لازماً منتہی ہونے والی تھی۔ بالآخر اس تصور نے مغربی ذہن میں جڑ پکڑ لی اور نشوونما پانا شروع کر دیا۔

ایک انگریز مصنف ''جارج رائیلی اسکاٹ'' اپنی کتاب ''تاریخ الفحشاء''(A History of Prostitution) میں ایک جگہ عورتوں اور خصوصاً والدین کو ان حالات کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

> ''عورتوں کی آزادی کا بھی ان حالات کی پیدائش میں بہت کچھ دخل ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں لڑکیوں پر سے والدین کی حفاظت اور نگرانی اس حد تک کم ہو گئی ہے کہ تیس یا چالیس سال قبل لڑکوں کو بھی اتنی آزادی حاصل نہ تھی جتنی اب لڑکیوں کو حاصل ہے۔''

تین محرّکات

یہ تو جارج صاحب کا اپنا خیال تھا، لیکن ہماری نظر ایک امریکن رسالے پر جاتی ہے، وہ اس بداخلاقی کے لیے تین اسباب کو ذمہ دار مانتا ہے، چنانچہ رسالہ لکھتا ہے:

> ''تین شیطانی قوتیں ہیں جن کی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھاگئی ہے۔ اور یہ تینوں ایک جہنم تیار کرنے میں مشغول ہیں۔ فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد

سے حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بے شرمی اور کثرتِ اشاعت میں بڑھتا چلا جارہا ہے۔ متحرک تصویریں جو شہوانی محبت کے جذبات کو بھڑکاتی ہی نہیں بلکہ عملی سبق بھی دیتی ہیں۔ عورتوں کا گرا ہوا اخلاقی معیار جو ان کے لباس، اور بسا اوقات ان کی برہنگی، اور سگریٹ کے روزافزوں استعمال، اور مردوں کے ساتھ ان کے ہر قید و امتیاز سے نا آشنا اختلاط کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہمارے یہاں بڑھتی ہی چلی جارہی ہیں۔"

اپنی پستی اور یورپ کی ترقی

اس قدر بحث کے بعد یہ سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ یہ تحریک مغرب سے اٹھی، اور وہیں جوان ہوئی، لیکن اس کا امنڈ تا سیلاب دوسرے خطوں میں بسنے والی مسلم اقوام کو کیوں بہالے گیا یا انہوں نے اس ذہنی غلامی کو کیوں قبول کیا؟ اس کا جواب تاریخ میں محفوظ ہے کہ اٹھارہویں صدی کا آخری اور انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ تھا جب مغربی قوموں کا ملک گیری کا سیلاب ایک طوفان کی طرح اسلامی ممالک پر امنڈ آیا، انیسویں صدی کے نصف آخر تک پہنچتے پہنچتے بیشتر مسلمان قومیں یورپ کی غلام ہو چکی تھیں۔ مسلمانوں کا قومی غرور دفعتاً خاک میں مل گیا گویا نشہ اتر گیا تھا، مگر توازن ابھی تک بگڑا ہوا تھا، ایک طرف ذلت کا شدید احساس تھا جو اس حالت کو بدل دینے پر اصرار کر رہا تھا، دوسری طرف صدیوں کی آرام طلبی اور سہولت پسندی تھی جو تبدیلیٔ حالت کا سب سے آسان اور سب سے زیادہ قریب کا راستہ ڈھونڈنا چاہتی تھی، تیسری طرف سمجھ بوجھ اور غور و فکر کی زنگ خوردہ قوتیں تھیں جن سے کام لینے کی عادت سالہا سال سے چھوٹی ہوئی تھی۔ ان سب پر مزید وہ مرعوبیت اور دہشت زدگی تھی جو ہر شکست خوردہ غلام قوم میں فطرتاً پیدا ہو جاتی ہے، ان مختلف اسباب نے مل جل کر اصلاح پسند مسلمانوں کو بہت سی عقلی و عملی گمراہیوں میں مبتلا کر دیا، ان میں سے اکثر تو اپنی پستی اور یورپ کی ترقی کے اسباب سمجھ ہی نہ سکے، اور جنہوں نے ان کو سمجھا ان میں بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ ترقی کے دشوار گزار راستوں کو اختیار کرتے، مرعوبیت اس پر مستزاد تھی، اس بگڑی ذہنیت کے ساتھ ترقی کا سہل ترین راستہ جو اُن کو نظر آیا وہ یہ تھا کہ مغربی تہذیب و تمدن کے مظاہر کا عکس اپنی زندگی میں اُتار لیں، اور اُس آئینہ کی طرح بن جائیں جس کے اندر باغ و بہار کے مناظر تو موجود ہوں مگر در حقیقت نہ باغ ہو، نہ بہار۔ یہی بحرانی کیفیت کا زمانہ تھا، جس میں مغربی لباس، مغربی معاشرت، مغربی آداب و اطوار، حتیٰ کہ چال ڈھال، اور بول چال تک میں مغربی طریقوں کی نقل اتاری گئی۔ اخلاق، معاشرت، معیشت، سیاست، قانون، شائستگی حتیٰ کے مذہبی عقائد اور عبادات کے متعلق بھی جتنے مغربی نظریات یا عملیات تھے، ان کو کسی تنقید اور کسی فہم و تدبر کے بغیر اس طرح تسلیم کر لیا گیا کہ گویا وہ آسمان سے اتری ہوئی وحی ہیں جس پر "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" کہنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔

ہم نے مختلف تہذیبوں کا مختصراً تعارف کرایا ہے۔ اور اسلامی نظریات کو پیش کر کے ہر مکتب فکر کے اہل علم حضرات کو تقابلی مطالعے اور تقابلی مشاہدے کی دعوت دی ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ غیر جانبدارانہ فیصلہ کریں، اور نئی نسل کو ایک صالح معاشرہ دیں۔

[آج کی صورتِ حال]

[مولانا موصوف کا قابلِ ستائش مضمون آپ اوپر دیکھ چکے ہیں۔ یہاں اہم ہے کہ کچھ آج کے حالات کا بھی جائزہ لیا جائے۔ لیکن اس سے پہلے ایک نکتہ یہ عرض ہے کہ جیسا کہ مولانا موصوف نے انگریز مصنف "جارج رائیلی اسکاٹ" کی کتاب "تاریخ الفحشاء" کے حوالے سے لکھا کہ 'جنگِ عظیم کے بعد سے (غالباً دوسری جنگ مراد ہے) ایسا (فحش مواد) حیرت انگیز رفتار سے بڑھتا گیا'۔ تو یہ صرف لٹریچر نہیں بلکہ متحرک تصویریں یعنی فلموں نے اس میں بے پناہ 'ترقی' پائی۔ کسی مغربی مفکر ہی کی بنائی گئی ایک دستاویزی فلم میں اس نکتے کو بیان کیا گیا کہ فلموں میں 'ہیرو یا سپر ہیرو' کے طور پر مردوں کے بجائے عورتوں کو کیوں زیادہ (یا مردوں کے مساوی) سامنے لایا جارہا ہے، یا فلموں اور لٹریچر میں کیوں عورت کو ایک مضبوط شخصیت، فیصلہ ساز اور قوی حیثیت میں پیش کیا جارہا ہے (یہ صرف مغرب میں نہیں بلکہ اردو لٹریچر میں بھی پایا جاتا ہے اور لالی ووڈ و بالی ووڈ بھی اسی مشن پر گامزن ہیں)؟ تو اس کا جواب مذکور مغربی مفکر یہ دیتا ہے کہ عورت کو قوی دکھانے سے عورت باغی ہو جاتی ہے، وہ فطری اور معاشرتی حدود و قیود کو توڑ کر باہر نکلتی ہے جس کے نتیجے میں سب سے پہلے گھر ٹوٹتے ہیں اور پھر خاندان اور پھر معاشرے زوال پذیر ہو جاتے ہیں (اللہ پاک اس طرح کی طرزِ فکر رکھنے والے کفار کو ایمان کے نور سے نوازیں، آمین)۔

مغرب کی صورتِ حال

مغربی ممالک کی مختصر تصویر یہ ہے کہ وہاں مرد و زن کے بلا روک ٹوک اختلاط کے باوجود جنسی ہیجان نہایت زیادہ پھیل چکا ہے، فی سیکنڈ کے حساب سے امریکہ و یورپ کے معاشروں میں 'ریپ' ہو رہے ہیں، خاندانی نظام بالکل تباہ ہو چکا ہے اور جہاں ہے تو وہاں بھی محرم رشتوں تک میں یہ 'ناپاکی' در آئی ہے۔ اس ہیجان، صنفِ نازک کے استحصال اور انسانی معاشرے کے تباہ ہونے کی ایک مثال اولاً و اصلاً مغرب اور پھر ثانیاً و ضمناً مشرق میں چلنے والی 'می ٹو (#MeToo)' تحریک ہے۔ اس تحریک کے بھی دو پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہیں۔

پہلا پہلو تو یہ ہے کہ 'لاکھوں' عورتوں نے مردوں کے ہاتھوں اپنے استحصال کی کہانی سنائی۔ ان عورتوں میں ایک بڑی تعداد ان عورتوں کی بھی تھی جو بظاہر 'قوی' تھیں، جنہیں معاشرتی لحاظ سے ایسا سٹیٹس حاصل تھا کہ ان کا استحصال قریب قریب ناممکن تھا۔ یہ پہلو یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ عورت جس قدر بھی قوی ہو جائے دراصل صنفِ نازک ہی رہتی ہے۔

دوسرا پہلو جو نہایت دردناک اور قابلِ غور و فکر ہے، یہ ہے کہ اس قسم کی تحریکیں اور مہمات بجائے خود اس خرابی کا موجب ہیں جو اس مضمون کا موضوع ہے۔

ہندوستان کی صورتِ حال

۲۰۱۲ء میں دلی گینگ ریپ کیس کے بعد سے (خصوصاً، ورنہ پہلے بھی حال کچھ کم نہ تھا) ہندوستان کی صورتِ حال نہایت ابتر ہے۔ ہندوستان میں صنفِ نازک کے ساتھ بالکل ویسا کیا گیا ہے جیسا کہ مغرب میں ہوا۔ مغرب ہی کے طرز پر عورت کا یہاں استحصال ہو رہا ہے اور معاشرے کی اقدار بھی عین مغربی سی رکھی جا رہی ہیں۔ ہندوستان کا معاشرہ ہندوؤں کے غالب ہونے کے باوجود ایسا معاشرہ تھا جہاں غیر مسلم عورتیں بھی گھروں سے نکلتیں تو گھونگٹ نکال کر نکلتیں۔ جبکہ آج بازار میں، سڑک پر، چوراہے پر، دفتر میں، منڈی میں، تھیٹر میں، سنیما میں، ٹی وی پر ہر جگہ عورت ہی کو بیچا جا رہا ہے۔

بنگلہ دیش کی صورتِ حال

ذرائع ابلاغ کے مطابق آج بیس لاکھ بنگلہ دیشی عورتیں 'قحبہ گری' کی لعنت میں گرفتار ہیں۔ بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق ۹۵ فیصد بنگلہ دیشی عورتوں کو دورانِ سفر ہراس کیا جاتا ہے۔

پاکستان کی صورتِ حال

پاکستان کی صورتِ حال بھی ابتری کا شکار ہے، اس کے حوالے سے مجلّہ نوائے افغان جہاد میں گاہے بگاہے کچھ نہ کچھ آتا رہتا ہے۔ اسی ابتری کی ایک اسفل و شرمناک مثال قصور وغیرہ میں ہونے والے واقعات ہیں۔ دراصل یہ 'سانحات' قصور کی وارداتوں کی صورت میں سامنے آئے، یونیورسٹیوں میں صنفِ نازک کے ساتھ زیادتی ہو یا یہ بے چاری اور کم عقل صنفِ نازک خود کو اس کے لیے پیش کر دے، یا صنفِ نازک کے اغوا، ریپ و قتل کے دیگر واقعات ہوں یا دو ماہ قبل راولپنڈی کے بحریہ ٹاؤن میں ایک پڑھے لکھے 'چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ' کی سو کے قریب بچوں کے خلاف 'جنسی ہیجانی' وارداتیں...... یہ سب ذرائع ابلاغ، سینما، تھیٹر اور آسان فحاشی کے مراکز (سمارٹ فونز پر سہولیات)، بل بورڈز وغیرہ کے 'شاخسانے' ہیں۔

حل اور لائقِ تقلید مثال

دنیائے حاضر میں سب سے اعلیٰ مثال اس وقت افغانستان کی ہے۔ غیرت و حمیت اور عفت و حیا کی فطری صفات کے ساتھ سب سے عالی صفت دین و ایمان ہے (اور یہی افغان قوم کی اصل پہچان ہے)۔ اسی دین و ایمان پر عمل کے سبب آج پھر امارتِ اسلامیہ افغانستان، فضیلۃ الشیخ امیر المومنین مولانا ہبۃ اللہ اخندزادہ (نصرہٗ اللہ) کی قیادت میں قائم ہے۔

ایسا نہیں کہ یہ معاشرہ فرشتوں کا معاشرہ ہے جہاں خطا کی گنجائش ہی نہ ہو، بلکہ یہ معاشرہ شریعت کے ظاہر و باطن میں اور ذات و اجتماع میں نفاذ کی طرف گامزن ہے ۔ ایک ایسی معاشرت کی 'جدید جاہلی' دنیا میں ایک بار پھر داغ بیل ڈالی جا رہی ہے جہاں مرد و زن اپنے اپنے مقام پر عدل کے ساتھ ذاتی و اجتماعی زندگی میں کاربند ہوں گے۔

صالح معاشرہ، اسلامی معاشرہ ہی ہے۔ اوپر مضمون میں مولانا موصوف نے اہلِ علم حضرات کو جس معاشرے کی طرف دعوتِ فکر و عمل دی ہے وہ یہی ایمانی عقائد اور اسلامی اقدار پر قائم معاشرہ ہے۔ ضرورت ہے کہ نفاذِ شریعت کی طرف عملاً قدم اٹھایا جائے تاکہ مسلمانوں ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت کو ایک صالح معاشرہ دیا جا سکے جس میں ابا جان آدم علیہ السلام کے ہر بیٹے اور اماں جان حوا علیہا السلام کی ہر بیٹی کی عصمت و عفت محفوظ ہو۔

اللہ سے بغاوت کے سبب جن خزاؤں سے اہلِ دنیا دوچار ہیں، اللہ پاک ان خزاؤں کو جلد دور فرما دیں اور شریعتِ مطہرہ کی بہاریں دکھائیں، آمین۔]

★★★★★

بقیہ: ناموسِ رسالت کسی خاص مکتبۂ فکر کا مسئلہ نہیں!

ان کے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ پس جان لینا چاہیے کہ تحفظِ ناموسِ رسالت عین توحید ہے اور اس پر ایمان ویقین کے ساتھ عمل درآمد کے بغیر ہمارا عقیدۂ توحید نامکمل رہتا ہے۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی حرمت پر
خدا شاہد ہے، کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا!

بقیہ: آخرِ شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ

رات کے تیسرے پہر بھی لوگ کئی کلومیٹر کی قطار میں دھیرے دھیرے آگے سرکتے چلے آتے تھے...... بہرحال اس نظم وضبط سے بہت بڑی تعداد کا دیدار کرنا ممکن ہو گیا۔

تصاویر سے عام حالات میں بچنے کی کوشش ہی ہوتی ہے لیکن یہ عام حالات تو نہ تھے۔ حافظ وقاص سے کہا دو تین تصاویر میری بھی لے لو بھائی! کبھی ہم بھی کہہ سکیں گے عشق کی انتہا کرنے والوں کو بچشم سر دیکھ رکھا ہے...... ایک بار بڑی مشکل سے ہمت جمع کی اور شہید کی میت کے ساتھ جا کر کھڑا ہوا، نگاہیں اٹھانا محال تھا کہ ایک نام کا عاشق کام کے عاشق کے سامنے تھا...... راضی برضا سراپا اطمینان چہرہ تو کس نے نہیں دیکھا لیکن براہ راست رخ روشن کے سامنے کھڑے رہنا...... یہ آسان نہ تھا!!! میں تو ایک نظر دیکھنے گیا تھا لیکن شہید کے پاؤں میں بیٹھنا اور پاؤں چومنے کی سعادت بھی اللہ نے نصیب فرما دی...... والحمدللہ!

درحقیقت اس رات کے تذکرے اقلیمِ سخن سے ماورا ہیں...... بس تب بھی اور اب بھی اور جب کبھی بھی یہ ذکر چھڑے گا ذریعۂ اظہار اشکوں کا امڈتا سیلاب اور سسکیوں بھری دعاؤں کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا!!! کاش میرے پاس کسی ابوالکلام یا شورش کا قلم ہوتا جس سے اس مبارک رات کے ذکر کا کچھ تو حق ادا ہو سکتا...... کاش!

[یہ واضح کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ تحریر لکھنے والے صاحب سلفی مسلک کے پیروکار ہیں۔ (ادارہ)]

یومِ بے حیائی

قاضی ابو احمد

کفار، منافقین اور مستشرقین وغیرہ مسلمانوں کو ان کے مسلمان ہونے پر احساسِ کمتری میں مبتلا کرنے اور غیر مسلموں کو اسلام کی طرف متوجہ نہ ہونے دینے کے لیے اسلام کی جو بگڑی ہوئی تصویر پیش کرتے ہیں اس کے بنیادی سلوگنز حدود، عورت کا پردہ (عفت اور حیا) اور تفریحات ہیں۔ تفریح کے نام پر مغرب کے یہاں سے جو کچھ درآمد ہوا ہے اس میں سے ایک ویلنٹائنز ڈے نامی خرافات بھی ہے۔

ویلنٹائنز ڈے کا کچھ تذکرہ تو سنا تھا مگر اس کی تباہ کاریوں کا کماحقہ علم نہ تھا۔ جب دین کی کچھ نا کچھ سمجھ آنی شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ دراصل مسلمانوں کے اپنے دین اور اپنی اقدار پر فخر نہ کرنے بلکہ الٹا ان پر گھگیانے کا نتیجہ ہے کہ مسلمان آج اپنی شناخت سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اغیار کی تقلید میں کچھ ایسے بڑھے کہ اپنا دین، اپنی غیرت و حمیت، اپنی عزت و وقار تک کھو بیٹھے اور جہاں ہم نے ملعون ڈارون کا یہ نظریہ اپنی زندگی پر چسپاں کیا کہ بندر ارتقائی مراحل طے کرتا کرتا حضرتِ انسان بن گیا، وہاں ہم نے پھر بندروں کی بے سوچے سمجھے نقالی والی خصوصیت بھی اس ڈارونی نظریے کو تقویت دینے کی خاطر اپنالی۔ ایک حکایت ہے کہ ایک درخت کے نیچے ایک بڑھئی لکڑی چیر کر فرنیچر بنایا کرتا تھا۔ اسی درخت پر ایک بندر بیٹھا بڑھئی کو کام کرتے دیکھا کرتا اور دل ہی دل میں سوچتا کہ میں بھی بڑھئی کی طرح لکڑی چیروں۔ ایک روز بڑھئی کسی کام سے گیا اور لکڑی کے ایک بڑے تنے کے بیچ، جسے وہ آدھا چیر چکا تھا، اپنا آلہ پھنسا گیا۔ بندر نے شوق میں آکر چھلانگ لگائی اور بڑھئی کی جگہ آن بیٹھا۔ عقل تو بندر جتنی ہی تھی، سو اب جو تنے کے بیچ سے وہ آلہ کھینچا تو اپنا ہاتھ تنے کے آدھے چیرے حصوں کے بیچ پھنسا بیٹھا۔ پھر جب تک بڑھئی واپس آیا بندر اپنی جان سے جا چکا تھا۔ پس امت مسلمہ بھی کچھ اسی قسم کی نقالی کی کوششوں میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا بیٹھی ہے۔ اپنے رب کا پسند کردہ دین چھوڑ کر اگر ہم نے غیروں کی نقالی میں فلاح، عزت اور ترقی تلاش کرنی شروع کی تو ہمارا انجام سوائے گمراہی اور دنیا و آخرت کی ذلت کے کچھ نہ ہو گا۔

اسلام اللہ رب العزت کا عطا کردہ ایسا دین ہے جو اپنے پیروکاروں کو گھونٹ کر نہیں رکھتا بلکہ ہر مرد و زن کے لیے جائز حدود میں طنز و مزاح، ہنسی مذاق، تفریح اور خوشی منانے کے بھرپور مواقع فراہم کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کا کرتب دکھانا، انہیں انصار کی بچیوں کے ساتھ کھیلنے سے نہ روکنا، ان کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کرنا اور پھر پاکیزہ محبت کا اظہار ان الفاظ میں کرنا کہ جب پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو انسانوں میں سب سے محبوب کون ہے؟ تو برملا فرمایا، عائشہ...... یہ سب وہ پاکیزہ تفریحات اور محبت کے اظہار ہیں جنہیں اللہ رب العزت نے نہ صرف جائز بلکہ محمود قرار دیا ہے۔ اللہ رب العزت پاک ہے، طیب ہے اور پاکیزگی ہی کو پسند فرماتا ہے، اسی کا ہی حکم دیتا ہے اور اسی کو قبول فرماتا ہے، جبکہ شیطان فحاشی اور عریانی کا، بے حیائی اور گناہ کا سبق دیتا ہے۔ اللہ رب العزت اپنی مغفرت اور جنت کی طرف بلاتا ہے اور شیطان اور اس کے وہ چیلے، جن کی تم نقالی کرنے چلے ہو، برائی اور گناہ کی طرف اور جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔

پاکستان میں ویلنٹائنز ڈے منانے کا عمومی آغاز ۱۹۹۰ء کی دہائی میں ہوا۔ ویلنٹائنز ڈے، یعنی عریانی، فحاشی اور بے حیائی کا عالمی دن۔ اس دن کی تاریخ میں جانے کی ضرورت یوں نہیں کہ یہ بچے بچے کو ازبر ہے۔ مگر اس کا مقصد کیا ہے؟ کیا اس دن اور بسنت جیسے دنوں کے منانے کا مقصد 'بے ضرر' سی تفریح اور 'خالص' محبت کا اظہار ہے؟ ہرگز نہیں! اگر ایسا ہی ہوتا تو جائز و شرعی محبتوں کو اظہار کے لیے کسی خاص دن کی کیا ضرورت ہوتی؟ پھر تو جائز و پاکیزہ رشتے میں بندھے میاں بیوی کا ہر دن ہی ویلنٹائنز ڈے ہو سکتا ہے اور یہ محبت کا اظہار مطلوب و محمود بھی ہے۔ پھر خواہ وہ ایک دوسرے کو گلاب پیش کریں، تحائف دیں یا چاکلیٹیں، کس نے منع کیا ہے۔ مگر اس دن کے منانے کا واحد مقصد ناجائز آشنائیوں اور تعلقات کو فروغ دے کر عفت اور حیا کا جنازہ نکالنا ہے۔ وہ لڑکی جو خاص اس دن سرخ رنگ میں ڈوبی باہر نکلتی ہے وہ بے حیائی کا چلتا پھرتا اشتہار ہے کہ ہاں! میرے لڑکوں سے تعلقات ہیں اور میں ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اظہار کرتی ہوں۔ جسے وہ اظہارِ محبت سمجھ رہی ہوتی ہے وہ دراصل اظہارِ شہوت ہوتا ہے، وہی شہوت جو حلال رشتے میں بندھے میاں بیوی کے لیے تمہیں قبول نہیں اور جس کے خلاف تم پلے کارڈز اٹھائے سڑکوں پر اچھلتی پھرتی ہو۔ وہ عورت جو مردوں کے شہوانی جذبات کی تسکین کی خاطر ان کے پھیلائے جال میں جا پھنستی ہے اور زبان سے کہے چند 'شوگر کوٹڈ' غلیظ جملوں کے تر نوالے پر پھسل جاتی ہے، وہ دراصل اس مچھلی کی طرح ہے جو شکاری کی کنڈی میں لگے جھینگے کو خوراک سمجھ کر لپکتی ہے اور خود ہی شکار ہو جاتی ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھنا چاہتی کہ اس کا ایک لمحے کے لیے پھسل جانا اسے اس کھائی میں دھکیل دے گا جہاں محض حسرت و ندامت ہی اس کی منتظر ہو گی۔

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ النور: ۱۹)

”یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

ایک عالم فرماتے ہیں کہ ”آیت کے الفاظ فحش پھیلانے کی تمام صورتوں پر حاوی ہیں۔ ان کا اطلاق عملاً بدکاری کے اڈے قائم کرنے پر بھی ہوتا ہے اور بداخلاقی کی ترغیب دینے والے اور اس کے لیے جذبات کو اکسانے والے قصوں، اشعار، گانوں، تصویروں اور کھیل تماشوں پر بھی۔ نیز وہ کلب اور ہوٹل اور دوسرے ادارے بھی ان کی زد میں آجاتے ہیں جن میں مخلوط رقص اور مخلوط تفریحات کا انتظام کیا جاتا ہے“۔

صاحبِ تفسیر روح القرآن اس آیت کے تحت واضح کرتے ہیں کہ واقعۂ افک دراصل جہاں کاشانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر براہ راست حملہ تھا وہیں یہ مسلمانوں کے امتیازی وصف، ان کے بلند اخلاق و پاکیزہ کردار پر ضرب لگانے کی مذموم کوشش تھی۔ اور اس منصوبے کے روحِ رواں یہودی تھے۔ فرماتے ہیں: ”انھوں نے سوچا کہ اگر ہمارا یہ منصوبہ کامیاب ہو جاتا ہے تو اس سے مسلمان معاشرے میں بے حیائی کی ایک لہر اٹھے گی، زبانیں بے روک ہوں گی، منافقین کو کھل کھیلنے کا موقع ملے گا، کسی گھر کی عزت اور اس کا اعتماد باقی نہیں رہے گا، بے حیائی کی باتیں جب زبانوں تک پہنچیں گی تو دلوں تک اترنے میں دیر نہیں لگے گی۔ اس طرح سے مسلمانوں کا وہ اخلاقی تفوق بہت حد تک کمزور پڑ جائے گا...... اندازہ کیجیے کہ بے حیائی پھیلانا، نوجوانوں کو بدراہ کرنا، صنفِ نازک کو نسوانیت سے محروم کرنا، مرد وزن کے آزادانہ اختلاط اور بے حیائی کے محرکات سے سفلی جذبات کو فطری جذبات کی صورت دے دینا، یہ آج کے دور کی گمراہیوں میں سے ایک اہم گمراہی ہے اور جس کے پھیلانے بلکہ نافذ کرنے میں حکمران اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ جو کام کبھی یہود منافقین سے لیتے تھے، آج وہی کام یہ جدید منافقین سرانجام دے رہے ہیں“۔

پوری مسلم دنیا پر ایک نظر ڈال کر دیکھیے۔ پولیو مہم کی طرح ہر جانب ایک مہم کی طرح بے حیائی اور فحاشی پھیلائی جا رہی ہے۔ اس اشاعت فحش میں پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا سب ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں ہیں۔ بعض چینلز کا تو واحد نکاتی ایجنڈا ہی اشاعتِ فحش ہے۔ معاشرے میں جابجا پھیلی برائی دیکھ دیکھ کر نگاہیں اور دل اس کے اتنے عادی ہو جاتے ہیں کہ اس کی کراہت تک دل سے نکل جاتی ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ جب کوئی نیا واہیات فیشن آتا ہے تو شرفاء کی جانب سے اسے قبول نہیں کیا جاتا، مگر جب وہ معاشرے میں عام ہو جاتا ہے اور آنکھیں اسے دیکھنے کی عادی ہو جاتی ہیں تو شریف گھرانوں کی بہو بیٹیاں بھی اسے قبول کر لیتی ہیں۔ مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”آج کل ہر وقت، ہر جگہ، ہر سڑک، ہر اسٹیشن پر عریانی اتنی بڑھ گئی ہے اور بے پردگی ایسا فیشن میں داخل ہو گئی ہے کہ اب مسلمان خواتین کو بھی بے پردگی سے شرم نہیں آتی“۔ اسی طرح ویلنٹائنز ڈے کا معاملہ بھی ہے۔ کالجوں میں آئے دن یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ جس بات کا آغاز سہیلیوں کے مابین 'بے ضرر' سے چاکلیٹ کیک، پھول اور تحائف کے تبادلے سے ہوتا ہے اس کا انجام پھر کالج کے گیٹ سے باہر ہوٹلوں اور کلبوں میں نظر آتا ہے۔ پھر برائی کو اتنا مزین کر کے پیش کیا جاتا ہے کہ کئی روز پہلے سے ہی ٹیلی ویژن پر موبائل کمپنیوں، آئس کریموں، چاکلیٹوں کے اشتہارات اس کی تشہیر شروع کر دیتے ہیں۔ اخبارات کے پورے پورے صفحات پورے ہفتے کے لیے 'محبت کے پیغامات' کے لیے مختص کر دیے جاتے ہیں، اور پھر 'پوری رات، لمبی بات' کے وہ وہ تباہ کن نتائج سامنے نظر آتے ہیں کہ الامان الحفیظ۔ یہ دن دراصل دلوں اور ذہنوں سے عفت، حیا، شرم اور پاکیزگی کا جنازہ نکالنے کا دن ہے۔ محبت کے پیغامات کی بجائے تعزیتی پیغامات بھیجنے کا دن ہے۔ انڈیا جیسے سیکولر ملک میں بھی قدامت پسند جماعتیں اس دن کے منانے کے خلاف ہیں اور اسے خاندانی نظام، اخلاق اور کردار کے منافی قرار دیتی ہیں۔ البتہ سعودی عرب، جہاں نہ صرف اس دن کا علانیہ منانا ہمیشہ ممنوع رہا ہے، بلکہ اس سے متعلق سامان کی خرید و فروخت پر بھی جرمانے اور پابندی عائد رہی ہے، گمان یہ ہے کہ وژن ۲۰۳۰ء کے تحت اس مرتبہ یہ دن وہاں بھی شہوانی جوش و جذبے کے ساتھ منایا جائے گا۔

ایک زمانہ تھا کہ جب بدکاری محض بدکاری کے اڈوں تک ہی محدود ہوا کرتی تھی اور وہاں جانے والے افراد چوری چھپے رات کی تاریکی میں یوں وہاں جاتے کہ کسی کو کان و کان خبر نہ ہو پاتی۔ مگر اب تو حال یہ ہے کہ ہر جگہ ہی بدکاری کے اڈے کھلے ہیں۔ اوپن مارکیٹ ہے۔ جس کا جی چاہے نگاہیں سینکنے پر اکتفا کرے اور جو چاہے اس سے آگے بڑھ کر ناجائز دوستیاں لگائے اور 'پر لطف لمحات' کا لطف اٹھائے۔

مسلمان عورت کو اللہ رب العزت نے نہایت عزت، شان اور بلند مرتبہ عطا کیا ہے، مگر وہ اس کی قدر نہیں جانتی۔ اس شان کو چھوڑ کر جب وہ مغربی عورت کی تقلید میں تمام حیا و شرم بالائے طاق رکھتے ہوئے گھر سے قدم باہر نکالتی ہے تو بکاؤ مال بن جاتی ہے۔ اسلام نے ضرورت کے تحت عورت کو گھر سے باہر نکلنے اور کام کرنے سے منع نہیں کیا، مگر اس کی واضح حدود متعین کر دیں جو معاشرے کو پرامن رکھنے میں معاون ہیں۔ کہاں تو وہ دور تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باجماعت نماز کے لیے مسجد آنے والی خواتین کو کماحقہ احتیاط برتتے نہ دیکھا تو ان کے مسجد نبوی آنے پر پابندی لگا دی۔ حالانکہ وہ خواتین کون تھیں؟ صحابیات اور ان کے بعد آنے والی حیادار خواتین تھیں۔ اور اب یہ حال ہے کہ نمازِ عید یا تراویح وغیرہ کی ادائیگی کے لیے بھی جب مرد حضرات جاتے ہیں تو بہ مشکل اپنا ایمان بچا کر واپس آتے ہیں۔

ایک عورت جب بن سنور کر، سرخ جوڑا پہن کر، ہوس پرست نگاہوں کو دعوتِ نظارہ دیتی باہر نکلتی ہے تو گویا اس پر 'فار سیل' کا ٹیگ لگا ہوتا ہے کہ جو چاہے اس سے استفادہ کرے۔ وہ بال، وہ چال، وہ جسم، وہ آواز، وہ خوشبو... جسے سب کی نگاہوں سے، سب کے کانوں سے بچا کر رکھنا تھا، اب اس کی طرف سب کی انگلیاں اٹھتی ہیں، نگاہیں ہر زاویے سے طواف کرتی ہیں اور پھر...... پھر وہ ہوتا ہے جسے آپ 'زیادتی' کہتے ہیں۔ (باقی صفحہ نمبر 47 پر)

مادر پدر آزادی

محمد سعید حسن

ہزاروں خواہشیں ایسی

جنسی آزادی کے حامیوں کو یہ غم کھا رہا ہے کہ نوجوانی میں آخر کیوں اتنی پابندیاں لگائی جاتی ہیں۔ آخر انٹر ٹینمنٹ (entertainment) کے حق سے نوجوانوں کو محروم کیوں کیا جاتا ہے۔ ذرا سی چوما چاٹی اور اچھل کود سے آخر کون سا طوفان آجانے والا ہے۔ زیادہ سے زیادہ حمل ٹھہر سکتا ہے تو ابارشن کی سہولت ہسپتالوں میں میسر ہے۔ اس سے بھی معاملہ آگے نکل جائے تو ایدھی کے پنگوڑے کس کام کے ہیں اور اگر کہیں وہ نہ لگے ہوں تو میونسپلٹی کے کوڑے دان تو موجود ہی ہیں۔ پھر اسی پر بس نہیں! بلکہ اس طرح کا نقشہ کھینچنے والے کو الٹا الزام دیا جاتا ہے کہ ملک میں جنسی تعلیم کی کمی کی وجہ سے حمل وَلَد ہو جاتے ہیں ورنہ صحیح تعلیم دی گئی ہوتی تو کونڈم اور گولیوں ہی سے قصہ پاک ہو چکا ہوتا۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

ان کے دلوں میں ناتمام خواہشات کا "طلسم ہوشربا" جب زور مارتا ہے تو کبھی کہتے ہیں کہ عورت کے نظارے سے محروم کر دینے کی وجہ سے ہم جنسیت پھیلتی ہے۔ سچ ہے جب خواہش زور مارتی ہے تو عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں! مغرب میں کون سی 'پردہ داری' ہے جہاں ہم جنسیت دنیا میں سب سے زیادہ ہے؟! کبھی کہا جاتا ہے کہ عریانی ہی ستر بن جاتی ہے۔ جبھی سورج غروب ہوتے ہی امریکہ اور یورپ کے شہر شکار گاہیں بن جاتے ہیں۔ جہاں فی سیکنڈ کے حساب سے ریپ ہوتے ہوں وہاں اس عریانی کے "ستر" کے کیا ہی کہنے!! یہ عریانی والا ستر بھی کمال ہے کہ مغرب میں سب سے زیادہ کمائی والے پیشوں میں ایک سائیکاٹرسٹ (نفسیاتی معالج) بھی ہے اور سائیکاٹرسٹ کے پاس اکثر کیس incest (محرم رشتوں سے زنا) کے آتے ہیں۔ چھ سال، آٹھ سال، گیارہ سال، سولہ سال کے لڑکے اور لڑکیاں اپنے باپوں، چچاؤں، بھائیوں اور ناناؤں داداؤں کے ہاتھوں زیادتی کا شکار (molest) ہو کر سائیکاٹرسٹ کا روزگار چلاتے ہیں۔ ایسے "مہذب" معاشرے کی جنسی آزادی کی یہ سوغات یہ جنسی بھیڑیے ہمیں بھی کھلانے پر مصر ہیں۔

شریعت مرد اور عورت کے تعلق کو نہ تو کوئی غلیظ شے بتاتی ہے اور نہ ہی زندگی کا کوئی واحد مقصد۔ یہ تو اسے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بتاتی ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ○ (سورۃ الروم: ۲۱)

"اور اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان کے پاس جا کر سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات رکھ دیے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔"

شریعت اس تعلق پر ذرّہ بھر بھی کوئی نامناسب پابندیاں نہیں لگاتی بلکہ صرف اس کے حد سے نکل جانے کو روکتی ہے اور اس کے لیے نکاح کا طریقہ اپنانے کا کہتی ہے۔ یوں اسے channelize کرتی ہے، اسے راستہ دکھاتی ہے نا کہ اسے روک ہی دیتی ہے۔ شریعت ایک راہ دکھاتی ہے کہ درست ترین راستہ نکاح کا راستہ ہے۔ جو لوگ آزادانہ جنسی تعلقات کو پروموٹ کرنا چاہتے ہیں وہ دراصل نفسیاتی مریض ہیں۔ جیسے جانور میں حُسن کو سراہنے کا شعور نہیں ہوتا اور اسے صرف چَرنے سے غرض ہوتی ہے؛ چاہے وہ کوئی پھولوں کی کیاری ہو یا چارے کا ڈھیر! اسی طرح سے ان انسان نما حیوانوں کو بھی جنس کی چاٹ لگی ہے چاہے وہ اسے پورا کرنے میں مقدّس انسانی رشتوں کو ہی چَر جائیں!!

انگوٹھا چوس فلسفی

جنسی آزادی کا مطالبہ خود بخود اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آزادانہ جنسی تعلقات کی خواہش مند خواتین بھی معاشرے میں موجود ہوں۔ فطری طور پر مرد جنسی طور پر عورت سے زیادہ متحرک ہوتا ہے۔ اس بات کا منطقی (logical) نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے جنسی تعلقات کے خواہش مندوں کی اکثریت مردوں کی ہوگی نا کہ خواتین کی اور حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے۔ چنانچہ اکنامکس (معاشیات) کے اصول کے مطابق demand and supply (طلب اور رسد) کے اس فرق کو پورا کرنے کے لیے معاشرے میں قحبہ گری (prostitution) کی انڈسٹری خود بخود پیدا ہو جائے گی۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ معاشرے میں طوائفوں کی موجودگی حرام کاری جیسی اہم "معاشرتی" ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نہایت اہم ہوگی۔[1] اس "مقدّس" فریضے کو سرانجام دینے کے لیے یہ بھی ضروری ہوگا کہ ان کے لیے 'سیکس ورکرز' کا ایک عدد باعزّت نام تجویز کر دیا جائے اور ان کے "حقوق" غصب کیے جانے کی صورت میں انہیں تحفّظ فراہم کرنے کے لیے قانون سازی کی جائے۔ مردوں کے ہجوم میں گھرے، معاشرے کے اس اہم لیکن vulnerable طبقے کو اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے جماعت سازی کی اجازت بھی ہوگی تاکہ ان جماعتوں، انجمنوں اور کلبوں کے ذریعے سے یہ

---

[1] 'غامدی' کی رائے اس معاملے میں یقیناً اہم ہوگی، اس کا متبع خورشید ندیم تو brothels کے جواز کا قائل ہے ہی!

لوگ اور بہت سی "دبی" ہوئی خواتین کو "آزادی" کی راہ دکھانے کا نیک فریضہ ادا کر سکیں۔ یوں معاشرے کی "مثبت تعمیر" میں یہ اپنا خون پسینہ بہا کر حصہ لیں گی!

قحبہ گری (prostitution) کی یہ انڈسٹری پھر دنیا بھر سے نوجوان لڑکیوں اور نابالغ بچیوں کو اسمگل کرنے کا دروازہ بھی کھولتی ہے۔ ان لڑکیوں کو اغوا کر کے فروخت کیا جاتا ہے اور یہ جدید مغربی تہذیب کے پھلوں میں سے ایک پھل ہے۔ قحبہ گری کی منڈی کا سب سے بڑا خریدار امریکہ ہے۔ دنیا بھر سے خواتین کو اغوا کر کے امریکہ لایا جاتا ہے۔ جنسی آزادی کے نعرے کے پھلوں میں سے ایک سیکس ٹریفکنگ بھی ہے۔ جنسی آزادی کا نعرہ خواتین کی بدترین exploitation ہے۔ جنسی آزادی کے حمایتی خواتین سے یہ ظلم کر لینے کے بعد ان کے حقوق کے ٹھیکیدار بھی بننے کے لیے تیار رہتے ہیں بلکہ خواتین کی ہمدردی کے جملہ حقوق انہوں نے اپنے نام کروا رکھے ہیں۔ دیدہ دلیری کی کوئی اونچی ترین نشست ہوگی جس پر یہ 'حضرات' براجمان ہیں۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

جو طبقہ یہ چاہتا ہے کہ جنسی آزادی عام ہو وہ پورے معاشرے کو جہنم بنا دینا چاہتا ہے اور ملک کو نفسیاتی اور جسمانی مریضوں کا معاشرہ اور جنسی غلاموں کی منڈی بنا دینا چاہتا ہے۔ یہ نعرہ صرف اس لیے بلند کیا جاتا ہے تاکہ شریعت کو گھٹن اور پابندیوں والا بنا کر پیش کیا جائے۔ ان کے خیال میں اس طرح کے نعرے لگانے سے جیسے شریعت کا حسن جاتا رہے گا!! عربی مقولہ ہے کہ عواء الکلب لا یظلم البدر: کتوں کے بھونکنے سے چودھویں کا چاند گہنا نہیں جاتا!

سچ تو یہ ہے کہ جو شخص ذرا سی بھی سوجھ بوجھ رکھتا ہو وہ ان ہوس زدہ نعروں کے پیچھے موجود طوفان کو دیکھ لیتا ہے۔ ان نعروں سے جنسی جذبات کو بھڑکا کر سستی شہرت اور عوامی توجہ حاصل کرنے کے علاوہ یہ انگوٹھا چوس فلسفی اور پیش بھی کیا کر سکتے ہیں!!

بقیہ: یومِ بے حیائی

اگر آپ اپنا قیمتی مال بیچ چوراہے پر رکھ دیں گے تو پھر اس کے چوری ہو جانے کی صورت میں کس طرح آپ کسی اور کو اس کا الزام دے سکتے ہیں؟ مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میرے شیخ و مرشد مولانا شاہ ابرار الحق صاحب فرماتے ہیں کہ تم آدھا کلو گوشت لے کر چلتے ہو تو تھیلے میں اندر رکھتے ہو تاکہ چیل اس کو اُڑا نہ لے جائے، گھر میں آدھا کلو دودھ رکھتے ہو تو ڈھک کے رکھتے ہو کہ بلی نہ پی جائے اور روٹیاں رکھتے ہو تو ڈھک کے رکھتے ہو کہ چوہے نہ کتر لیں۔ تو چوہوں سے روٹیوں کی حفاظت ضروری، بلی سے دودھ کی حفاظت ضروری، چیلوں سے گوشت کی حفاظت ضروری اور جیب کتروں سے نوٹوں کی حفاظت ضروری ہے تو کیا جوان بیٹیوں اور جوان بہوؤں کی حفاظت ضروری نہیں ہے؟"۔

اس اختلاط و بے پردگی کا نتیجہ معاشرے میں فساد، بدامنی اور بے سکونی کی صورت میں نظر آرہا ہے۔ جو مرد صبح گھر سے نکلتا ہے اور شام کو گھر میں داخل ہوتا ہے وہ سارا دن دفتر میں، سڑک پر، پبلک ٹرانسپورٹ میں، بل بورڈز پر، اخبارات و رسالوں میں، انٹرنیٹ اور ٹی وی پر جابجا مادر پدر آزاد عورتوں کو دیکھ دیکھ کر اس قدر ذہنی دباؤ کا شکار ہو چکا ہوتا ہے کہ کچھ عرصے میں وہ باقاعدہ ذہنی مریض بن جاتا ہے۔ اگر وہ غیر شادی شدہ ہو تو اس کے پاس واحد حل ناجائز حرکتوں میں مبتلا ہو کر اپنا ایمان، صحت اور زندگی داؤ پر لگانا ہے، کیونکہ شادی کو اس قدر مشکل اور مہنگا جو بنا دیا گیا ہے اور اگر شادی شدہ ہو تو گھر میں بیٹھی بیوی اسے اتنی رنگینیوں کے سامنے پھیکی اور بے کشش نظر آتی ہے، پھر وہ دن بھر کا ذہنی دباؤ بیوی بچوں کو مار پیٹ کر اور ڈانٹ ڈپٹ کر نکالتا ہے، جس سے گھر کا ماحول خراب ہوتا ہے، بچوں کی شخصیت پر برا اثر پڑتا ہے، عورت الگ مایوس ہوتی ہے، اور یہی شخص جب اگلے دن پھر ان مراحل کو سر کرنے روانہ ہوتا ہے تو وہ کسی سے بس میں بھڑتا ہے، کسی سے دفتر میں لڑتا ہے اور بک جھک کر اپنی نوکری سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ پھر آپ کو وہ خبریں سننے کو ملتی ہیں کہ فلاں جگہ معصوم بچوں اور بچیوں سے زیادتی کی گئی، فلاں جگہ لڑکی کی مسخ شدہ لاش برآمد ہوئی جس سے زیادتی کی گئی تھی، اور اگر کسی پر بس نہ چلا تو ریل کی پٹری پر سر رکھا، یا زہر کھالیا۔ کسی کی جان گئی، آپ کی ادا ٹھہری۔ بے پردہ باہر نکلنے والی عورت اسے اپنا ذاتی فعل سمجھتی ہے جبکہ اس کا یہ عمل کتنے افراد اور کتنے گھروں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے، وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے "إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ" (صحیح بخاری)، یعنی "جب تم حیا نہ کرو تو جو جی چاہے کرو"۔ پس حیا ہی دراصل وہ سپیڈ بریکر ہے جو نفسِ انسانی کو قابو میں رکھتی ہے۔ حدیث کے مطابق حیا ایمان کا حصہ ہے اور حیا اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ رہتے ہیں، جب ان میں سے کوئی ایک رخصت ہوتا ہے تو دوسرا خود بخود رخصت ہو جاتا ہے۔ پس ہم سب اپنے اپنے ایمان کی فکر کریں اور اپنے قلوب و اعمال میں حیا پیدا کریں۔ ایک اصلاحی مجلس میں جب بعض خواتین نے بے حیائی کی زندگی گزارنے پر پچھتاوے کا اظہار کیا کہ اب کیا کریں اب تو حیا کا دامن چھوڑ دیا، تو صاحبِ مجلس نے کہا کہ حیا ایسی چیز ہے جو دوبارہ بھی اُگ سکتی ہے۔ گویا یہ ایک پودے کی مانند ہے۔ اگر دل میں ایمان کا بیج موجود ہے تو حیا ایمان ہی کی تو شاخ ہے، اس بیج کی مناسب نشوونما کرو، دل اور اس میں آنے والے خیالات اور نگاہوں کی حفاظت کرو تو حیا خود بخود اُگ آئے گی۔ اللہ رب العزت ہم سب کو باحیا بنائے اور ہمیں اپنے رب سے حیا کرنے والا بنا دے، آمین۔

سبحانک اللھمّ وبحمدک نشھد أن لا إله إلا أنت نستغفرک ونتوب إلیک

ویلنٹائنز ڈے...... تاریخ اور حکمِ شرعی

ترتیبِ جدید: یحییٰ اسماعیل

یہ تحریر، عالمِ عرب کے ممتاز عالمِ دین، شیخ محمد صالح المنجد حفظہ اللہ کی ویب سائٹ پر موجود فتاویٰ سے ماخوذ و مرتب شدہ ہے جسے معمولی کمی بیشی کے بعد ترتیبِ جدید کے ساتھ شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔
شیخ محترم کو اس وقت جزیرۃ العرب پر قابض یہودیوں اور عیسائیوں کے ایجنٹ، بدطینت و بدخصلت اور فاشی و عریانی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن میں فروغ دینے والے 'محمد بن سلمان' نے 'جرمِ اشاعتِ اسلام' میں قید کر رکھا ہے۔ اللہ پاک شیخ محمد صالح المنجد کو ایمان پر استقامت کے ساتھ رہائی عطا فرمائیں، آمین۔ (ادارہ)

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ......

''تم سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تم ان کے مذہب کے تابع نہ بن جاؤ۔'' (سورۃ البقرۃ: ۱۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے 'تم اپنے سے پہلی امتوں کے طریقوں کی ضرور بالضرور پیروی کرو گے، بالشت در بالشت، ہاتھ در ہاتھ، حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے بل میں داخل ہوں گے تو تم بھی ان کی پیروی میں اس میں داخل ہو گے'، صحابہ نے کہا 'اے اللہ کے رسولؐ! کیا یہود اور نصاریٰ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'پھر اور کون؟!' (صحیح بخاری)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''مَن تَشَبَّهَ بِقَومٍ فَهُوَ مِنهُم''، 'جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ انہیں میں سے ہے'۔ (مسندِ احمد)

قارئین کرام! رب کریم کا ہم پر لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ ہمیں اس دنیائے آب و گل میں پیدا کرنے کے بعد ہماری رشد و ہدایت کے لیے انبیا و رسل کا سلسلہ جاری کیا، جو حسبِ ضرورت وقتاً فوقتاً ہر قوم میں خدائی پیغام کو پہنچاتے رہے اور اس سلسلۂ نبوت کی آخری سنہری کڑی احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کسی خاص قوم کے لیے نہیں، بلکہ ساری انسانیت کے لیے رشد و ہدایت کا چراغ بن کر آئے، جنھوں نے راہِ ہدایت سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراطِ مستقیم کی روشن شاہراہ پر لا گامزن کیا، اور تیئیس سالہ دورِ نبوت کے اندر ربِّ کریم نے دین کو مکمل کر دیا اور یہ فرمان جاری کر دیا کہ

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (سورۃ المائدۃ: ۳)

''آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔''

یہ آیتِ کریمہ حجۃ الوداع کے موقع پر جمعہ کے دن عرفہ کی تاریخ کو نازل ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے شریعت کی تکمیل کا اعلان کر دیا گیا، لہٰذا اب دین میں کسی کمی و زیادتی کی ضرورت باقی نہ رہی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ 'لوگو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے، ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت (یعنی حدیث)'۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چند مہینوں کے بعد انتقال ہو گیا، اور لوگ چند صدیوں تک دین کی صحیح شاہراہ پر قائم رہے یہاں تک کہ خیر القرون کا دور ختم ہو گیا، اور رفتہ رفتہ عہدِ رسالت سے دوری ہوتی گئی اور جہالت عام ہونے لگی اور دین سے لگاؤ کم ہوتا گیا۔ مختلف گمراہ اور باطل فرقے جنم لینا شروع ہو گئے، یہود و نصاریٰ اور اعدائے اسلام کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ تیزی پکڑتا گیا اور بہت سے باطل رسم و رواج اور غیر دینی شعائر مسلمانوں نے یہود و نصاریٰ کی اندھی تقلید میں اپنانا شروع کر دیے۔

چنانچہ انہی باطل رسوم و رواج اور غیر دینی شعائر میں سے ویلنٹائنز ڈے یا محبت اور عشق و عاشقی کا تہوار ہے، جس کو موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ (انٹرنیٹ، ٹیلی ویژن، ریڈیو، اخبارات وجرائد) کے ذریعہ پوری دنیا میں بڑے ہی خوشنما اور مہذب انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جس میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا باہم سرخ لباس میں ملبوس ہو کر گلابی پھولوں، عشقیہ پیغامات، چاکلیٹ اور مبارکباد وغیرہ کے تبادلے کے ذریعے عشق و محبت کا مادر پدر آزاد و بے حیا اظہار ہوتا ہے، اور بے حیائی و فحاشی اور زناکاری کے راستوں کو ہموار کیا جاتا ہے۔ نیز رومیوں اور عیسائیوں کے باطل عقیدے اور تہوار کو فروغ و تقویت دی جاتی ہے، اور مسلمان کافروں کی اندھی تقلید کر کے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب و ناراضگی کا مستحق بن جاتے ہیں۔

آیئے ہم آپ کو اس تہوار کی حقیقت و پس منظر اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے حکم کے بارے میں بتاتے چلیں تاکہ بے حیائی کی یہ رسم جو مسلم معاشرے میں ایک ناسور کی طرح پھیلتی چلی جا رہی ہے، اور نوخیز عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں کو فحاشی و زناکاری کی طرف دعوت دے رہی ہے، اس کا علاج اور خاتمہ ہو سکے۔

ویلنٹائنز ڈے کا پس منظر

ویلنٹائنز ڈے رومی بت پرستوں کے تہواروں میں سے ایک تہوار ہے، جبکہ رومیوں کے یہاں بت پرستی زمانہ قبل مسیح سے رائج تھی۔

اس بت پرست تہوار کے سلسلے میں رومیوں اور ان کے وارثین عیسائیوں کے یہاں بہت سی داستانیں اور کہانیاں مشہور ہیں۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ 'رومیوں کے اعتقاد کے مطابق شہر روما کے مؤسِّس (رومیلوس) کو ایک دن کسی مادہ بھیڑیا نے دودھ پلایا جس کی وجہ سے اسے قوتِ فکری اور حلم و بردباری حاصل ہو گئی' لہٰذا رومی لوگ اس واقعے کی

وجہ سے ہر سال فروری کے وسط میں اس تہوار کو منایا کرتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ کتا اور بکری ذبح کرتے اور دو طاقتور مضبوط نوجوان اپنے جسم پر کتے اور بکری کے خون کا لیپ کرتے، اور پھر اس خون کو دودھ سے دھوتے، اور اسکے بعد ایک بہت بڑا قافلہ سڑکوں پر نکلتا جس کی قیادت دونوں نوجوانوں کے ہاتھ میں ہوتی، اور دونوں نوجوان اپنے ساتھ ہاتھ میں چمڑے کے دو ٹکڑے لیے رہتے، جو بھی انہیں ملتا اسے اس ٹکڑے سے مارتے اور رومی عورتیں بڑی خوشی سے اس ٹکڑے کی مار اس اعتقاد سے کھاتیں کہ اس سے شفا ملتی ہے اور بانجھ پن دور ہو جاتا ہے۔

سینٹ 'ویلنٹائن' کا اس تہوار سے تعلق

سینٹ ویلنٹائن عیسائی کلیسا کے دو قدیم قربان ہونے والے اشخاص کا نام ہے۔ اور ایک قول کے مطابق یہ ایک ہی شخص تھا جو شہنشاہ 'کلاودیس' کی تعذیب کی تاب نہ لا کر 296ء میں ہلاک ہو گیا۔ اور جس جگہ ہلاک ہوا اسی جگہ 350ء میں بطورِ یادگار ایک کلیسا تعمیر کر دیا گیا۔

جب رومیوں نے عیسائیت قبول کر لی تو وہ اپنے اس سابقہ تہوار کو مناتے رہے لیکن انہوں نے اسے بت پرستی کے مفہوم سے نکال کر دوسرے مفہوم، 'محبت کے شہدا' میں تبدیل کر دیا، اور انہوں نے اسے محبت و سلامتی کی دعوت دینے والے 'سینٹ ویلنٹائن' کے نام کر دیا جسے وہ اپنے گمان کے مطابق اس راستے کا شہید گردانتے ہیں۔ اور اسے عاشقوں کی عید اور تہوار کا نام بھی دیتے ہیں اور سینٹ ویلنٹائن کو عاشقوں کا سفارشی اور ان کا نگران شمار کرتے ہیں۔

اس تہوار کے سلسلے میں ان کے باطل اعتقادات یہ ہیں کہ نوجوان اور شادی کی عمر کو پہنچنے والی لڑکیوں کے نام کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھ کر ایک برتن میں ڈالتے اور اسے میز پر رکھ دیا جاتا۔ پھر شادی کی رغبت رکھنے والے نوجوان لڑکوں کو دعوت دی جاتی کہ ان میں سے ہر شخص ایک پرچی نکالے، لہٰذا جس کا نام اس قرعہ میں نکلتا وہ اس لڑکی کی ایک سال تک خدمت کرتا اور وہ ایک دوسرے کے اخلاق کا تجربہ کرتے، پھر بعد میں شادی کر لیتے، یا پھر آئندہ سال اسی تہوار میں دوبارہ قرعہ اندازی کرتے۔

لیکن عیسائی پادری اس رسم کے بہت زیادہ مخالف تھے اور اسے نوجوان لڑکے لڑکیوں کے اخلاق خراب کرنے کا سبب قرار دیتے تھے۔ لہٰذا اٹلی جہاں پر اسے بہت شہرت حاصل تھی، وہاں اسے باطل و ناجائز قرار دے دیا گیا۔ پھر بعد میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں دوبارہ زندہ کیا گیا، وہ اس طرح کہ کچھ یورپی ممالک میں چند کتب خانوں پر ایک کتاب (ویلنٹائن کے نام) کی فروخت شروع ہوئی، جس میں ناجائز عشق معشوقی کے اشعار تھے جسے بے حیا عاشق قسم کے لوگ اپنی محبوبہ کو خطوط میں لکھنے کے لیے استعمال کرتے تھے، اور اس میں عشق معشوقی کے خطوط لکھنے کے بارے میں چند ایک تجاویز بھی درج تھیں۔

اس تہوار کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب رومی بت پرستوں نے نصرانیت قبول کر لی، اور عیسائیت کے ظہور کے بعد اس میں داخل ہو گئے تو تیسری صدی عیسوی میں رومی بادشاہ 'کلاودیس دوم' نے اپنی فوج کے لوگوں پر شادی کرنے کی پابندی لگا دی کیونکہ وہ بیویوں کی وجہ سے اس کے ساتھ جنگوں میں نہیں جاتے تھے۔ لیکن سینٹ ویلنٹائن نے اس فیصلہ کی مخالفت کرتے ہوئے چوری چھپے فوجیوں کی شادی کروانے کا اہتمام کیا، اور جب کلاودیس کو اس کا علم ہوا تو اس نے سینٹ ویلنٹائن کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا، اور اسے پھانسی کی سزا دے دی۔ کہا جاتا ہے کہ قید کے دوران ہی سینٹ ویلنٹائن کو جیلر کی بیٹی سے محبت ہو گئی اور سب کچھ خفیہ ہوا، کیونکہ پادریوں اور راہبوں پر عیسائیوں کے نزدیک شادی کرنا اور محبت کے تعلقات قائم کرنا حرام ہیں۔ نصاریٰ کے یہاں اس کی سفارش کی گئی کہ نصرانیت پر قائم رہے، اور شہنشاہ نے اسے عیسائیت ترک کر کے رومی (بت پرستی) دین قبول کرنے کو کہا کہ اگر وہ عیسائیت ترک کر دے تو اسے معاف کر دیا جائے گا اور وہ اسے اپنا داماد بنانے کے ساتھ اپنے مقربین میں شامل کر لے گا۔

لیکن ویلنٹائن نے اس سے انکار کر دیا اور عیسائیت کو ترجیح دی اور اسی پر قائم رہنے کا فیصلہ کیا، تو چودہ فروری 270ء کے دن اور پندرہ فروری کی رات اسے پھانسی دے دی گئی، اور اسی دن سے اسے 'قدیس' یعنی پاکباز بشپ کا خطاب دے دیا گیا۔

اسی قصہ کو بعض مصادر نے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ اس طرح ذکر کیا ہے کہ پادری ویلنٹائن تیسری صدی عیسوی کے اواخر میں رومی بادشاہ 'کلاودیس ثانی' کے زیر اہتمام رہتا تھا۔ کسی نافرمانی کی بنا پر بادشاہ نے پادری کو جیل کے حوالے کر دیا، جیل میں جیل کے ایک چوکیدار کی لڑکی سے اس کی شناسائی ہو گئی اور وہ اس کا عاشق ہو گیا، یہاں تک کہ اس لڑکی نے نصرانیت قبول کر لی اور اس کے ساتھ اس کے ۴۶ رشتہ دار بھی نصرانی ہو گئے۔ وہ لڑکی ایک سرخ گلاب کا پھول لے کر اس کو ملنے کے لیے آتی تھی، جب بادشاہ نے یہ معاملہ دیکھا تو اسے پھانسی دینے کا حکم صادر کر دیا۔ پادری کو جب یہ پتہ چلا تو اس نے یہ ارادہ کیا کہ اس کا آخری لمحہ اس کی معشوقہ کے ساتھ ہو، چنانچہ اس نے اس کے پاس ایک کارڈ ارسال کیا جس پر لکھا ہوا تھا، 'نجات دہندہ ویلنٹائن کی طرف سے'، پھر اسے 14 فروری 270ء کو پھانسی دے دی گئی......اس کے بعد یورپ کی بہت سی بستیوں میں ہر سال اس دن لڑکوں کی طرف سے لڑکیوں کو کارڈ بھیجنے کا رواج چل پڑا۔ ایک زمانہ کے بعد پادریوں نے سابقہ عبارت کو اس طرح بدل دیا 'پادری ویلنٹائن کے نام سے'۔ انہوں نے ایسا اس لیے کیا تاکہ پادری ویلنٹائن اور اس کی معشوقہ کی یادگار کو زندۂ جاوید کر دیں۔

اور کتاب 'قصۃ الحضارۃ' میں ہے کہ 'کلیسا نے چرچ کی ایک ایسی ڈائری تیار کی ہے جس میں ہر دن کسی نہ کسی پادری (قدیس) کا تہوار مقرر کیا جاتا ہے، اور انگلینڈ میں سینٹ ویلنٹائن کا تہوار موسمِ سرما کے آخر میں منایا جاتا ہے اور جب یہ دن آتا ہے تو ان کے کہنے کے مطابق جنگلوں میں پرندے بڑی گرمجوشی کے ساتھ آپس میں شادیاں کرتے ہیں، اور نوجوان اپنی معشوقاؤں کے گھروں کی دہلیز پر سرخ گلاب کے پھول رکھتے ہیں'۔ (قصۃ الحضارۃ از ول ڈیورنٹ)

’ویلنٹائنز ڈے‘ کے لوازمات

1. دیگر تہواروں کی طرح خوشی و سرور کا اظہار۔
2. سرخ گلابوں کا تبادلہ۔
3. اس کی خوشی میں کارڈوں کی تقسیم، اور بعض کارڈوں میں کیوپڈ کی تصویر ہوتی ہے جو ایک بچے کی خیالی تصویر بنائی گئی ہے اس کے دو پَر ہیں اور اس نے تیر کمان اٹھا رکھا ہے، جسے رومی بت پرست قوم، محبت کا خدا مانتی ہے۔
4. کارڈوں میں محبت و عشقیہ کلمات کا تبادلہ جو اشعار، نثر یا چھوٹے چھوٹے جملوں کی شکل میں ہوتے ہیں، اور بعض کارڈوں میں گندے قسم کے اقوال اور ہنسانے والی تصویریں ہوتی ہیں، اور عام طور پر ان میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ ’ویلنٹائینی ہو جاؤ‘، جو کہ بت پرستی کے مفہوم سے منتقل ہو کر نصرانی مفہوم کی تمثیل بنتی ہے۔
5. بہت سے نصرانی علاقوں میں دن کے وقت بھی محفلیں سجائی جاتی ہیں، اور رات کو بھی عورتوں اور مردوں کا رقص ہوتا ہے۔ اور بہت سے لوگ پھول، چاکلیٹ کے پیکٹ وغیرہ بطور تحفہ محبت کرنے والوں، شوہروں اور دوست احباب کو بھیجتے ہیں۔

مذکورہ بالا کہانیوں کے تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ

یہ تہوار اصلاً رومی بت پرستوں کا عقیدہ ہے جسے وہ محبت کے خدا کے دن سے تعبیر کرتے ہیں اور رومیوں کے یہاں اس تہوار کی ابتدا قصے کہانیوں اور خرافات پر مشتمل تھی جیسے مادہ بھیڑیے کا ’شہر روم کے مؤسِّس‘ کو دودھ پلانا جو حلم و بردباری اور قوت فکر میں زیادتی کا سبب بنا۔ یہ عقل کے خلاف ہے کیونکہ حلم و بردباری اور قوتِ فکر میں اضافے کا مالک اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ بھیڑیا، اور اسی طرح یہ عقیدہ کہ ان کے بت برائی اور مصیبت کو دفع کرتے ہیں اور جانوروں کو بھیڑیوں کے شر سے دور رکھتے ہیں باطل اور شرکیہ عقیدہ ہے۔

اس تہوار سے بشپ ویلنٹائن کے مرتبط ہونے میں کئی ایک مصادر نے شک کا اظہار کیا ہے اور اسے وہ صحیح شمار نہیں کرتے۔ کیتھولک فرقے کے عیسائی پادریوں نے اس تہوار کو اٹلی میں منانے پر پابندی لگا دی، کیونکہ اس سے گندے اخلاق کی اشاعت، اور لڑکوں و لڑکیوں کی عقلوں پر برا اثر پڑتا ہے، اور فحاشی و زناکاری کا دروازہ کھلتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے اس تہوار کا منانا کئی وجوہات کی بنا پر ناجائز ہے

اسلام میں عیدوں کی تعداد محدود و ثابت (زیادتی و کمی ممکن نہیں) اور توقیفی ہے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> عیدین اور تہوار شرع اور مناہج و مناسک میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ’ہم نے ہر ایک کے لیے طریقہ اور شریعت مقرر کی ہے‘ اور ایک دوسری آیت میں اس طرح ہے ’ہم نے ہر قوم کے لیے ایک طریقہ مقرر کیا ہے جس پر وہ چلتے ہیں‘، مثلاً قبلہ، نماز اور روزے، لہٰذا ان کی عید اور باقی مناہج میں شریک ہونے میں کوئی فرق نہیں، اس لیے کہ تہوار میں موافقت کفر میں موافقت ہے، اور اس کی بعض فروعات میں موافقت کفر کی بعض شاخوں میں موافقت ہے، بلکہ عیدین اور تہوار ہی ایسی چیزیں ہیں جن سے شریعتوں کی تمیز ہوتی ہے اور جو ان کے ظاہری شعائر ہوتے ہیں۔ تو اس میں کفار کی موافقت کرنا گویا کہ کفر کے خاص طریقے اور شعار کی موافقت ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پوری شروط کے ساتھ اس میں موافقت کفر تک پہنچا سکتی ہے، اور اس کی ابتدا میں کم از کم حالت یہ ہے کہ یہ معصیت و گناہ کا سبب ہے، اور اسی کی جانب ہی نبی ﷺ نے اپنے اس فرمان میں اشارہ کیا ہے ’یقیناً ہر قوم کے لئے ایک عید اور تہوار ہے اور یہ ہماری عید ہے‘۔ (صحیح بخاری)

> دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے کفار، بت پرست رومیوں اور عیسائیوں کے ساتھ مشابہت ہے اور کفار چاہے وہ بت پرست ہوں یا اہل کتاب ان سے عمومی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔ چاہے وہ مشابہت عقیدے میں ہو، یا ان کی عادات و رسم و رواج میں، یا عید و تہوار میں، اللہ کا فرمان ہے ’اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہی لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا‘۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے، جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے‘۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

> ’اس حدیث کی کم از کم حالت ان سے مشابہت کرنے کی تحریم کا تقاضا کرتی ہے، اگرچہ حدیث کا ظاہر مشابہت کرنے والے کے کفر کا متقاضی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (اور جو بھی تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے، یقیناً وہ انہی میں سے ہے‘۔

اجماعِ امت

ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ ’کفار کی عیدوں اور تہواروں میں مشابہت اختیار کرنے کی حرمت پر تمام صحابہ کرام کے وقت سے لے کر آج تک اجماع ہے‘، جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اس پر علمائے کرام کا اجماع نقل کیا ہے۔

اس دور میں ویلنٹائنز ڈے منانے کا مقصد لوگوں کے مابین فحاشی کی اشاعت ہے چاہے وہ مومن ہوں یا کافر، حالانکہ اس میں کوئی شک و شبہہ نہیں کہ کفار سے محبت و مودت اور دوستی کرنا حرام ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے ’اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت کرتے ہوئے ہرگز نہیں پائیں گے،

اگر چہ وہ کافر ان کے باپ، یا بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں'(سورۃ المجادلۃ:۲۲)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ کوئی بھی مومن ایسا نہیں پایا جاتا جو کافر سے محبت کرتا ہو، لہٰذا جو مومن بھی کافر سے محبت کرتا اور دوستی لگاتا ہے وہ مومن نہیں، اور ظاہری مشابہت بھی کفار سے محبت کی غماز ہے لہٰذا یہ بھی حرام ہو گی'۔

اس لیے مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ اس تہوار کا منانا یا منانے والوں کی محفل میں شرکت ناجائز ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ 'جب یہودیوں کی خاص عید ہے اور عیسائیوں کی اپنی خاص عید تو پھر جس طرح ان کی شریعت اور قبلہ میں مسلمان شخص شریک نہیں، اسی طرح ان کے تہواروں میں بھی شریک نہیں ہو سکتا'۔

اس تہوار کو منانے یا ان کی محفلوں میں شرکت کرنے سے ان کی مشابہت، انہیں خوشی وسرور، اور ان کی تعداد میں بڑھوتری اور زیادتی حاصل ہوتی ہے جو ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے 'اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہر گز ہدایت نہیں دیتا'(سورۃ المائدۃ:۵۱)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

> 'مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ کفار سے ان کے خصوصی تہواروں میں ان کے لباس، کھانے، پینے، غسل کرنے، آگ جلانے، اور اپنی کوئی عبادت اور کام وغیرہ، یا عبادت سے چھٹی کرنے میں ان کفار کی مشابہت کریں۔ مختصر طور پر یہ کہ ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ کفار کے کسی خاص تہوار کو ان کے کسی شعار کے ساتھ خصوصیت دیں، بلکہ ان کے تہوار کا دن مسلمانوں کے یہاں باقی عام دنوں جیسا ہی ہونا چاہیے۔'

مسلمانوں میں سے جو بھی اس تہوار کو مناتا ہے اس کی معاونت نہ کی جائے بلکہ اسے اس سے روکنا واجب ہے، کیونکہ مسلمانوں کا کفار کے تہوار کو منانا ایک منکر اور برائی ہے جسے روکنا واجب ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> 'جس طرح ہم ان کے تہواروں میں کفار کی مشابہت نہیں کرتے، تو اس طرح مسلمانوں کی اس سلسلے میں مدد و اعانت بھی نہیں کی جائے گی بلکہ انہیں اس سے روکا جائے گا۔'

تو اس بنا پر مسلمان تاجروں کے لیے جائز نہیں کہ وہ ویلنٹائنز ڈے کے تحفے و تحائف کی تجارت کریں چاہے وہ کوئی معین قسم کا لباس ہو یا سرخ گلاب کے پھول وغیرہ۔ اور اسی طرح اگر کسی شخص کو ویلنٹائنز ڈے پر کوئی تحفہ دیا جائے تو اس تحفے کو قبول کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ اسے قبول کرنے میں اس تہوار کا اقرار اور اسے صحیح تسلیم کرنا ہے اور باطل و معصیت میں مدد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے 'نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو'(سورۃ المائدۃ:۳)۔

ویلنٹائنز ڈے کی مبارکباد کا تبادلہ نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ نہ تو یہ مسلمانوں کا تہوار ہے اور نہ ہی عید، اور اگر کوئی مسلمان کسی کو اس کی مبارکباد بھی دے تو اسے جواباً مبارکباد نہیں دینی چاہیے۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> ' اور کفار کے خصوصی شعار جو صرف ان کے ساتھ ہی خاص ہیں ان کی مبارکبادی دینا متفقہ طور پر حرام ہے مثلاً انہیں ان کے تہواروں، یا روزے کی مبارکباد دیتے ہوئے یہ کہا جائے "آپ کو عید مبارک، یا آپ کو یہ تہوار مبارک ہو"، لہٰذا اگر اسے کہنے والا کفر سے بچ جائے تو پھر بھی یہ حرام کردہ اشیا میں سے ہے، اور یہ اسی طرح ہے کہ صلیب کو سجدہ کرنے والے کسی شخص کو مبارکباد دی جائے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شراب نوشی اور بے گناہ شخص کو قتل کرنے اور زنا کرنے سے بھی زیادہ عظیم اور اللہ کو ناراض کرنے والی ہے، اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے یہاں دین کی کوئی قدر و قیمت نہیں، وہ اس کا ارتکاب کرتے ہیں اور انہیں یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ انہوں نے کتنا قبیح جرم کیا ہے، لہٰذا جس نے بھی کسی کو معصیت اور نافرمانی یا کفر و بدعت پر مبارکباد دی اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غصے اور ناراضگی کے لیے پیش کر دیا۔'

اللہ پاک تمام اہلِ ایمان کو ایسی بدعات خاص کر فحش افعال سے محفوظ فرمائیں، آمین۔

بقیہ: آج آپ سید احمد شہید کی وراثت کے امین بنائے جا رہے ہیں!

مسلمانوں کو متاثر کرنے کا کہ ہم نہ مانگیں گے نہ ہم دیں گے، اور کم سے کم نوجوان یہ طے کر لیں کہ ہم اپنے والدین سے کہہ دیں کہ اگر آپ کرتے ہیں تو ہمیں قبول نہیں، اور جب تک محفلِ نکاح میں ہم "قبلت" (قبول کیا) نہ کہیں نکاح ہی نہیں ہو سکتا، ہمیں قبول نہیں، آپ چاہے کریں ہم ایسے نکاح کو قبول نہیں کرتے۔

یہ وقت کا فتنہ ہے، ہمارے مدارس اصل میں اسی کو روکنے کے لیے قائم کیے گئے ہیں، جو ایسی عزیمت والے لوگ پیدا کریں اور باقی کام چلانے والے کام چلاؤ آدمی تو سب درس گاہوں میں پیدا ہوں گے، یہ کام کرنے کا ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی برکتیں کیسے کسی ایسی جگہ پر نازل ہو سکتی ہیں، جہاں اتنا بڑا ظلم ہوتا ہو۔

وما علینا الا البلاغ المبین

امارتِ اسلامی افغانستان...... تاریخِ اسلامی کے اہم موڑ پر

ابو عمر عبد الرحمٰن

یہ سن ۲۰۰۰ء کی بات ہے، امارت اسلامی افغانستان قائم تھی، ملا اختر عثمانی رحمہ اللہ مزار شریف کے والی تھے۔ پندرہ بیس مجاہدین کی ایک محفل جمی ہوئی تھی، سب زمین پر دائرے کی شکل میں بیٹھے ملا صاحب کی طرف متوجہ تھے، سوال و جواب کا سلسلہ چل رہا تھا، ایک پاکستانی مجاہد نے پوچھا: ''ملا صاحب! امارت پر الزام ہے کہ یہ آئی ایس آئی سے مدد لیتی ہے، کیا یہ الزام صحیح ہے؟'' ملا صاحب نے سائل کی طرف دیکھا، مسکرائے، نظریں جھکائیں اور بولے:

> ''الزام تو یہ بھی لگ سکتا ہے کہ امارت اسرائیل سے مدد لیتی ہے! بات یہ نہیں ہے، اہم بات یہ ہے کہ امارت نے شریعت نافذ کی ہے یا نہیں؟ ہمارا اپنا عمل شریعت کے موافق ہے یا مخالف؟ دیکھنے کا اصل پہلو یہ ہے، باقی باتیں سب بیکار ہیں......''

امارت اسلامی ہی کے متعلق ایک مجاہد، مہاجر اور شہید عالمِ دین کا قول نظر سے گزرا، ان کی یہ بات اس لیے بھی قابل ذکر ہے کہ مذکورہ عالم نے امارت اسلامی کا دور اپنی آنکھوں سے دیکھا، خود کابل و قندھار میں رہے اور امارت کے ذمہ داران کا بھی قریب رہ کر مشاہدہ کیا، شیخ اسامہ بن لادن اور شیخ ایمن الظواہری جیسے مشائخ کے دلوں میں موجود امارت کے مقام سے بھی واقف تھے، پھر گیارہ ستمبر کا واقعہ جب ہوا تو امریکہ اور پوری دنیا کے مقابل امارت اسلامی کا موقف بھی ملاحظہ کیا، سقوط کے بعد ۲۰۱۲ء میں اپنی شہادت تک عالمی سطح پر تحریکِ جہاد کی رہنمائی بھی آپ نے کی۔ مقصد یہ ہے کہ آپ رحمہ اللہ کا یہ قول امارت اسلامیہ کے ساتھ اس قربت و معرفت کے پس منظر کے ساتھ ہی ہم پڑھیں، یقیناً آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ شیخ عطیۃ اللہ رحمہ اللہ کی بات ہو رہی ہے، آپ فرماتے ہیں:

> ''ہم نے 'طالبان' کو دیکھا، اور آپ کو علم ہے کہ جب طالبان کی تحریک شروع ہوئی تو لوگ اس کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار تھے، ظاہر ہے یہ تحریک تب معروف نہیں تھی، پھر طالبان کی سیاست میں بعض چیزیں ایسی بھی تھیں کہ جن کو دیکھ کر خود ہم بھی فکر مند ہو جاتے تھے، اقوام متحدہ میں رکنیت لینے کی انکی خواہش، بعض ممالک کا انہیں تسلیم کرنا اوران کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنا، پھر کئی حکمران جن کا اُس وقت ارتداد بڑا واضح بھی تھا، جیسے قذافی وغیرہ، تو ان کے ساتھ بھی تعلقات قائم کرنے کی ان کی کوشش، اسی طرح بعض عالمی کانفرنسوں میں ان کی شرکت، تو یہ چیزیں بعض اوقات ہمیں بھی پریشان کرتیں...... لیکن اہم ترین پہلو کہ جس کو دیکھ کر حضراتِ مشائخ اور دیگر بھائی ہمیشہ مطمئن رہتے تھے، وہ ان کی ایک عظیم خوبی ہے اور وہ یہ کہ ان (طالبان) میں دین اور تقویٰ ہے، ان کی یہ صفت بڑی واضح تھی کہ جب بھی ان کے سامنے اللہ کا امر اور شرعی حکم آتا، فوراً یہ اس کے سامنے جھک جاتے، سر تسلیم خم کرتے اور اس پر ایسی شان سے عمل کرتے کہ اس عمل میں کسی کی ناراضگی کی یہ پرواہ نہیں کرتے تھے، پوری دنیا بھی اگر ان کے خلاف کھڑی ہوتی، تو ہو جاتی مگر یہ حکمِ شرعی سے روگردانی کا تصور بھی نہیں کرتے، ساری دنیا کی یہ مخالفت مول لیتے اور کفارِ عالم کی طرف سے بدترین جنگ کو بھی یہ قبول کرتے مگر شریعت پر عمل میں تھوڑی سی بھی مداہنت نہ دکھاتے تھے، اور الحمد للہ یہی ان کی خوبی تھی کہ جب امتحان آیا اور اللہ کی طرف سے دعوے پرکھنے کا وقت آن پہنچا تو یہ ڈٹ گئے، انہوں نے ثابت قدمی دکھائی، صحیح اور شرعی طور پر عین مطلوب موقف کا انہوں نے انتخاب کیا اور باوجود شدید ترین مشکلات کے بس اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اور اس کی محبت کا انہوں نے چناؤ کیا اور اس ذاتِ باری ہی کی مدد و نصرت پر بھروسہ کیا۔ جب کہ ان کے مقابل دیگر کا حال یہ رہا ہے کہ دعوے تو انہوں نے بھی بہت کیے مگر جب دعووں کی جانچ کا وقت آیا، تو عمل نے دعووں کی تصدیق نہیں کی، نتیجتاً وہ امتحان میں بری طرح ناکام ہوئے۔''

آج بھی کانفرنسیں ہو رہی ہیں، امارت اسلامیہ کے بعض قابل قدر ذمہ داران روس و چین اور قطر و پاکستان کے دورے کر رہے ہیں۔ بعض تجزیہ کار بھانت بھانت کے تبصرے اور عجیب عجیب پیشین گوئیاں بھی جھاڑ رہے ہیں، ہر لکھنے اور بولنے والا اپنی پسند و خواہش کے مطابق افغانستان و امارت کا مستقبل پیش کر رہا ہے، طرح طرح کے سوالات اٹھائے جا رہے ہیں، مگر ان تمام تر تجزیات و خدشات کے مقابل ایک تجزیہ اور ایک تبصرہ بڑا بھاری اور مؤثر ہے، یہ وہ تبصرہ ہے جو شہید ملا اختر عثمانی رحمہ اللہ نے پیش کیا تھا، یعنی یہ کہ...... دوسری باتیں چھوڑو، یہ دیکھو کہ اس سب کچھ میں غیر شرعی کیا ہے؟ الحمد للہ ثم الحمد للہ، یہ وہ کسوٹی ہے جو تمام تر خدشات کو ختم کر دیتی ہے، اور ظاہر ہے یہی ایک پیمانہ، مسلمان کا اصل پیمانہ ہونا چاہیے، پس اس کو لیجیے اور ان کانفرنسوں اور غیر ملکی دوروں کو جانچیے، مگر صرف انہیں نہیں، افغانستان کے اندر اور اس سے باہر، اس امارت کا ماضی و حال، گزری اور موجودہ اس پوری تاریخ کے احوال پر نگاہ ڈالیے۔ یہ اٹھارہ انیس سال، بلکہ تیس سال پر محیط وسیع منظر نامہ ہے۔ اس منظر

نامے میں اس کا تابناک ماضی بھی شامل ہے اور اس کا موجودہ موقف و کردار بھی موجود ہے۔ مذاکرات کی میز اور پریس کانفرنسوں کے اسٹیج سے جو کچھ کہا جارہا ہے، وہ بھی سنیے اور جو لوگ افغانستان کے اندر امارت کی سرزمین میں، امارت کے مجاہدین کے بیچ ہیں، ان سے اندر کے جہاد کا حال اور امارت کے تحت علاقوں کے اندر اس کی کارگزاری بھی پوچھئے، امارت کی سیاست بھی دیکھیے اور خود امارت کے اندر کا اوپر سے نیچے تک کا اپنا داخلی نظام بھی ملاحظہ کیجیے، دوستی و دشمنی، جنگ و صلح کے امور، مسلمان عوام اور خواص کے ساتھ اس کا تعامل اور ایک تحریک کو جن جن پہلوؤں سے دیکھا جانا چاہیے، اُن سب کا بھی آپ مطالعہ کیجیے۔ اس کے بعد اللہ سے امید ہے کہ آپ کا بھی وہی موقف ہو گا، جو ہمارا ہے۔

جی ہاں! ہم اللہ کا کروڑہا بار، بلکہ لامتناہی شکر ادا کرتے ہیں کہ اس امت کو آج کے دور میں امارت اسلامی جیسا قافلہ اللہ نے دیا ہے۔ وہ قافلہ کہ جس کے قافلہ سالار...... یقیناً فرشتے نہیں، انسان ہیں، یہ خیر القرون کے بھی نہیں، فتنوں سے بھرے اس خطرناک ترین دور میں جی رہے ہیں، کمزوریاں کس میں نہیں؟ اور انسانوں میں کون ہے جس کے بارے میں فتنوں میں پڑنے کا خوف نہیں ہو سکتا ہے؟ ابن آدم جب تک زندہ ہو، اس کے راہ راست سے دائیں بائیں ہو جانے کا خطرہ بہر حال موجود رہتا ہے، مگر...... مگر تقوی و اخلاق، اتباعِ شریعت اور رضائے الٰہی کی خاطر فداکاری کا جذبہ، دعوت و جہاد، خالق کی بندگی اور مخلوق پر شفقت، عدل و انصاف...... یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن کے سبب آپ کسی پر اعتماد کر سکتے ہیں اور اس کے پیچھے دل جمعی، امید، یقین اور عزمِ مصمم کے ساتھ چل سکتے ہیں۔ یہ وہ صفات ہیں کہ اگر یہ کسی تحریک و جماعت میں ہوں تو اس کی تائید و نصرت فرض ہو جاتی ہے اور امت کا درد رکھنے والے بڑے قائدین پر بھی لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ایسے قافلے کے معمولی سے معمولی سپاہی بھی اگر بن جائیں تو گویا اس صورت میں انہیں دنیا و مافیہا کی خیر مل گئی۔

بات جہاں سے شروع کی تھی، وہی لوٹاؤں گا کہ الحمد للہ یہ قافلہ صرف نفاذ شریعت کا دعویٰ لے کر نہیں چلا ہے، اپنے افراد، جہاد، سیاست اور اپنے داخلی و خارجی تعلقات... تمام امور میں یہ شریعت پر عمل کی بھی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ اس کی قیادت بالفعل علماءِ کرام اور ایسے مجاہدین کے ہاتھوں میں ہے جو فداکاری کے جذبے سے معمور ہیں، یہاں قیادت و سیادت کا ذریعہ علم و عمل ہے اور اس میدانِ جہاد میں اللہ نے یہ عظیم کمال رکھا ہے کہ یہاں کردار کی پاکی اور نظر کی بلندی اگر نہ ہو تو خود قافلۂ جہاد کے اپنے، مجاہدین ہی کسی کو پیچھے کرنے کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔

افغانستان کے اندر میدانِ جہاد میں اس قافلے کی عظمت تو ہر لحاظ سے ایمان افروز ہے، مگر مذاکرات اور اس کی خارجی سیاست کا عمل بھی کچھ کم قابلِ دید نہیں۔ اس پورے سیاسی عمل کا سال سے زیادہ عرصہ ہوا، مذاکرات کے دور چلے، ایک ایک دور کئی کئی ہفتوں پر مشتمل تھا، دنیا کے تمام بڑے یا اہم ممالک کے عہدہ داروں کے ساتھ ملاقاتیں ہوئیں، امریکی سفارت کاروں اور جرنیلوں تک سے بھی بحث و مباحثہ ہوا، اس سب کچھ کے باوجود امارت نے اپنے اصول و مبادی سے معمولی سا تنزل بھی اختیار نہیں کیا، کوئی مداہنت اور کوئی لچک نہیں دکھائی، انہوں نے کوئی ایک ایسا موقف اختیار نہیں کیا ہے جو غیر شرعی ہو۔ تمام تر دباؤ اور حیلوں و حربوں کے باوجود بھی امارت اسلامی اپنے شرعی موقف پر کھڑی ہے، امریکیوں کا سر چکرا جاتا ہے، ٹرمپ کو مذاکرات ختم کرنے پڑتے ہیں، ختم کر کے بھی چارہ نہیں، دوبارہ شروع کرتا ہے، مگر امارت وہاں کی وہاں کھڑی ہے جہاں سے آغاز ہوا تھا، مقصدِ جہاد میں کوئی فرق نہیں آیا، باطل نظام کا حصہ نہ بنی ہے اور نہ بنے گی (ان شاءاللہ)، امریکیوں کی معمولی سی برتری بھی قبول نہیں، نہ لالچ ہے، نہ خوف ہے، اسلام کی عظمت اور کردار کی بلندی ہے جو اس پورے عمل سے واضح نظر آتی ہے، دوستی اور دشمنی کا جو معیار گیارہ ستمبر سے پہلے تھا وہی آج بھی ہے، اٹھارہ سال کی جنگ اس عزم اور اس موقف میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکی، دعوت و جہاد پہلے بھی کامیابی کا راستہ تھا اور آج بھی، کسی کافر کی افغانستان کے اندر مداخلت اور اثر و رسوخ اس جنگ سے پہلے بھی ناقابل قبول تھا اور آج مذاکرات کی میز پر آمنے سامنے بیٹھ کر بھی یہی موقف دہرایا جارہا ہے، کل شریعت الٰہی کی اتباع میں حکومت و امارت قربان کی اور میدان جنگ میں اترے، اور آج شریعت ہی کی پیروی کے لیے مذاکرات کی میز پر بیٹھے ہیں اور شریعتِ الٰہی ہی کو حاکم کرنے کے لیے گفت و شنید کر رہے ہیں۔ کچھ بھی نہیں بدلا، کل بھی اور آج بھی...... الأمر لله والحكم لله، والحبّ في الله والبغض في الله! پھر اہم بات یہ کہ امارت کو جلدی بھی بالکل نہیں ہے، جلدی امریکہ کو ہے، کوئی بدلا اگر ہے تو وہ امریکہ بدلا ہے، امریکہ نے بھاگنا ہے اور جلدی بھاگنا ہے، جبکہ امارت ۲۰۰۱ء کو جہاں تھی، وہاں پہنچنے کے سفر پر مستقل مزاجی، عزم و یقین اور صبر و ثبات کے ساتھ گامزن ہے، فللّٰہ الحمد۔

یہ سب کچھ دیکھ کر ہم اللہ سے دست بدعا ہیں کہ اللہ ہمارے امیر المؤمنین شیخ ہبۃ اللہ حفظہ اللہ اور ملا برادر حفظہ اللہ سمیت امارت کے سب ہمارے امراء کو مزید ڈٹنے اور جمنے کی توفیق دے، اس دعا کے ساتھ ساتھ ایک قلبی اطمینان اور اعتماد بھی ہے کہ امارت باذن اللہ اسی طرح شریعت کی اتباع کرے گی۔ ہاں جو شرعی اعمال اس کی استطاعت میں نہ ہوں، ان کے نہ کر سکنے پر نہ خالق کے ہاں پوچھ گچھ ہے اور نہ ہی مخلوق کے ہاں اس پر شکایت ہونی چاہیے۔ امارت اسلامی تاریخ کا ایک اہم اور انتہائی قیمتی باب رقم کر رہی ہے۔ اس کی تاریخ کا ہر باب اللہ کی نشانی ہے، یہ وہ نشانیاں ہیں جو دیگر اسلامی تحریکوں کو فتح و شکست اور عزت و ذلت کا راستہ دکھاتی ہیں، اللہ تمام اہل دین کو یہ اسباق سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق دے۔ اللہ ہم سب کو اس قافلے کی تائید و نصرت کرنے والا ثابت فرمائے، ایک نصرت اور مدد تو ہم میں سے ہر ایک، چاہے ناتواں ہی کیوں نہ ہو کر سکتا ہے، یہ نصرت دعا ہے، ہمیں امارت کو مستقل دعاؤں میں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کفار و منافقین کے مقابل اس کی نصرت فرمائے اور اللہ اسے حق و ہدایت پر ہمیشہ قائم رکھے، آمین ثم آمین۔

آج آپ سید احمد شہیدؒ کی وراثت کے امین بنائے جارہے ہیں!

(علمائے کرام اور طلبائے علم دین کے نام)

حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ

مفکرِ اسلام، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک جلسۂ دستار بندی کے موقع پر تقریر پیشِ خدمت ہے۔ یہ تقریر ایک ایسے موقع پر فرمائی گئی ہے جب طلبائے علمِ دین کا حصولِ علمِ دین کا تاسیسی مرحلہ طے ہو چکا ہوتا ہے اور وہ 'فاضلین' و 'علما' کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر مولانا سید ابو الحسن علی صاحب طلبا و علما کو دراصل نفاذِ دین (ذاتی و اجتماعی، معاشرتی و حکومتی الغرض بہر معنیٰ و اعتبار) کے اس فریضے کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ بلاشبہ علما اس امت کے قائدین ور ہنما ہیں، وہ صحیح ڈگر پر ہوں گے تو امتِ رسولؐ بھی صحیح سمت میں سفر کرتی رہے گی۔ پھر مولانا سید ابو الحسن علی صاحب نے اس موقعۂ دستار بندی پر 'امیر المومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ' کا خاص کر ذکر (اصل میں تو پوری مجلس ہی ان کے نام ہے) اس لیے کیا ہے کہ سید صاحب نے چھوٹی چھوٹی بدعات سے لے کر کبائر شرکیات تک اور (بظاہر) چھوٹی چھوٹی سنتوں سے لے کر جہاد اور اقامتِ شریعت و حکومتِ الٰہیہ تک کے لیے کوششیں فرمائیں......

لہٰذا سید صاحب کی سیرت میں عموماً ساری دنیا اور خصوصاً برِّ صغیر کے علما و طلبائے علمِ دین کے لیے بیش بہا ارشادات، ہدایات اور عملی نمونے ہیں۔ (ادارہ)

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی نبینا محمد عبدہ ورسولہ وازواجہ و ذریاتہ واھل بیتہ اجمعین، ومن اتبعھم باحسان و دعا بدعوتھم، الی یوم الدین اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم...

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝ (سورۃ الفاطر: ۳۲)

"پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے ان کو بنایا جنھیں ہم نے چن لیا تھا پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں، اور انہی میں سے کچھ ایسے ہیں جو درمیانے درجے کے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں بڑھے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ (اللہ کا) بہت بڑا افضل ہے۔"

میں دو باتیں بتانا چاہتا ہوں، ایک تو یہ کہ بچپن سے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ گھٹی میں، جن لوگوں کے نام محبت و عظمت کے ساتھ پڑے، اور یہ کوئی مبالغہ نہیں کہ واقعی گھٹی میں پڑے، ان میں حضرت سید احمد شہید اور ان کے یارانِ باثقہ، مجاہدین باصفا، کے علاوہ کہ یہ تو گھر کی چیز ہے، حضرت مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب کا نام ہے اور جب پڑھنے لکھنے لگا تو مولانا عبد العزیز صاحب کا نام اس میں شامل ہوا، حضرت مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب کا ہمارے خاندان سے بڑا قریبی تعلق رہا ہے، ہمارے جد مادری سید ضیاء النبی صاحب جو حضرت سید صاحب کے سلسلہ کے آخری بزرگوں میں سے صاحبِ نسبت و صاحب باطن تھے، ان کے پاس وہ آیا کرتے تھے اور خود میرے گھر میں جو انقلاب آیا، وہ حضرت مولانا ابراہیم صاحب کی تقریر سے آیا۔ میری والدہ سناتی تھیں کہ ہمارے خاندان میں جدید تعلیم کا رواج تھا۔ میرا ددھیال الحمدللہ خالص مولویوں کا خاندان ہے، اور اس میں جائیداد و زمین نہ ہونے کے برابر ہے لیکن میرے ننھیال کا بڑے زمینداروں میں شمار ہوتا تھا اور اگرچہ بزرگوں کے اثرات چلے آرہے تھے، لیکن پھر بھی ہر چیز اپنا ایک اثر رکھتی ہے، اذا ثبت الشئی ثبت بلوازمه، زمینداری آئی اور بڑی زمینداری آئی، اور میں یہ بھی عرض کردوں کہ اس کا شجرۂ نسب بہار سے جاملتا ہے، میری والدہ کے حقیقی دادا مولوی سعید الدین صاحب رائے بریلوی جو سید صاحب سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے، وہ یہاں رہے، انہوں نے وکالت کی احتیاط کے ساتھ جو اس زمانہ میں ممکن تھی، اس سے جائیداد پیدا کی مظفر پور میں، میں جب مظفر پور سے گزر رہا تھا، مجھے بچپن سے یہ بات معلوم تھی تو وہ یاد تازہ ہو گئی، میں نے مظفر پور کا نام شروع سے سنا تھا تو زمینداری کے سواد پڑے لیکن مولانا ابراہیم کی تقریر سے دنیا بدل گئی۔

مولانا ابو ابراہیم صاحب ان لوگوں میں تھے جو عمل بالحدیث کے ساتھ تعلق مع اللہ اور نسبتِ باطن رکھتے تھے اور یہ خصوصیت خاندانِ صادق پور کی ہے، اور صادق پور کا سلسلہ سید صاحب کی تحریک سے جاملتا ہے۔

حضرت سید صاحب کی تحریک چار چیزوں کی جامع تھی۔

۱۔ توحیدِ خالص "الا للہ الدین الخالص"

۲۔ اتباعِ سنت۔ آپ پڑھیے مولانا ولایت علی کے حالات، مولانا یحیٰی کے حالات، اولیائے متقدمین کے حالات آپ کو نظر آئیں گے، تزکیۂ نفس اور تذکرہ جو آپ کتابوں میں پڑھتے ہیں ان کی زندگی میں آپ کو نظر آئے گا۔ میں سچ کہتا ہوں، ان کی سیرت پڑھنے سے آپ کی نمازوں کی کیفیت بدل جائے گی، میں نے خود اس کا بارہا تجربہ کیا ہے۔

۳۔ نسبت مع اللہ، دوام ذکر اور خدا کے ساتھ ہر وقت تعلق۔

۴۔ اعلائے کلمۃ اللہ جو اگر کبھی جہاد بالسیف کا تقاضا کرے تو جہاد بالسیف، جہاد و قتال میں جو نسبت ہے عموم و خصوص کی، اہل علم جانتے ہیں قتال اخص ہے جہاد سے، جہاد کبھی کبھی قتال کی نوع میں ظاہر ہوتا ہے، اس وقت وہی افضل جہاد ہوتا ہے لیکن جہاد اس سے وسیع ہے وہ بغیر سیف کے بھی ہوتا ہے اور مدتوں ہوتا رہتا ہے، یہ سب جہاد میں شمار ہوتا ہے۔

غرض ان چار چیزوں کی مجموعہ تھی، سید احمد شہید کی جماعت۔

میں نے دیوبند کے جشنِ صد سالہ میں الفاظ کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ یہ بات کہی کہ ان جماعتوں کو جن کا تعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی جماعت سے ہے اور حضرت سید صاحب کی جماعت سے، خواہ وہ جماعتیں اہلِ حدیث حضرات کی ہوں، یا اس میں سے ہوں جو اپنے آپ کو دیوبندی کہلاتے ہیں، ان سب جماعتوں کو ہمیشہ یہ احتساب کرتے رہنا چاہیے کہ ہم اس سے منحرف تو نہیں، یا خدانخواستہ ہم اس سلسلہ میں أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ [1] کے مرتکب نہیں ہو رہے ہیں؟ یا ہم نے ایک جز کو پکڑ لیا اور دوسرے جز کو چھوڑ تو نہیں دیا؟ یہ اسلاف کی امانت ہے، اور خدا کا شکر ہے کہ اس وقت کی پیش کی گئی رپورٹ میں اس کی طرف بلیغ انداز میں اشارے بھی کیے گئے، تو میں ایک بات عام جماعتوں سے یہ کہتا ہوں کہ سید صاحب کی جماعت کی یہ جو چار خصوصیات تھیں، توحید خالص اور اتباعِ سنت کا خاص رنگ یعنی احادیث کا تتبع اور ان پر عمل کرنے کی کوشش، اس میں آپ میں اور متبعینِ سنت کے دوسرے گروہوں میں لَون کا تھوڑا سا فرق تو ہو سکتا ہے، اجتہاد کا فرق تو ہو سکتا ہے لیکن یہ سب اتباعِ سنت کے قائل ہیں، عامل ہیں اور اس کے لیے کوشاں ہیں اور تیسری چیز تعلق مع اللہ ہے یعنی عوام کے تعلق سے کچھ زیادہ تعلق، ایک طرح کا تعلق اور عمومی ولایت ہر مسلمان کو حاصل ہے جیسا کہ محققین اور عارفین کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کو ولایتِ عامہ حاصل ہے، لیکن اللہ کے ساتھ خصوصی ولایت اور اس کے ساتھ محبت جیسے قرآن میں کہا گیا ہے: رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ [2]۔ اور کہا گیا وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ [3]۔ یہی چیز عمر بھر اس جماعت کا شیوہ رہی۔

سن لیجیے! میں ایک مؤرخ اور اس جماعت کے ایک امین کی حیثیت سے آپ کو بتلا رہا ہوں کہ یہ جو آپ کے اوپر دستار باندھی جا رہی ہے، آپ کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اس کے ساتھ کیا کیا چیزیں بندھ گئیں، اور جو خصوصیات ذکر ہوئیں وہ ساری چیزیں اس دستار کے باندھنے میں آ گئیں، اگر کوئی آنکھ دیکھنے والی ہو تو وہ دیکھ سکتی ہے، وہ ساری چیزیں اس دستار کے تار و پود اور تانے بانے میں ہیں، آپ کو اس دستار کے مشکلات اور مضمرات کی حفاظت کرنی ہے۔ اس دستار کے بندھنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ بالکل فارغ ہو گئے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چاروں چیزوں کے لیے آپ کو پوری زندگی وقف کرنی ہے، اور انہیں زندہ کرنا ہے، انہیں چاروں چیزیں کے ساتھ اللہ کا وہ مقبولیت کا معاملہ تھا، انہیں خصوصیات کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے متبعین میں وہ تاثیر اور کیمیا اثری رکھی تھی کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے۔

میں ابھی مدراس گیا وہاں "الذكر الجلي في كرامات السيد محمد على الرامپوری" کا ایک نایاب نسخہ مجھے ملا، حضرت مولانا سید محمد علی صاحب، سید صاحب کے کبار خلفا میں سے تھے۔ میں پڑھ کر حیران تھا کہ یا اللہ کیسی تاثیر ملی تھی، حضرت سید صاحب کو اور ان کی جماعت کے متبعین کو، اللہ اکبر! ایک شخص کا انتقال ہو رہا ہے، کلمہ نہیں نکل رہا ہے، سارا گھر پریشان ہے، کوشش کی جا رہی ہے اور کلمہ نہیں نکل رہا ہے زبان سے، حضرت مولانا سے ذکر کیا، انہوں نے کہا کہ گھبرائیے نہیں میں ابھی چلتا ہوں، لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ بدعتیوں کا گھر ہے آپ کے ساتھ بہت برا معاملہ کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا کوئی بچہ ہے اس گھر کا؟ اس کو بلا دیجیے، بچے کو بلایا اور کہا کہ دیکھو، سرہانے کھڑے ہو کر (کلمہ کی) تلقین کرو، ان الفاظ کا کہنا تھا کہ زور زور سے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہنے لگے، سارا گھر گونج گیا، لوگ حیران تھے کہ کیا وجہ ہے؟ لکھا ہے کہ جو لوگ وہاں تھے کہنے لگے کہ دیکھو ہم بھی اس طرح کلمہ پڑھتے ہیں، ہم بھی اس طرح ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔ جیسے ایک ہوا چل گئی ہے۔ انقلاب آ گیا، معاصی سے نفرت، بدعات سے اجتناب، ابھی شرک سے توبہ کی ہے ابھی ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے، اور آن کی آن میں شرک سے ایسی گھن آنے لگی کہ جو کسی گندی سے گندی چیز سے آتی ہے۔ یہ سب ان چار چیزوں کے اجتماع کا اثر تھا اور اصل بات یہ کہ اللہ کو ان سے کام لینا تھا۔

تو عزیزو! ایک بات تو یہ ہے کہ اس دستار کا یہ مطلب نہیں کہ صرف پڑھنے پڑھانے بیٹھ جاؤ، بلکہ ان خصوصیات کو پوری ملت اسلامیہ کی طرف منتقل کرو۔ میں دینی جماعتوں اور ان کی تاریخ اور ان کی تاثیر سے بیگانہ نہیں ہوں۔

ع بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے

میں نے بہت سی جماعتیں دیکھی ہیں، لیکن واللہ اس جماعت جیسی تاثیر میں نے کہیں نہیں دیکھی، یہ تاثیر اور قبولیت، توحیدِ خالص، اخلاص اور اتباعِ سنت کا کرشمہ تھی، عزیزو! تم اس کی کوشش کرو کہ اس کا کوئی حصہ تمہیں بھی ملے کہ "اس میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے" ان کی محبت اور ان کے مشن کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ جتنے مدرسے اور مسلک ہیں، یہ صرف پڑھنے پڑھانے کے کارخانے نہیں ہیں۔ حضرت سید سلیمان ندوی نے مولانا گیلانی سے کہا تھا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ حضرت مولانا نانوتوی نے اس مدرسہ کو پڑھنے پڑھانے کے لیے قائم کیا تھا؟ یہ چھاؤنی تھی چھاؤنی! جب ۱۸۵۷ء میں ہم نے سیاسی طور پر شکست کھائی، تو ہم نے اس کی تلافی کے لیے قلعے بنائے، یہاں سے تیار ہو کر فوج نکلے گی جو ملتِ اسلامیہ کو بچائے گی، جو زمین قبضہ سے نکل گئی ہے وہ زمین واپس لائے گی۔

[1] "تو کیا تم کتاب کے ایک حصّے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصّے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟" (سورۃ البقرۃ:۸۵)

[2] اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں۔

[3] "اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔" (سورۃ البقرۃ:۱۶۵)

باتیں تو کہنے کی بہت سی ہیں لیکن میں آپ سے خاص طور پر ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں، خدا کرے کہ اپنے اصلی اور صحیح رنگ میں سمجھی جائے، وہ یہ کہ ہر دور میں جاہلیت اپنے آشیانے بناتی ہے، کبھی شرک اپنا آشیانہ بناتا ہے، لیکن اس زمانے کے اہلِ نظر پر اللہ تعالیٰ یہ بات منکشف کرتا ہے کہ جاہلیت کی چڑیا اس آشیانے میں چھپی ہوئی ہے، جیسا کہ قصوں میں کہا جاتا ہے کہ فلاں جن کی روح چھپی ہے اُس چڑیا کے اندر جو سات قلعوں کے اندر ہے، پھر ان قلعوں کے بعد ایک آشیانہ ہے اور اس آشیانہ میں ایک چڑیا ہے، اس کے اندر جن کی روح چھپی ہوئی ہے، اس طرح جاہلیت کبھی کبھی کسی چیز کو اپنا ہدف اور نشانہ بنالیتی ہے اور اس میں چھپ جاتی ہے، اور ابتلائے عام ہوتا ہے کہ لوگ اس کے شکار میں آجاتے ہیں، جیسا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوئی درخت تھا جس سے لوگوں کے عقائد خراب ہو رہے تھے اور وہ شرک کا مظہر بن گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو کٹوایا، یہاں تک کہ دل پر پتھر رکھ کر بیعتِ رضوان کے درخت کو کٹوایا اور توحید کا یہی تقاضا سمجھا، اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ طائف کا وہ بُت جسے لوگ گرانے سے ڈر رہے تھے اور حضور ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو گرانے کے لیے بھیجا، اور کہا کہ مجھے اس کے گرانے کی بشارت دینا، چنانچہ انہوں نے ایسا کیا، اسی طرح سے ہر زمانہ میں کچھ بُت ہوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جن سے کام لینا چاہتا ہے ان کی نگاہیں کھول دیتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کے زمانہ میں وحدۃ الوجوہ کی شکل اختیار کرلی تھی، ''ہمہ اوست'' کی جو آخری شکل ہو سکتی ہے حضرت مجدد صاحب نے اس کو ہدف بنایا اور اس کو کمزور کرکے دم لیا، اس وقت سے وہ اپنی طاقت کھو چکا ہے۔ بدعاتِ حسنہ کا ایک فتنہ تھا، جس چیز کو چاہا کہہ دیا کہ یہ بدعت حسنہ ہے اور یہ کہ صاحب بدعت کی دو قسمیں ہیں (۱) بدعت سیئہ (۲) بدعتِ حسنہ، حضرت مجدد صاحب نے کہا کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے کہہ دیا کہ ''کل بدعة ضلالة[1]'' تم کون ہوتے ہو کہ یہ کہو ''بعض البدعة حسنه و بعض البدعة سيئة[2]''؟ انہوں نے کہا کہ مجھے صاف نظر آتا ہے کہ بدعت دافعِ سُنت ہے، بدعت آتی ہے تو اپنی جگہ بنالیتی ہے اور سُنت کی جگہ لے لیتی ہے۔ اسی طرح سے حضرت شاہ ولی اللہ کا دور آیا تو انہوں نے اور حضرت سید صاحب کا دور آیا تو انہوں نے بھی دیکھا کہ ان ان بدعتوں میں شرک پناہ لے رہا ہے، اور ان ان جگہوں سے لوگوں کے عقائد خراب ہو رہے ہیں، وہ جاہلیت میں مبتلا ہو رہے ہیں، اور فوراً ان پر پوری ضرب لگائی۔ ایک عام بات تو یہ دیکھی کہ بہار اور کلکتہ میں جگہ جگہ امام باڑے گرائے جاتے تھے اور اسی کا پلاؤ کھلایا جارہا تھا، ان حضرات نے تعزیے کی کھپچیوں سے کمر بند ڈالنے والی لکڑی کا کام لیا، کوئی پوچھے کہ صاحب ان باتوں سے کیا فائدہ؟ فائدہ یہ کہ یہ حضرات سمجھتے تھے کہ اس وقت اشارۂ الٰہی کیا ہے، اور اس وقت کا فتنہ کیا ہے، پھر

ایک وقت وہ آیا جب معقولی علما اور اطرافِ لکھنؤ کے بعض فقہانے کہا کہ حج کے بارے میں قرآن میں ہے مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا[3]۔ شرط یہ ہے امن ہو راستہ کا، امن نہیں ہے، سمندر کا سفر ہے بادبانی جہازوں میں اور ان پر پُرتگیزی حملہ کرتے ہیں۔ اس لیے اب ہندوستانی مسلمانوں کے ذمہ سے حج ساقط ہوگیا۔ اس فتنہ نے اتنا طول کھینچا کہ شاہ عبد العزیز صاحب کے پاس لکھنؤ کی سرائے سے مفتی فیض الدین صاحب نے خط بھیجا، اور میں نے اس کا جواب پڑھا ہے کہ صاحب یہاں دو آدمی آئے ہوئے ہیں، ایک کا نام مولانا عبد الحئی صاحب بڑھانوی ہے اور دوسرے کا نام مولوی اسماعیل دہلوی ہے، یہ لوگ فتویٰ دیتے ہیں کہ حج کی فرضیت اسی طرح قائم ہے، اور ہم کیا کریں؟ یہ لوگ کس پائے کے ہیں؟ حضرت شاہ عبد العزیز نے بڑے جوش میں آکر تحریر کیا ہے کہ مولوی عبد الحئی تو شیخ الاسلام ہیں اور مولوی اسماعیل صاحب حجۃ الاسلام ہیں اور ان دونوں کو مجھ سے کسی چیز میں کم نہ سمجھو، اور فقہ و حدیث میں یہ لوگ بالکل میرے مساوی درجہ کے ہیں اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا مجھ پر جو احسان ہے، اس کا میں شکر نہیں ادا کرسکتا اور یہ لوگ جو کچھ کہیں تم اس کو اختیار کرو، اور وہی شریعت کا حکم ہے۔ پھر سید صاحب نے اعلان فرمایا کہ ہم حج کو جاتے ہیں، پیسہ وغیرہ کچھ پاس نہیں تھا، جب ندی پار کی ہے تو گیارہ روپے تھے، اپنے بھانجے سید عبد الرحمٰن سے جو خادم تھے پوچھا کہ عبد الرحمٰن کتنے روپے ہیں؟ کہا کہ گیارہ روپے، کہا کہ جاؤ اعلان کرو، جس کا جی چاہے چلے، خرچ کے ہم ذمہ دار ہیں لیکن محنت بھی کرنی پڑے گی، پیسہ جب ختم ہو جائے گا تو ہم مزدوری کریں گے لیکن حج کو ضرور جائیں گے، چاہے کتنے سال لگ جائیں، تو سات سو کے قریب آدمی جمع ہوئے، حضرت سید صاحب نے شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا عبد الحئی صاحب سے خط لکھوائے، سہارنپور وغیرہ سب جگہ خط لکھوائے اور مولانا عبد الحئی صاحب کی اہلیہ آئیں، شاہ اسمٰعیل شہید کے بھی اعزہ آئے اور حالت یہ کہ اس وقت صرف گیارہ روپے موجود ہیں، ہمارے گھر کے سامنے جو ندی بہتی ہے جب اس کو پار کیا ہے تو پوچھا کتنے پیسے ہیں۔ کہا گیارہ روپیہ، کہا اچھا! یہ بھائی جو پہنچانے آئے ہیں ان کو دے کر رخصت کردو، پھر اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی ہے، تو بھائی اگر معتبر ذرائع نہ ہوں اور تواتر کے ساتھ وہ بات نہ پائی گئی ہوتی تو آدمی کا یقین کرنا مشکل، بعض بعض شہر تو ایسے تھے کہ وہاں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہاں کوئی مسلمان بیعت سے خالی نہیں، یہاں تشریف لائیے اور ہمیں بیعت و توبہ کرائیے، اور کھانے کی حالت یہ تھی کہ الہ آباد میں اتنا کھانا بچتا تھا اور گنگا میں اس قدر کھانا ڈالا جاتا تھا کہ وہاں برہمن جو نہانے جاتے تھے، ان کے نہانے کا مسئلہ پیش آگیا کہ نہائیں کیسے؟ سارا کنارہ سرخ ہو گیا اور تیل اور گھی بہتا ہوا نظر آتا تھا، انہوں نے اس وقت حج کیا، کہیں مزدوری کی ضرورت پیش نہ آئی، انہوں نے اس وقت

[1] سب بدعتیں گمراہی ہیں۔

[2] کچھ بدعتیں بری ہیں اور کچھ بدعتیں اچھی ہیں۔

[3] ''لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔'' (سورۃ آلِ عمران: ۹۷)

انتخاب کیا کہ اگر اس میں تساہل برتا گیا تو حج میں روز بروز سستی آنا شروع ہو جائے گی اور حج کا فریضہ بالکل معطل ہو کے رہ جائے گا انہوں نے اس کی فرضیت کا فتویٰ دیا، اعلان کر دیا، گیارہ جہاز کلکتہ سے کرایہ کیے اور یہ سات سو آدمیوں کا قافلہ وہاں سے گیا اور حج کر کے آیا، ہمارے علم میں اجتماعی طور پر جب سے اسلام آیا اتنا بڑا حج نہ کسی بادشاہ نے کیا تھا اور نہ کسی شیخ طریقت نے اور نہ کسی عالم دین نے، اور کلکتہ میں یہ حال ہوا کہ شراب خانے جو تھے ان کی بکری بند ہو گئی۔ انہوں نے شکایت کی کہ ایک بزرگ آئے تھے، ان کی وجہ سے مسلمانوں نے شراب پینی چھوڑ دی تھی، ہم رات تک تکتے رہتے ہیں کوئی بھول کر نہیں آتا۔

پھر ایک وقت آیا کہ سید صاحب نے محسوس کیا کہ ایک بڑی کمزوری پیدا ہو گئی ہے کہ ۲۵ برس کی عمر میں، ۳۰ برس کی عمر میں عورت بیوہ ہو گئی اور اب وہ پوری عمر اسی طرح گزار دے گی۔ سید صاحب نے بیوہ کی شادی پر ابھارا۔ مجھے ان کے نام معلوم ہیں جنہوں نے عقدِ ثانی کی ہمت کی، ہندوستان چھوڑ کر چلا جانا پڑا، حجاز ہجرت کر گئے۔ شریفوں کے خاندان کے خاندان، علما کے خاندان کے خاندان۔ سید صاحب نے خود کہا کہ مجھے کوئی ضرورت نہیں، لیکن میں اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کرتا ہوں، مولانا عبد الحیٔ بڑھانوی صاحب نے مسجد میں وعظ کیا اور کہا کہ سید صاحب کے ذریعہ ساری سنتیں زندہ ہو رہی ہیں، صرف ایک سنت رہ گئی ہے، سید صاحب ایسے جھک کر بیٹھ گئے۔ کہنے لگے کہ آپ فرمائیے میں ابھی شروع کرتا ہوں، اور باہر نکلے اور گھر میں جا کر اسی وقت کہا اور نکاح ہوا اور اس کے بعد خطوط لکھے، اور اس کے بعد یہ سنت زندہ ہو گئی۔

یہ سُنت اس وقت بھی زندہ نہیں ہے، لیکن الحمدللہ مردہ بھی نہیں ہے، اور اب عار کی بات نہیں سمجھی جاتی، جیسا کہ پہلے سمجھی جاتی تھی، ایسے میں جب مولانا محمد علی صاحب لاہوری مدراس گئے، تو معلوم ہوا کہ یہاں کے مسلمان (بھائی صاحب یہاں میں کوئی سیاسی بات نہیں کہہ رہا ہوں، محض ایک تاریخی واقعہ سنا رہا ہوں، کوئی صاحب کوئی اور بات ملحوظ نہ رکھیں) گائے کا گوشت کھانے سے بہت بچتے ہیں کہ گوشت کھانے سے فلاں دیوتا ناراض ہو جائے گا اور اس کی وجہ سے کوئی موت ہو جائے گی، بے برکتی ہو گی، کوئی مسلمان گائے کے گوشت کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا، جو لوگ آپ کے وعظ سنتے تھے ان کے مواعظ سے متاثر تھے اور ان کے ہاتھ پر بیعت تھے، سب کو دعوت دی اور گائے کے کباب پکوائے، اور کہا کہ اس کو کھانا ہو گا، کھا کر دیکھو کچھ ہوتا ہے کہ نہیں، اب کوئی عالم کہے کہ صاحب کیا تکلیف ما لا یطاق ہے، یہ فلاں گوشت کھایا جائے فلاں گوشت نہ کھلایا جائے، یہ کہاں ہے، فقہ کی کس کتاب میں ہے؟ لیکن جو صاحب بصیرت ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہاں اسے تم حرام کرنے والے کون؟

اسلام اس وقت تک قائم نہیں ہو تا جب تک پوری شریعت اور مکمل اسلام پر عمل نہ ہو:

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً○

”اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ“،

جس چیز کو اللہ نے جائز کیا، اسے تم حرام کرنے والے کون؟ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ۔ بنی اسرائیل نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کیا تو اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر حرام ہی کر دیا۔ میں خود مدراس سے ہو کر آرہا ہوں، سید صاحب بھی بعد میں گئے، کہیں نہیں سنا کہ لوگ گائے کا گوشت کھانے سے ڈرتے ہیں، دل سے وہ خوف نکل گیا، وہ خوف نہیں تھا، شرک جلی تھا، شرک جلی کو ختم کیا۔

میرے عزیزو! اور دوستو! حدیث شریف میں آتا ہے کہ

يحمل هذا العلم من كل خلف عدو له ينفون عنه تحريف الغالين و انتحال المبطلين و تاويل الجاهلين۔(مشكوة؛ كتاب العلم)

ترجمہ کے طور پر عام سامعین کے لیے بتاتا ہوں کہ اس علم کے حامل ہر زمانہ کے عادل لوگ ہوں گے، مقبول و متوازن لوگ ہوں گے۔ عدل کا لفظ قرآن و حدیث کی زبان میں بہت جامع لفظ ہے، صرف انصاف کے معنی میں نہیں، اس کے حامل ہوں گے۔ ہر زمانہ کے عدول جو اس سے دُور کریں گے غلو پسند لوگوں کی تحریف کو، اور باطل پرستوں کی غلط نیت اور دعوؤں کو، اور جاہلوں کی تاویلات کو، ہر زمانہ کے علما کا فرض ہے کہ اپنے زمانہ کے ان آشیانوں کو تلاش کریں جہاں جاہلیت اور کفر پناہ لے رہے ہیں اور اس پر خاص طور پر ضرب لگائیں، یہ وقت کا جہاد ہے، وقت کی تبلیغ ہے اور انبیا علیہم السلام کی نیابت ہے، مثلاً آپ کو معلوم ہو جائے کہ فلاں درخت مقدس مانا جاتا ہے اور اس میں کوئی چیز باندھ دی جائے، جیسا کہ ہم نے بعض بعض علاقوں میں سنا ہے کہ لوگ عرضیاں لٹکاتے ہیں جیسا کہ شیعوں کے یہاں دستور ہے کہ عرضیاں لٹکاتے ہیں کسی درخت پر یا کسی چیز پر، تو اس زمانہ کے حاملین کا یہ فرض ہوتا ہے کہ صاف صاف اس پر نکیر کریں اور صاف صاف عوام کو اس سے آگاہ کریں جیسے سید سالار مسعود غازی کے جھنڈے اور کہیں کچھ ہوتا ہے، کہیں کچھ ہوتا ہے۔

ہم جس سے منسوب ہیں، مجدد الف ثانی سے لے کر حضرت مولانا عبد القادر جیلانی اور پھر شاہ ولی اللہ صاحب اور سید صاحب اور شاہ اسمٰعیل صاحب، ان کا دستور یہی تھا کہ انہوں نے جہاں جہاں دیکھا کہ شرک یہاں پر چھپا ہوا ہے، شرک وہاں سے حملہ کر رہا ہے، یا اس نے منفذ بنایا ہے، اس نے گویا زیر زمین ایک سرنگ بنائی ہے، اور ہمیشہ زیر زمین کی ضرورت نہیں ہوتی، بالائے زمین وہ پل بنا دیتا ہے جس کے ذریعے سے وہ چل کر گھروں تک پہنچ جاتا ہے، اور شرکِ جلی میں مبتلا کر دیتا ہے ”کفر بواح“ میں مبتلا کر دیتا ہے، شرک کی تو تاویل ہی نہیں ہو سکتی، اس وقت شاہ اسمٰعیل شہید نے (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا کرے) ”تقویۃ الایمان“ لکھی، یہ معمولی حالات میں نہیں لکھی، اور اس نے ہلا کر رکھ دیا۔

لوگ تو اب ایسے پیدا ہو گئے ہیں، کہتے ہیں کتاب شاہ صاحب کی ہے ہی نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں شاہ صاحب کی بھی اور مسلک کی بھی اور اپنی جماعت کی بھی خدمت ہے کہ چلو چھٹی ملی، بالکل غلط، تواتر سے ثابت ہے کہ وہ کتاب حضرت شاہ صاحب کی ہے اور ایک ایک لفظ کے وہ

ذمہ دار ہیں اور وہ تو خیر مصنف ہیں، ہم اس کی ذمہ داری لیتے ہیں، ہمارے یہاں مولانا رشید احمد گنگوہی سے اتباعِ سنت اور علم میں بڑھ کر کون ہو گا، سب نے ان کو مان لیا، انہوں نے کھل کر حمایت کی "تقویت الایمان" کی، اور ساری ذمہ داری اپنے اوپر لی اور کہا کہ ہم اسی مسلک پر ہیں، اس میں جو کچھ ہے سب صحیح ہے، اور ایک بار اپنی مجلس میں کہا کہ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ دو لاکھ (یا کتنے لاکھ بتایا) آدمی کے عقائد اس کتاب سے درست ہو گئے اور ان کی اصلاح ہو گئی، اس کے بعد کچھ ہوا ہو کوئی نہیں جانتا، تو حضرت شاہ اسمٰعیل شہید نے اسی بصیرت کی بنا پر کہ کیا ہو رہا ہے، لوگ کیسے کیسے عقیدے لیے ہوئے بیٹھے ہیں، کھلا ہوا شرک ہے تو "تقویت الایمان" لکھی، کسی نے کہا کہ بتدریج لکھیے، کہنے لگے کہ میں جہاد میں جا رہا ہوں اور اگر مجھے اطمینان ہو تا کہ میں وہاں سے زندہ بچ کر آؤں گا تو میں اس کو تدریج کے ساتھ بیان کرتا اور اس کو ہلکا کرتا، لیکن مجھ کو اس کا بھروسہ نہیں، اس لیے میں تو سب ایک مرتبہ کہہ دینا چاہتا ہوں اور لکھ دینا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس کتاب سے جتنا فائدہ پہنچایا، میرے علم میں بہت کم اس طرح کی کتابیں ہیں جن سے اتنا فائدہ پہنچایا، یہ آپ لوگ سمجھیں اچھی طرح۔

اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ کسی طریقہ سے جس راہ سے شیطان حملہ کرے، عام آبادی پر اور مسلمانوں پر، اور جس میں وہ کامیاب ہو جائے، اور ایسا کامیاب ہو کہ دین دار لوگ بھی اس کے زخم خوردہ ہوں تو عزیمت کا کام یہ ہے کہ اس زمانہ میں اس کا انتخاب کر کے اس کے خلاف صف آرا ہوں، ہمارے بزرگوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ صف آرا ہو جاتے تھے، وہ اعلان کے ساتھ میدان میں آتے تھے، اور کہتے تھے تمہیں جو کرنا ہے کرو ہمیں تو یہ کرنا ہے ہمیں تو یہ مہم چلانی ہے، اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ ان چیزوں کو تلاش کریں۔

ان چیزوں میں سے ایک چیز تو اس وقت بہت زیادہ عام اور ایسی ہو گئی ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ علما میں نہیں بلکہ اللہ نے جن کو ذرا بھی توفیق عطا فرمائی ہے ان کو کم سے کم برأت الذمہ کے لیے کہ اللہ کے یہاں جواب دہ نہ ہوں، ان کے خلاف کچھ نہ کچھ آواز اٹھانی چاہیے۔ وہ ہندوستان کا فتنہ ہے، بہار میں وہ خاص نام سے جانی جاتی ہے اور شاید میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہاں زیادہ ہے لیکن یہاں بھی بہت ہے، اور وہ ہے جس کو تلک (جہیز نما چیز) کہا جاتا ہے اور بہار کے مسلمان اس کو سلامی کہتے ہیں، میں آپ سے صاف کہتا ہوں، یہ وہ چیز ہے جس میں شیطان نے قلعہ بنایا ہے، شیطان نے انڈے اور بچے دیے ہیں اس آشیانے کے اندر اور یہ غضب الٰہی کو بھڑکانے والی چیز ہے۔ ایک شریف گھرانے سے، ایک معصوم بے گناہ عورت کے دل سے اگر آہ نکل گئی کہ یا اللہ جس مسلک میں اتنے علما ہوں، اتنے مصنف ہوں، اتنے باحمیت مسلمان ہوں، وہاں یا تو ہماری جوانی ختم ہو، ہمارے والد، ہمارے ماں باپ منہ دکھانے کے قابل نہ ہوں، یا زہر کھا کر مر جائیں یا ہم گناہ میں مبتلا ہوں، اس کے سوا کوئی راستہ نہیں، آج وقت کا جہاد یہ ہے کہ سب سے پہلے تو یہ کہ بے تکلفی معاف، پہلے تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میں سے اکثر کی شاید شادیاں نہ ہوئی ہوں، اگر بہت چھوٹی عمر میں شادیاں ہو جاتی ہوں، تو میں معافی چاہتا ہوں، لیکن یہ نہیں ہے تو کم از کم ایک تعداد آپ کے یہاں ایسی نکلے گی جو ابھی اس مرحلہ سے گزری نہ ہو گی، پہلے آپ نمونہ قائم کریں، صاف کہہ دیں کہ ہمیں کچھ لینا دینا نہیں، ہم نمونہ قائم کرنا چاہتے ہیں، ہم بالکل سنتِ نبویؐ کے مطابق نکاح کرنا چاہتے ہیں۔

ہمارے خاندان میں (اللہ کے فضل سے ہمارے خاندان کو بہت کچھ ملا تھا) متعدد ایسے واقعات ہیں۔ حضرت سید کے نواسے سید محمد عمران، ٹونک کی مسجد میں کھڑے ہوئے کہ صاحب! ذرا ٹھہر جاؤ، محمد یوسف کا کسی بیٹے یا بھتیجے کا نام لیا، اس کا نکاح ہونے والا ہے۔ کسی کو خبر نہیں ہے، عزیزوں کو، خود گھر والوں کو خبر نہیں ہے، کوئی جوڑا بھی پہن کر نہیں آیا، خود نکاح پڑھایا، اس کے بعد رخصتی ہوئی، اور دو چار دس بیس آدمیوں کو بلا لیا ولیمہ کے لیے۔ بارہا ایسا ہوا ہے، حضرت سید صاحب کی جماعت میں تو ایسے بہت سے واقعات ہیں۔ حافظ محمد ولی صاحب سے جناب وجیہ الدین صاحب نے کہا کہ آپ کا بھتیجا اتنا بڑا ہو گیا ہے، آپ کی لڑکی کی بھی کافی عمر ہو گئی ہے تو شادی ہو جائے، انہوں نے کہا بہت ٹھیک ہے، کہا کب، کہا اس جمعہ کو ہو جائے۔ کہا اعلان ہو جائے؟ کہا: کچھ نہیں! سب کام چُپ چاپ ہو گیا۔ دہلی میں سیرت کا جلسہ تھا، کافی مجمع تھا، میں نے تقریر میں مسلمانوں سے کہا، آپ اس اُمت میں ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ۝ (سورۃ الانفال:۳۳)

"اور (اے پیغمبر) اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کو اس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو، اور اللہ اس حالت میں بھی ان کو عذاب دینے والا نہیں ہے جب وہ استغفار کرتے ہوں۔"

ہم اس قابل نہیں، ہم خاکِ پا کی طرح بھی نہیں، لیکن یقیناً ہم اس نبیؐ کی اُمت ہیں جن کے وجود گرامی کے ساتھ عذاب نہیں آ سکتا، جب تک آپ اس دنیا میں ہیں، آج آپ ﷺ اس ناسوتی دنیا (عالَمِ اجسام) میں نہیں ہیں لیکن، ان کی اُمت تو ہے۔ اتنی بڑی تعداد میں جس ملک میں اُمت موجود ہو تو اس میں ایسا اندھیرا ہو رہا ہے، اس میں ایک ماہ میں ایک سو اسی لڑکیاں دلی میں جلا دی جاتی ہوں، یہ میں نے 'قومی آواز' میں پڑھا، جو کانگریس کا اخبار ہے اور سارے ہندوستان میں ہو رہا ہے، ابھی کل ہی میں نے انگریزی اخبار میں جہاز پر آتے ہوئے پڑھا کہ مہاراشٹر میں کسی کی ماں کو پھانسی دے دی گئی، کسی نوجوان نے اپنی ماں یا باپ کی مدد سے بیوی کو جلا دیا، کیوں؟ اس لیے کہ اسکوٹر نہیں ملا، موٹر نہیں ملی، تم جینے کے قابل نہیں ہو تم کو مار ڈالیں گے، تم نکل جاؤ، گلا گھونٹ دیں گے، اللہ تعالیٰ کیسے اس کو پسند فرما سکتا ہے؟ اس کے خلاف مہم چلانے کی ضرورت ہے اور اگر آپ فارغین یہ طے کر لیں کہ ہم اپنا علاقہ میں یہ مہم چلائیں گے۔ عہد لو، قسمیں لو، حلف لو، قرآن مجید ہاتھ میں دو، جو بھی ذریعہ ہو سکتا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 51 پر)

عصرِ حاضر کا سِحر... پہچان، حفاظت اور تعامل

(دوسرا اور آخری حصہ)

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

یہ تحاریر بنیادی طور پر شیخ ابو قتادہ فلسطینی حفظہ اللہ کے کتابچے "درك الهدى في اتباع سبيل الفتى" (نوجوان کے نقش قدم پر حصول ہدایت کا سفر) کو سامنے رکھ کر مرتب کیے گئے دروس کا مجموعہ ہیں، کتابچے میں شیخ نے اصحاب الاخدود والی حدیث کی شرح کی ہے اور اس میں موجود حکمت کے ان موتیوں کو سمیٹا ہے جو دعوت و جہاد کے راہیوں کے لیے انتہائی اہم اور قیمتی ہیں۔ اللہ یہ اسباق سمجھنے اور ان پر عمل کی توفیق دے، آمین۔ (ادارہ)

غلامی کا اصل سبب

انسانوں کا استحصال کرنے اور ان کا خون نچوڑنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی طرح ان کی عقل پر حیوانی شہوات کو غالب کیا جائے۔ ایسا جب ہوتا ہے تو عقل چاہے جتنی بھی اعلیٰ ہو، وہ بس تکمیلِ شہوات کا ایک حقیر وسیلہ بن کر رہ جاتی ہے، اس میں شکم و شرم گاہ سے اوپر کوئی اور بات سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی، وہ تمام تر معاملات کو بس اس حیوانی معیار پر تولتا ہے اور اس شہوانی عینک سے ہی دیکھتا ہے[1]۔ 'کھاؤ، پیو اور عیش کرو......' اس کی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد اور تمام تر فکر و سعی کا واحد محور قرار پاتا ہے، پھر یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ کسی عقیدہ، اصول یا نظریے کی خاطر کھڑا ہو اور اس کی خاطر اپنے چین و آرام کو خطرے میں ڈالے۔ اس کے ہاں سچ و جھوٹ، حق و باطل، عدل و ظلم، عزت و ذلت اور طاعت و معصیت...... خیر و شر کے یہ تمام ترپیانے لایعنی اور (نعوذ باللہ) فضول بن جاتے ہیں۔ اللہ کا دین زمین میں مغلوب ہو، اہل ایمان پر وحشیانہ مظالم جاری ہوں، انسانوں کا انسان ہی کے ہاتھوں بدترین استحصال ہو رہا ہو اور دنیا پر ظلم و جبر کا راج ہو، یہ سب کچھ دیکھ کر ہر صاحبِ ایمان کی روح تڑپ جانی چاہیے اور اس کا چین و سکون تباہ ہو جانا چاہیے... مگر خواہشِ نفس کا اسیر یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتا، اس کے ماتھے پر شکن تک نہیں آتی، اس کے قلب و ذہن کی سوئی کا رخ تو بس اس کے نفس کی چاہتوں کی طرف رہتا ہے، ان چاہتوں کے سبب وہ راضی رہتا ہے اور انہی کی وجہ سے ناراض، وہ بس اس دنیا کا بندہ اور غلام ہوتا ہے، اور یہی دنیاوی سامان ہی اس کا خدا ہوتا ہے[2]۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی ان چاہتوں ہی کے ذریعے پھر اسے رام کیا جاتا ہے، غلام بنایا جاتا ہے اور انہی کا سہارا لے کر اسے دھوکہ و فریب بھی دیا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت فرعون کے بارے میں فرماتے ہیں: فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ "فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا، اپنے باطل کو ان کے سامنے حق ثابت کیا اور پھر قوم نے بھی بے وقوف بن اس کی بات مانی۔ ساتھ ہی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ قوم کے اس بے وقوف بن جانے کی وجہ بھی بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں، سبب یہ تھا کہ قوم شہوات میں پڑی ہوئی تھی، إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ "حقیقت یہ ہے کہ وہ سب گناہ گار لوگ تھے"۔

سچ یہ ہے کہ انسان دوسروں کا غلام دوسروں کی طاقت کی وجہ سے نہیں، اپنے اندر کی کمزوری کے سبب بنتا ہے، انسان کو کمزور کرنے اور اسے دوسروں کے قدموں میں جھکانے کا سب سے بڑا سبب خود انسان کے اندر کی اس کی شہوات ہیں۔ جس نے اپنی ان شہوات پر قابو پا لیا، دنیا کی کوئی طاقت اسے غلام نہیں بنا سکتی ہے۔ مگر جب انسان اپنی شہوات کا غلام بنتا ہے تو پھر اس کی یہ شہوات ہی ہیں جو اس کے گلے کی وہ رسی بن جاتی ہیں جسے دوسرے جب چاہے پکڑ کر اسے ہانکتے، باندھتے اور اس کا استحصال کرتے ہیں۔ عیش کے چند میسر نوالوں سے محروم نہ ہونے اور مزید حاصل کرنے کی یہ حرص ہی ہوتی ہے جو اسے ہر ظالم کے سامنے جھکنے اور ہر باطل کے ساتھ سمجھوتہ کرنے اور اس کی مرضی میں ڈھل جانے پر مجبور کرتی ہے۔ یہی وہ وجہ ہے کہ مسلط طبقات کی بھی ہمیشہ کوشش رہتی ہے کہ عوام کے اندر ہوس و حرص کی یہ آگ کبھی ٹھنڈی نہ ہو۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ حرص و ہوس کا علاج، عفت و قناعت ہے، حرام شہوت رانی نہیں ہے۔ ناجائز ذرائع سے ہوس کی پیاس بجھتی کب ہے؟ انسان کو اللہ نے پیدا ایسا کیا ہے کہ اگر وہ حرام سے اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کرے گا تو اس کی پیاس کبھی نہیں بجھے گی، اس میں ہر حرام گھونٹ کے ساتھ اضافہ ہوگا، حرص و ہوس 'حبّ الدنیا و کراهية الموت' نامی مرض کا نام ہے اور لوگ جتنا اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ان کی غلامی کی زنجیریں اتنی ہی بھاری اور طویل ہوتی جاتی ہیں۔

میڈیائی جادو اور باطل کی چار چالیں

باطل اپنی کمزور اور مبنی بر فساد مہم کو مؤثر بنانے کے لیے جس طرز کی چالیں چل سکتا ہے، وہ ساری کی ساری آج کے میڈیا میں کمال کی حد تک استعمال ہوتی ہیں۔ شہوات، دھوکہ و فریب،

---

[1] آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: إِنَّ مِمَّا أَخْشَى عَلَيْكُمْ شَهَوَاتِ الْغَيِّ فِي بُطُونِكُمْ وَفُرُوجِكُمْ وَمُضِلَّاتِ الْهَوَى "تمہارے بارے میں جس چیز کا مجھے سب سے زیادہ ڈر ہے وہ تمہارے پیٹ اور شرم گاہ کی ناجائز شہوات اور تمہیں گمراہ کرنے والی خواہشات ہیں (مسند أحمد)

[2] ایسے حرص و ہوس کے غلاموں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے: تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيصَةِ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيلَةِ: إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وَإِنْ مُنِعَ سَخِطَ تَعِسَ وَانْتَكَسَ وَإِذَا شِيكَ فَلَا انْتَقَشَ، "ہلاک ہو دینار اور درہم اور چادر کا بندہ، اگر اس کو یہ چیزیں دی جائیں تو خوش ہو اور اگر نہ دی جائیں تو ناراض ہو۔ ایسا شخص ذلیل اور سرنگوں ہو جب اس کے کانٹا چبھے نہ نکالا جاوے"۔

شبہات اور دہشت، یہ وہ چار بنیادی ہتھکنڈے ہیں جو انسانی تاریخ میں ہمیشہ شیطانی قوتوں نے انسان کو گمراہ کرنے اور اس کا استحصال کرنے کے لیے استعمال کیے ہیں۔ دورِ حاضر کا میڈیا بھی یہی چار حربے پہلے سے کہیں زیادہ مہارت اور جدید ترین ٹیکنالوجی کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ ان حربوں کے بنیادی طور پر دو اہداف ہیں: Convince یعنی قائل کرو...یاConfuseیعنی الجھاؤاور شک میں ڈالو! شہوات ابھارنے اور ان کی آگ کو مسلسل بھڑکتا رکھنے کے لیے تاریخِ انسانی میں شیاطین کو موجودہ میڈیا جیسا مؤثر اور خطرناک ہتھیار کبھی ہاتھ نہیں آیا ہو گا۔ حرص و ہوس سے جب فطرتِ انسانی کو بگاڑتے ہیں تو نتیجے میں عفت و حیا کا جنازہ نکلتا ہے۔ یوں نہ اس کے دل میں ایمان رہتا ہے اور نہ ہی اس کی انسانیت بچ پاتی ہے[1]۔

دوسرا حربہ جھوٹ اور دھوکے کا استعمال ہوتا ہے۔ اسے باور کرایا جاتا ہے کہ جو کچھ اسے کہا جا رہا ہے، یہی سچ اور حق ہے، جو طرزِ فکر اور زندگی گزارنے کا ڈھنگ اسے دکھایا جاتا ہے، اسی میں اس کی فوز و فلاح ہے۔ اگر کوئی دھوکے میں نہیں آرہا ہو اور پھر بھی حق اور سچ تلاش کرنا چاہتا ہو، تو پھر تیسرا حربہ دہشت کا ہے، ایسے فرد کے سامنے جینے کے تمام تر راستے مسدود دکھائے جاتے ہیں، اور ڈرایا جاتا ہے کہ فقر و فاقہ یا موت اس کا انجام ہو گی۔ ایسے میں بس جس فکر اور آرزو کو میڈیا میں فیشن اور آگے بڑھنے کا ذریعہ بتایا جائے، ناظرین و سامعین کو بھی قائل ہونا پڑتا ہے اور وہ خود سے اسے اپنے قلب و ذہن میں سجا دیتے ہیں۔ کیا خیر ہے اور کیا شر؟ کون دوست ہے اور کون دشمن؟ کیا مفید و قابلِ حصول ہے اور کیا قابلِ نفرت اور باعثِ حقارت؟ اس سب کا فیصلہ کہنے کو تو ناظرین ہی کرتے ہیں، مگر میڈیا کا سحر دیکھیے کہ یہ زیادہ تر وہی فیصلہ ہو گا جو میڈیا ان سے کراتا ہے۔ اس قائل کرنے میں اگر میڈیا ناکام ہو جاتا ہے تو... پھر میڈیا کے سامنے دوسرا پروگرام، دوسرا ہدف بھی ہے، اور وہ ہے الجھانا اور شک میں ڈالنا...! اور اس کے لیے وہ اپنا چوتھا حربہ 'شبہات' استعمال کرتا ہے۔ کوئی فرد میڈیا میں موجود حق کو باطل کہے، تو مسئلہ نہیں، کہتا رہے، مگر کیا حقیقت میں حق ہے، اور کیا واقعی حق راستہ ہے؟ باطل کا دوسرا ہدف یہ ہے کہ ناظرین کو اس سچ تک پہنچنے سے روکے، اس حوالے سے شکوک پیدا کرے اور انہیں الجھائے رکھے۔ عوام کی حقیقی 'حق' تک رسائی روکنے کے لیے حق اور سچ کے گرد شبہات کا ایک خطرناک جال بچھایا جاتا ہے اور طرح طرح کے جھوٹ اور اعلیٰ قسم کے سازشی نظریات (Conspiracy theories) گھڑے جاتے ہیں۔ ان شبہات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ناظرین باطل کو تو باطل کہتے ہیں مگر مطلوب حق تک ان کی نظریں کبھی نہیں پہنچ پاتیں۔ برے نظام کو برا کہہ کر اور بروں کو برا جان کر بھی ان کی نگاہیں ان بروں ہی میں پھنستی ہیں۔ اس نظریہ پر باقاعدہ ایمان لایا جاتا ہے کہ "جمہوریت برا نظام ہے مگر تاریخ انسانی میں سب سے کم برا نظام یہی جمہوریت ہے"، لہٰذا وہ جمہوریت کو غلط کہہ کر بھی اسی کے اندر حل تلاش کرتے ہیں۔ میڈیا کے سازشی نظریات کا 'ثمرہ' ہے کہ لوگوں کو پتہ ہی نہیں ہے کہ اس دور میں، کہ جس کو مادہ پرستی کی معراج اگر کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا، اہلِ ایمان کے ہاتھوں وقت کی سپر پاور ذلیل ہو گئی ہے اور کفر و ظلم کے غلیظ نظام کے مقابل اسلام کا مبارک قافلہ فتح یاب ہو گیا ہے۔ میڈیا، اس کے شیطانی حربوں، اس کے جھوٹ اور اس میں بولنے والوں کے 'اخلاق' کو دیکھیں تو یہ حدیث جیسے آج کے دور پر ہی صادق آتی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"عن قریب لوگوں پر دھوکے اور فریب کے چند سال آئیں گے کہ ان میں جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا، خائن کو امانت دار اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا اور اس زمانہ میں امورِ عامہ کے بارے میں کمینہ اور حقیر آدمی بات چیت کرے گا۔"[2]

میڈیا "غیر جانب دار" ہے!

عراق پر حملہ ہوا تو امریکی چینل سی این این، برطانوی بی بی سی اور عرب کے الجزیرہ سمیت تمام دنیا کے بڑے نشریاتی اداروں نے دکھایا کہ عراقی عوام امریکی فوجیوں کا خیر مقدم کرتی ہے، فوجیوں کے گلوں میں ہار ڈالتی ہے اور صدام کے مجسمے کو گرا کر گلی کوچوں میں گھسیٹتی ہے۔ سالوں بعد بی بی سی کا وہی صحافی جو تب بغداد میں کھڑا عراقی عوام کا 'جشن' دکھا رہا تھا، ایک دستاویزی فلم[3] میں اعتراف کرتا ہے کہ جو کچھ ہم نے دکھایا تھا، غلط تھا، ہم نے امریکی افواج کی ہدایات پر ہی فلم بندی کی تھی، مناظر سب جعلی تھے اور عوام نے امریکیوں کا استقبال نہیں کیا تھا۔ اسی دستاویزی فلم میں امریکی وزارتِ دفاع کا ایک سابقہ عہدیدار اعتراف کرتا ہے کہ عراقی جنگ میں ہم نے فوجیوں کے ساتھ اپنے سات سو صحافی بطور آلۂ کار (embedded journalists) بھیجے تھے، یہ صحافی ہماری ہی تیار کردہ رپورٹیں اور ہمارے ہی منظور کردہ مناظر نشر کرتے تھے۔ فلم میں ایک صحافی کہتا ہے کہ موصل کے سقوط کی خبر ہم نے کئی دفعہ نشر کی مگر حقیقت یہ تھی کہ تب تک امریکی فوج موصل میں گھس ہی نہیں سکی تھی اور جب واقعی موصل کا سقوط ہوا، تو اس سے پہلے پندرہ دفعہ سقوط کی غلط خبر ہم نشر کر چکے تھے، ظاہر ہے سقوط کی غلط خبر نشر کرنا 'خبر' نہیں ہوتی، بلکہ یہ جنگی حکمتِ عملی کا حصہ ہوتا ہے اور مقصد مخالف قوت کا حوصلہ پست کرنا اور اسے پسپا کرنا ہوتا ہے۔ امارتِ اسلامی افغانستان پر جب حملہ ہوا، طالبان مجاہدین قندھار میں ڈٹے ہوئے تھے، امریکی اتحاد کا کوئی ایک فوجی بھی تب تک

---

[1] آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: الْحَيَاءُ وَالْإِيمَانُ قُرِنَا جَمِيعًا، فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ "حیا اور ایمان ساتھ ساتھ رہتے ہیں، جب ایک اٹھتا ہے تو دوسرا بھی (دل سے) اٹھ جاتا ہے"۔ آج باطل اپنے میڈیا میں ایمان کو دلوں سے نکالنے کی دعوت نہیں دیتا، یہ دعوت وہ کھلم کھلا دے بھی نہیں سکتا ہے، سارا زور دلوں سے حیا نکالنے پر ہے، اور ظاہر ہے حیا جب نکل جاتی ہے تو پھر اسلام اور ایمان بھی سینوں میں نہیں رہتا۔

[2] "سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ، يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ، وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ، وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ، وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ، وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ» ، قِيلَ: وَمَا الرُّوَيْبِضَةُ؟ قَالَ:الرَّجُلُ التَّافِهُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ"سنن ابن ماجه

[3] "The War You Don't See" by John Pilger

وہاں داخل نہیں ہو سکا تھا، مگر بی بی سی پشتو سروس سرخیوں پر سرخیاں چلا رہی تھی کہ قندھار کا سقوط ہو گیا ہے اور امریکی اتحاد نے شہر کا کنٹرول سنبھال لیا ہے۔ طالبان قائدین تو بی بی سی کی اس 'غیر جانب داری' پر حیران ہی تھے، مگر عام مجاہدین کو اس خبر نے غلط فہمی میں ڈالا، نقصان ہوا اور یہ نقصان دینا ہی امریکہ کو 'بی بی سی' سے مطلوب تھا۔ جب جسموں پر حکمرانی کرنی ہو تو لازم ہوتا ہے کہ ذہنوں کو بھی ماتحت اور مسحور کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ ۲۰۰۱ء میں امریکہ نے جب افغانستان پر حملہ کیا، تو خاص امریکیوں کے پاس براہ راست کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا کہ جس سے افغانیوں کی فکر پر قابض ہو سکیں، اس مقصد کے لیے حملے کے ساتھ ہی پشتو ریڈیو سروس کے آغاز کا فیصلہ کیا، امریکی کانگریس نے اس کے لیے خطیر رقم کی منظوری دی، اور حملے کے تیسرے مہینے یکم جنوری ۲۰۰۲ء کو 'آزادی ریڈیو' کے نام سے وائس آف امریکہ کی پشتو سروس شروع ہوئی۔ خبروں کا آغاز 'دا ده آزاد افغانستان غگ دے' (یہ آزاد افغانستان کی آواز ہے!!)، گویا زمین پر قبضہ کے ساتھ ہی دل و ذہن پر قبضے کا کام بھی شروع ہوا اور اس کے لیے وہی رات کو دن اور قبضے کو آزادی کا نام دیا گیا۔ اس چینل کو عام عوام میں مشہور کرانے کے لیے امریکی فوج نے دور دراز کے دیہات میں جا کر افغانیوں میں مفت ریڈیو تقسیم کیے، یہ ریڈیو شمسی (solar panel) سے چارج ہوتا تھا، یعنی بیٹری لینے کا خرچہ بھی نہیں اٹھانا پڑتا تھا اور اس پر 'وائس آف امریکہ' کا مذکورہ چینل آسانی سے آتا تھا۔ پچھلے اٹھارہ سالوں سے یہ چینل ''غیر جانب دار'' خبریں و تبصرے نشر کر رہا ہے۔ عالم عرب میں برطانیہ نے جب اسرائیل کا خنجر گھونپنا تھا تو اس کے لیے بھی انہیں عرب رائے عامہ کو دھوکہ دینے اور ان کے ذہنوں کو غلام بنانا درکار تھا، اس مقصد کے لیے ۱۹۳۹ء میں پہلی دفعہ بیت المقدس کے اندر ایک چھوٹا سا ریڈیو اسٹیشن کھولا گیا، یہ اسٹیشن برطانوی قابض فوج کے تحت چلتا تھا اور انہی کی زہریلی مگر خیر خواہی کے جھوٹے اکسیر میں ڈبوئی ہوئی پراپیگنڈا مہم چلاتا تھا، یہی بعد میں 'بی بی سی عربی' میں تبدیل ہوا، جو آج تک اپنی 'مہم' پر کاربند ہے۔ یہی حال بی بی سی اردو کا ہے، جب یہاں غلام فکر کو نشوونما دینے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ۱۹۴۱ء میں اس سروس کا آغاز کیا گیا، حالانکہ تب برطانیہ یہاں سے کوچ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ پھر عربی، اردو، پشتو کسی بھی زبان میں آپ 'بی بی سی' کی نشریات ملاحظہ کیجیے، کہیں سے بھی یہ خبروں کا ادارہ نہیں ہے۔ یہ فکر و اخلاق تبدیل کرنے اور اپنی فسادی تہذیب کو پروان چڑھانے کا ان کا ایک تبلیغی ادارہ ہے۔ یہی حال تمام دیگر نشریاتی اداروں کا ہے، یہ ادارے بین الاقوامی ہوں یا قومی، ان کی تاریخ اور روز مرہ کے موضوعات و انداز صحافت بتا رہا ہے، اعلان کر رہا ہے کہ یہ غیر جانب دار قطعاً نہیں ہیں۔ جنگ و امن، سیاست و معیشت، تہذیب و معاشرت اور دین و مذہب ہر ہر معاملے میں سب کا اپنا یجنڈا ہے اور اسی کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔

میڈیا کی ''غیر جانب داری'' کی واضح مثال جو ہر خاص و عام کو آسانی سے سمجھ آ رہی ہے، پاکستانی میڈیا ہے۔ یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں بلکہ سب کے سامنے واضح ہے کہ یہاں کا میڈیا کون کنٹرول کر رہا ہے، کون ہے کہ جس کے کہنے پر نان ایشو کو ایشو بنایا جاتا ہے اور انتہائی اہم موضوعات کو مکمل طور پر غائب کیا جاتا ہے؟ دس لاکھ سے زائد افراد پر مشتمل اجتماع ہوا، پنڈی جیسے مرکزی شہر میں ہوا، مگر چونکہ یہ شہید ممتاز قادری رحمہ اللہ کا جنازہ تھا، اس لیے کسی ایک ٹی وی چینل پر بھی اس کی چھوٹی سی خبر بھی نہیں آ سکی۔ پاکستان کے ایک بڑے سرمایہ دار پر عدالت نے حال ہی میں بدعنوانی کے چار جز لگائے، اہم اور بڑی خبر تھی، مگر ملک کے سب سے بڑے پانچ اخبارات میں یہ خبر کہیں اپنی جگہ نہیں بنا سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ میڈیا، معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو عوام کے سامنے لانے کا ذریعہ کم ہے، اور اسے چلانے والی طاقتیں حقائق کو جس طرح دکھانا چاہتی ہیں، میڈیا اصلاً خاص اُس خواہش کے مطابق حقائق کو تبدیل کرنے کا ذریعہ ہے۔ میڈیا چلانے والوں کے مفادات کو جو مناظر، خبریں، تبصرے اور پروگرام تقویت دیتے ہوں، یہاں زیادہ تر وہی نشر ہوں گے اور اسی کو عرف عام میں 'غیر جانب دار' میڈیا کہتے ہیں۔

میڈیا میں دینی موقف

ویسے تو عوامی مسائل اور ان کے حقوق کو بھی میڈیا میں خوب زیر بحث لایا جاتا ہے، ایک دائرے میں بعض مسائل (نہ کہ سب مسائل) کا واقعی حل بھی پیش کیا جاتا ہے، اسی طرح دین و مذہب کا موقف پیش کرنے والے مہمانوں کو بھی یہاں بعض اوقات 'شرف' بخشا جاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سب گہما گہمی کا مقصد بس اپنی 'غیر جانب داری' کی جعلی نمائش ہے، یہ نہیں کریں گے تو لوگ اعتماد کیسے کریں گے؟ اس نمائش ہی کے سبب جادو اثر کرتا ہے اور ان کا اصل ایجنڈا پورا ہو پاتا ہے۔ یہاں اس دجل کو بھی آپ نے ملاحظہ کیا ہو گا کہ دینی موضوعات پر قصداً بس خاص ایسے مذہبی افراد و شخصیات کو لایا جاتا ہے جن کا یا تو اپنا موقف سیکولر اور غیر اسلامی ہو، یا وہ کمزور ہوں اور اسلام کا موقف صحیح طرح بیان نہ کر سکتے ہوں۔ بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ اسلام کا چودہ سو سالہ تسلسل کے ساتھ آیا ہوا موقف بھی کوئی بیان کر رہا ہو اور اسے بھی میڈیا میں موقع دیا جاتا ہو۔ غرض میڈیا کا یہ دجل ہی ہے، کہ اسلام اور مذہب کے نام پر یہاں دکھائی جانے والی مذہبی اسکالروں کی یہ نمائش بھی فی الحقیقت اسلام ہی کے خلاف جاتی ہے اور مجموعی طور پر وہ لوگوں کو دین کے قریب نہیں، بلکہ دین ہی سے دور کرنے کا سبب بنتی ہے۔

میڈیا پر قابض سہ فریقی مثلث

عام طور پر میڈیا تین طبقات یا فریقوں کی خواہشات کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ تین فریق ریاست، سرمایہ دار اور خود صحافی ہیں...... ریاست ویسے تو کئی اداروں کا نام ہے، مگر حقیقت میں پاکستان کے اندر اس سے مراد ملک کے جرنیل ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ابھی تک ملک کا حقیقی حکمران بھی یہی جرنیلوں کا طبقہ ہے۔ ملک میں موجود تمام تر نشریاتی ادارے اس حکمران طبقہ کے کھینچے گئے خطوط پر حرکت کرتے ہیں۔ یہ وہ دائرہ ہوتا ہے جو در حقیقت اس مقتدر طبقہ کے مفادات کی

حفاظت کرتا ہے۔ یہ دائرہ ویسے تو چھوٹا نہیں ہے، بولنے کے بے شمار موضوعات اس میں ہوتے ہیں، مگر سچ اور حق کا ایک بڑا اور اہم حصہ ایسا بھی ہے کہ جس کا بولنا یہاں بہر حال منع ہوتا ہے۔ صحافیوں کو اس دائرے کے اندر رکھنے اور انہیں 'ریاستی' (دوسرے الفاظ میں جرنیلوں کے مفادات پر مبنی) بیانیے کا پابند کرنے کی یہاں بے شمار مثالیں ہیں۔ 'ریاست' میڈیا کو اپنا ماتحت کرنے کے لیے ترغیب اور ترہیب دونوں ہتھیاروں کا استعمال کرتی ہے۔ کوئی صحافی یا ادارہ ترغیب کے سبب فوج کی زبان بولتا ہے، تو کوئی لاٹھی دیکھ کر زبان، لہجہ اور موضوع تبدیل کرتا ہے۔ یہاں تمام تر نشریاتی اداروں کے پل پل کی باقاعدہ نگرانی ہوتی ہے، نشریات نشر کرنے کا آخری اختیار خود 'ریاست' کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل تو کئی دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ بولنے والوں کے ہونٹ ہلتے ہیں مگر آواز غائب ہو جاتی ہے، خود صحافیوں کے مطابق اس کا سبب یہ ہے کہ اس پر نگرانی کرنے والوں نے اس وقت خاموشی کا بٹن دبایا ہوتا ہے۔ نشریاتی اداروں کو پہلے سے تحریری 'آداب' بھی بھیجے جاتے ہیں اور ان 'آداب' کی بہر حال رعایت کرنے کی 'تاکید' بھی کی جاتی ہے، اگر کوئی فرد یا ادارہ تھوڑا سا بھی اس سے دائیں بائیں ہوتا ہے تو اسے فوراً ٹوکا جاتا ہے۔ ٹوکنے کے باوجود بھی اگر کوئی 'اظہارِ رائے' پر بضد ہو تو اُسے غائب کیا جاتا ہے، اس کے پیٹ میں گولیاں اتاری جاتی ہیں، لاش کسی ندی نالے میں پھینکی جاتی ہے یا ایسے فرد کو کسی جھوٹے مقدمے میں پھنسا دیا جاتا ہے[1]۔

یہاں کا میڈیا بین الاقوامی طاقتوں کے بھی اکثر زیر اثر رہتا ہے، یہ طاقتیں بھی ٹی وی چینلوں کو کسی خاص موقف یا مہم چلانے کے لیے بھاری رقوم فراہم کرتی ہیں اور چینل بالکل جانبدار بن کر عوام کی رائے تبدیل کرنے کے لیے اپنا پور زور لگاتا ہے۔ مثلاً حدود آرڈیننس کے خلاف رائے عامہ بنانے کے لیے ایک پاکستانی چینل نے بھرپوری مہم چلائی، مشہور بات ہے کہ اس مہم کے لیے اسے رقم امریکی اداروں نے فراہم کی تھی۔ باقی کئی مہمات میں تو اس چینل نے خود بھی برطانیہ و دیگر ممالک کی طرف سے سپورٹ کا اعتراف کیا ہے۔ چونکہ اکثر ایسی مہمات خود مقامی ریاست کے ایما اور رضامندی سے انجام پاتی ہیں، اس لیے ان طاقتوں کا ذکر علیحدہ سے عرض نہیں کیا۔

دوسرا فریق نشریاتی اداروں کے مالکان اور سرمایہ داروں پر مشتمل ہے۔ حرص و ہوس اور شہوات کے فروغ کا چونکہ براہ راست سرمایہ داروں کے سرمائے سے تعلق ہے، اس لیے سرمایہ داروں کے پاس اس مقصد کو حاصل کرنے کا مؤثر ذریعہ میڈیا ہی ہے۔ پھر اس کے علاوہ میڈیا کا ہر نشریاتی ادارہ کسی نہ کسی بڑی سرمایہ دار پارٹی کے سیاسی اور تجارتی مفادات کا نگران بھی ہوتا ہے اور اس مقصد کے لیے متعلقہ سرمایہ داروں کے ساتھ مکمل ہم آہنگی سے کام کرتا ہے، چاہے یہ تعاون عوام کے استحصال کی قیمت پر کیوں نہ ہو۔ امریکہ میں میڈیا پر ان سرمایہ داروں کا اثر ورسوخ بڑا واضح ہے۔ سرمایہ داروں کا کردار یہاں اس قدر قوی ہے کہ الیکشن کے دوران عوامی رائے سازی میں وہ جس کے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں، میڈیائی ادارے بھی اس کی تائید شروع کرتے ہیں اور یوں اسے بھاری ووٹ ڈلوا دیے جاتے ہیں۔ عوام کی رائے کو بنانے والا گویا میڈیا ہوتا ہے اور خود میڈیا کی جان سرمایہ داروں کے پیسے میں ہوتی ہے۔ میڈیا اور سرمایہ داروں کے بیچ اس تعلق کے لحاظ سے کوئی ملک مستثنیٰ نہیں، پاکستان سمیت پوری دنیا میں دونوں طبقات کا مفادات پر مبنی یہ اتحاد بڑا قوی ہے۔

تیسرا طبقہ جس کے اپنے ذہنی اور مفاداتی رجحانات کے سبب میڈیا کبھی غیر جانبدار نہیں رہ سکتا، وہ خود صحافیوں کا طبقہ ہے۔ صحافی کی اپنی اخلاقی سطح کیا ہے؟ اس کی فکری وابستگی، پسند ناپسند کے رجحانات اور ذاتی مفادات جیسے محرکات ہی ہیں جو اس کی صحافت پر اثر ڈالتے ہیں۔ ہر صحافی اور ہر ادارہ اپنے اس پس منظر کے مطابق خبر دیتا ہے اور انہی کے مطابق تبصرہ کرتا کرواتا ہے۔ اگر تو صحافی ایمان دار ہو اور اخلاقی لحاظ سے اچھا ہو (جو آج نہ ہونے کے برابر ہیں) تو ایسا شریف بندہ ہمیشہ زیر دباؤ ہوتا ہے اور زبان بندی پر ہی مجبور رہتا ہے۔

اصول پسند اور اسلام پسند صحافی

میڈیا کے سب افراد اور سارے ادارے یقیناً ایک جیسے نہیں ہیں، یہاں پر اثر پذیر تینوں فریقوں کے بیچ بھی ہر ہر معاملے میں ہم آہنگی نہیں، کئی امور میں واضح فرق بھی ہے، پھر خود صحافیوں میں بھی بعض اصول پسند، باخبر و فہیم اور سول بالادستی کے داعی ہیں، جبکہ ایک بڑی تعداد بے اصول، بڑبولے اور حد درجہ بے وقوفوں کی ہے۔ مگر ایک امر ہے جو ایک آدھ کو چھوڑ کر سب میں مشترک ہے، وہ نظریاتی سطحیت ہے اور نظر و فکر کو اُس کھونٹی سے باندھے بغیر کھلا چھوڑنا ہے، جس کی آج پوری انسانیت کو ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں تنوع اور نظریاتی اختلاف کے باوجود بھی کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ بدعنوانی، جمہوریت، فوجی آمریت، سوشل ازم، سیکولرازم اور لبرل ازم... یہ سب جاہلیت کی ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ تمام تر مسائل و مصائب کا سبب یہی 'جاہلیت' ہے۔ حل و علاج صرف اور صرف اللہ کا دین ہے، اس کے سامنے جھکنے اور اسے بطورِ ضابطۂ حیات اپنانے میں ہی دورِ جدید کی فلاح ہے۔ اب کوئی صحافی چاہے جتنا بھی اصول پسند ہو، جتنا بھی وہ فہیم ہو اور اچھی ناقدانہ سوچ رکھتا ہو لیکن جب وہ اسلام کی کھونٹی سے اپنی فکر و نظر کو نہیں باندھتا تو اس کی تمام تر اصول پسندی، تجزیات، تبصروں اور جدوجہد کا فائدہ ایک یا دوسری صورت میں موجود 'جاہلیت' ہی کو ہوتا ہے۔ پھر افسوس یہ ہے کہ ایسا فرد چاہے نہ چاہے کسی نہ کسی صورت میں مسلط طبقات (فوج، سرمایہ دار......) ہی کے مفاد میں استعمال ہو جاتا ہے، مثلاً فوجی آمریت کے خلاف تو وہ اچھی

[1] سوشل میڈیا اس پابندی سے کسی طرح بچا ہوا نہیں۔ ایسے افراد جو مقتدر طبقات پر صحیح نقد کرتے ہیں اور ایسا سچ اور حق عوام کے سامنے لاتے ہیں جسے یہ طبقات اپنے مفادات کے لیے واقعی خطرناک سمجھتے ہیں تو ان کے صفحات پر پابندی لگائی جاتی ہے، انٹرنیٹ پر وہ بلاک ہو جاتے ہیں اور یا پھر انہیں اٹھا کر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ دوسری طرف سوشل میڈیا پر ان طبقات کے پے رول پر کام کرنے والوں کی قلت نہیں۔ عرصہ پہلے یہ خبر عام ہوئی تھی کہ 'آئی ایس آئی' نے سوشل میڈیا پر ایک ہزار افراد کو بھرتی کیا ہے۔

طرح بولتا ہے اور اس معاملے میں وہ کسی سودے بازی کا شکار بھی نہیں ہوتا ہے مگر دوسری طرف اسے لا محالہ جمہوریت ہی کی تائید کرنی ہوتی ہے، جو بذاتِ خود مسائل کی جڑ ہے۔ یہ جمہوریت اپنی صحیح روح کے ساتھ بھی اگر رائج ہو جائے تو اس میں للّٰہیت ختم ہو جاتی ہے، سرمایہ دار عوام کا خون چوستے ہیں اور معاشرے میں موجود تمام اخلاقیات کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ یوں اس اصول پسند صحافی کا اپنا 'قبلہ نما' چونکہ خراب ہوتا ہے اس لیے اپنی تمام تر 'حق گوئی' اور 'غیر جانب داری' کے باوجود بھی وہ اندھیروں کی ان دبیز تہوں میں کسی چراغ کا سبب نہیں بنتا، بلکہ الٹا اس کا یہ امتیاز ہی نقصان کا سبب بنتا ہے، ظاہر ہے اسے امید سمجھا جاتا ہے جبکہ حقیقت میں وہ سراب ہوتا ہے۔

پھر مین اسٹریم میڈیا میں اکّا دکّا کہیں اسلام پسند بھی ہو سکتے ہیں، ان کی خدمات کا اعتراف کرنا چاہیے۔ مگر یہاں ایک حقیقت دوسری بھی ہے جس کا ذکر کیے بغیر بات مکمل نہیں ہو گی اور وہ یہ کہ خود یہ حضرات مکمل آزادی کے ساتھ کبھی نہیں بول سکتے ہیں۔ ریاست کا جبر سبب ہوتا ہے، اداروں کی پالیسی یا شعبۂ صحافت کا اپنا مزاج کہ ان کے لیے مکمل سچ و حق بولنا آسان نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ تو دباؤ یا کسی مصلحت کے پیشِ نظر یہ باقاعدہ غلط اور ناحق موقف بھی بتا جاتے ہیں، جس سے باطل و ظالم کی تائید بھی ہو جاتی ہے، حالانکہ ایسا کرنا جائز نہیں ہوتا ہے۔ تو باوجود یہ کہ ایسے افراد کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، انہیں دعا بھی دینی چاہیے کہ اللہ ان کی حفاظت بھی کرے، اجر دے، ان کی ہدایت میں اضافہ کرے اور انہیں شرعی ضوابط کے اندر خدمتِ دین کی مزید توفیق دے، مگر ان تمام تر شکر گزاری اور دعاؤں کے باجود بھی ایسے حضرات کو حق و باطل کی پہچان اور اپنے لیے فکر و عمل کی رہنمائی کا اولین ذریعہ کبھی نہیں بنانا چاہیے۔ داعیٔ دین اور صحافی میں فرق ہوتا ہے۔ صحافی کو اپنے پیشے کے نام نہاد عرف کی لاج رکھتے ہوئے بعض اوقات اپنی غیر جانب داری بھی دکھانی ہوتی ہے، جبکہ داعیٔ دین ہمیشہ جانب دار ہوتا ہے، اُسے بہر صورت حق اور اہلِ حق کا ساتھ دینا ہوتا ہے اور باطل و اہلِ باطل کی مخالفت کرنی ہوتی ہے۔ اسی طرح صحافی کو عوامی خواہشات اور رغبات کے مطابق بھی تبصرے کرنے ہوتے ہیں، چاہے یہ تبصرے غیر شرعی ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ داعیٔ دین کو بہر حال شریعت کے مطابق بات کرنی ہوتی ہے اور وہ عوام کی رغبات اور ذوق کو بھی شرعی دائرے میں لانے کی ذمہ داری محسوس کرتا ہے۔ لہٰذا دونوں میں فرق ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک صحافی بعض پہلوؤں میں داعی بھی ہو سکتا ہے، مگر ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر وقت داعیٔ دین بن کر ہی بات کرتا ہو۔

میڈیا کے جادو سے حفاظت کیسے؟

ایک انسان کے لیے اس دنیا میں اہم ترین نعمت ہدایت ہے اور بدترین محرومی اگر اس کے نصیب میں آسکتی ہے تو وہ اس ہدایت کی نعمت سے محرومی ہے۔ عصرِ حاضر کا سحر اسی عظیم نعمت پر ڈاکہ ڈالتا ہے اور انسان کو گمراہی و ضلالت میں مبتلا کرتا ہے، میڈیا کے معاملے میں ہمارے سامنے کچھ اصول ہوں کہ جن پر عمل کر کے ہم اس کے جادو سے بھی بچ سکیں اور ہر اس نقصان سے بھی مامون ہو جائیں کہ جو اس کے سبب ہمیں مل سکتا ہے۔ مذکورہ اصولوں میں سے چند یہاں پیشِ خدمت ہیں:

اول نکتہ: اللہ رب العزت ہدایت صرف اسے دیتا ہے جو اس کی تڑپ رکھتا ہو ﴿وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ﴾… میڈیا چونکہ گمراہ کرنے کا ایک بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے، اس لیے اس کے ساتھ تعامل میں گمراہ ہو جانے کا خوف اور ہدایت کی تڑپ ہر وقت قلب و ذہن پر سوار رکھنی چاہیے۔

دوسرا نکتہ: ہدایت کی شرط اور قیمت تقویٰ ہے، تقویٰ سے مراد اللہ کے احکامات پر مِن و عَن عمل ہے۔ اللہ نے غیر محرم عورت کو نہ دیکھنے کا حکم دیا ہے، ارادہ کے ساتھ ایک سیکنڈ کے لیے ہی یہ دیکھنا کیوں نہ ہو، منع ہے۔ اگر کوئی ٹی وی پر زیب و زینت کی خوب نمائش کرتی عورتوں کی خبروں و تبصروں کو دیکھتا ہو اور اس کے باوجود اسے امید ہو کہ وہ ہدایت سے محروم نہیں ہو گا، تو یہ خام خیالی ہے۔ اسے ڈرنا چاہیے کہ ایسے گناہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بصیرت پر مہر لگا دیتا ہے اور صحیح تجزیہ کرنے کی صلاحیت ہی سلب کر دیتا ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا…﴾ ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے تو وہ تمہیں فرقان عطا کر دے گا''، فرقان کا معنی یہ ہے کہ دلوں میں اللہ حق و باطل میں تمیز کی صلاحیت پیدا فرمائیں گے اور اس کی بنیاد پر پھر آپ مطلوب موقف اپنائیں گے۔ اس سب کا ذریعہ تقویٰ ہے۔ میڈیا پر بے پردہ اور حسن و جمال کی نمائش کرتی عورتوں کے مناظر دیکھنے سے کوئی بعید نہیں کہ دل فتنے میں پڑ جائیں۔ اس لیے کہ اللہ کی کتاب کے مطابق اللہ کے حکم کی قصداً نافرمانی پر دل فتنے میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ''سو ڈریں وہ لوگ جو اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ وہ فتنے میں مبتلا ہو جائیں یا انہیں دردناک عذاب پہنچ جائے''۔ یہی وجہ ہے کہ آغاز خواتین اینکر پرسنز اور ان کے تبصرے سننے سے ہوتا ہے اور پھر یہاں جو بھی ان پروگرامات میں کہا جاتا ہے، اس پر ایمان لایا جاتا ہے اور انہی کے ایجنڈے کے مطابق پھر موقف اپنایا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے قلب و ذہن فتنوں سے محفوظ رہیں، خیر و شر میں تمیز کی صلاحیت سے ہم محروم نہ ہوں اور اللہ ہمیں صحیح موقف اپنانے کی توفیق بھی دے، تو لازم ہے کہ ہم تقوی اختیار کریں اور میڈیا میں دکھائے جانے والے حرام مناظر کا دیکھنا چونکہ تقویٰ کے لیے زہر قاتل ہیں، اس لیے ان سے مکمل طور پر پرہیز کریں۔

تیسرا نکتہ: دجالی میڈیا کی فراہم کردہ معلومات کی تحقیق و تصدیق کیے بغیر موقف بنانا معصیت کا سبب ہو سکتا ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ ''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی گناہ گار خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، کہیں کسی قوم پر نادانی سے جا

نہ پڑو پھر کل کو اپنے کیے پر پچھتانے لگو"۔ اس آیت کے مطابق کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے۔ فاسق اس مسلمان کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے۔ آج کے میڈیا میں اکثریت لادین، دین بیزار اور گناہوں کے اعلانیہ ارتکاب کرنے والوں کی ہے۔ ایسے میں میڈیا کے متعلق سوء ظن رکھنا ہی ہمارا اصول ہو، بالخصوص اس کی ایسی خبروں اور تبصروں کے متعلق کہ جن کی زد براہ راست امت مسلمہ اور اہل دین پر پڑ رہی ہو، ان کی بنیاد پر ہمیں کسی قسم کا موقف اپنانے سے پہلے قرائن اور دیگر ذرائع سے تصدیق کرنی چاہیے۔

چوتھا نکتہ: افسوس ہے کہ آج میڈیا سے رجوع، معلومات لینے کے لیے نہیں بلکہ مواقف لینے کے لیے ہوتا ہے...... حق و باطل اور خیر و شر کیا ہے؟ کس کی تائید یا مخالفت کرنی چاہیے؟ ان امور میں میڈیا نہیں، بلکہ صرف ایسے علماءِ کرام اور داعیانِ دین کی طرف رجوع ہو جن کی خدا خوفی، علم و فہم اور حق بولنے میں مخلوقِ خدا کی طرف سے کسی قسم کے لالچ یا خوف کے شکار نہ ہو جانے کا ہمیں اعتماد ہو۔ رشد و ہدایت دینا وارثینِ انبیاء کا کام ہے اور اللہ نے اپنے انبیاء کی صفات میں سے ایک بڑی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ حق پہنچانے میں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں: ﴿الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ﴾ "پیغمبر وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بھیجے ہوئے احکام کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں، اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے"۔ لہٰذا میڈیا میں موجود اکا دکا صالح افراد سے بعض امور میں استفادہ بھی بیشک ہو، لیکن جہاں تک مواقف اور نظریات لینے کا معاملہ ہے تو اس میں ہمارا اہم اور اول ذریعہ بس ذکر کردہ صفات کے حامل علماءِ کرام اور داعیانِ دین ہی ہوں۔

باطل کی قوت کا مقابلہ اور اس کے سحر کا توڑ

زمانۂ قدیم میں بادشاہ کے پاس ایک عسکری طاقت ہوتی اور دوسری جادو کی قوت ہوتی۔ افواج کا ہتھیار تیر و تلوار ہوتے تھے اور جادوگروں کا ہتھیار کلمہ، بات اور بول ہوا کرتا تھا اور اس ہتھیار سے ہی وہ قلوب و اذہان کو قابو کرتے تھے۔ آج بھی باطل دو میدانوں میں لڑتا ہے، مادی میدان میں وہ ہتھیار و افواج کے ذریعے تسلط جماتا ہے جبکہ دوسرا وہی جادو کا میدان میڈیا ہے۔ اللہ کا دین چونکہ اس زمین پر عملاً نافذ ہونے اور دنیا کے تمام ترظالموں کو اللہ کے سامنے جھکانے کے لیے آیا ہے، اس لیے یہ دین ذکر کردہ دونوں میدانوں میں باطل کے خلاف صف آراء ہونے کا حکم دیتا ہے۔ میڈیا کے خلاف معرکہ میدان دعوت میں ہوگا، جہاں مقابلہ کتاب کے ذریعے ہوگا اور تحریر و بیان کے ہتھیار سے باطل نظریات کا رد اور دجل و فریب کا پردہ چاک کیا جائے گا، دوسرا میدان، میدانِ قتال ہے اور اس میں قوت کا تسلط قوت ہی کے ذریعے ختم کیا جائے گا۔ گویا دعوت و قتال، کتاب اور تلوار دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ یہ دونوں ہوں گے تو اللہ کے دین کی نصرت ہو گی، باطل کا مقابلہ ہوگا اور اس کے فساد کے سامنے بند بندھ سکے گا۔ دعوت و بیان کا اپنا مقام ہے اور قتال و جہاد کی اپنی اہمیت۔ تحریر و تقریر سے خاص دائرے میں کسی حد تک باطل کے جادو کا توڑ ہو سکتا ہے، اس کے پھیلائے گئے شبہات کا کسی درجہ میں ازالہ بھی ممکن ہے، اور ایسا کرنا اپنی جگہ انتہائی ضروری بھی ہے مگر صرف دعوت پر ہی اکتفا قطعاً اور قطعاً کافی نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ محض دعوت سے باطل کی طاقت و سطوت کبھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دعوت و بیان کے ذریعے شبہات کا ازالہ تو ہو سکتا ہے مگر شہوات کا علاج کبھی نہیں ہو سکتا۔ شہوات کا علاج تلوار اور قوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کا دین ایسے باغیوں کے سامنے صرف وعظ و نصیحت پہ اکتفا نہیں کرتا، یہ دین ایسے ناسوروں کی قوت کو قوت ہی کے ذریعہ توڑنے کا امر دیتا ہے۔ تلوار اور کتاب، دونوں اللہ کی نازل کردہ ہیں اور دونوں کے استعمال کا اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہمیں بتاتی ہے، اسی طریقہ پر چل کر اللہ نے آپ ﷺ کو وقت کے باطل پر فتح یاب کیا اور قیامت تک پوری امت مسلمہ کو بھی انہی دونوں (کتاب و تلوار) کے استعمال کا حکم ہے۔

> حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (وہ ایک ہاتھ میں کتاب اور دوسرے میں تلوار لے کر فرماتے تھے) ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس (تلوار) سے اُسے ماریں جو اِس (کتاب) سے ہٹ گیا"۔

اللہ رب العزت سورۃ الحدید میں فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾[1]۔ یہاں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے پہلے کتاب و میزان کا ذکر فرمایا کہ ان دونوں کو ہم نے انبیاء کے ساتھ بھیجا، پھر مقصد کا ذکر ہوا کہ: ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾، تاکہ انسانوں کو انصاف پہ کھڑا کریں، ان کے بیچ عدل قائم کر کے دکھائیں یعنی اسلام کو عملاً یہاں غالب کر دیں۔ گویا ایک طرف ذکر ہوا کہ اللہ نے کتاب بھیجی جو ہدایت دینے والی ہے، لیکن صرف اس کتابِ ہدایت سے مقصد پورا نہیں ہوگا، شہوات کے سبب حق کو جان اور پہچان کر بھی عداوت اور مزاحمت ہو گی، اس لیے آگے فرمایا: ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ "اور ہم نے ساتھ لوہا بھیجا جس میں شدید قوت ہے اور اس میں فائدہ ہے لوگوں کے لیے" اس لوہے کے استعمال کا کیا مقصد ہے؟ فرمایا: ﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ﴾ تاکہ پتا چلے کہ کون اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کرتا ہے

[1] "حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری، اور ترازو بھی، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اتارا جس میں جنگی طاقت بھی ہے اور لوگوں کے لیے دوسرے فائدے بھی، اور یہ اس لیے تاکہ اللہ جان لے کہ کون ہے جو اس کو دیکھے بغیر اس (کے دین) کی اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتا ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے"

اور کون نہیں کرتا...... نصرت کس چیز کے ذریعے سے ہوتی ہے؟ لوہے سے! تلوار کے ذریعے !یعنی اس میں آزمائش ہے کہ کون کتاب کے دفاع اور اس کی رہنمائی میں تلوار لے کر باطل کا مقابلہ کرتا ہے اور کون اس فرض سے پیچھے بیٹھتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مذکورہ آیت نقل کر کے لکھتے ہیں: ''پس دین، ہدایت دینے والی کتاب اور نصرت کرنے والی تلوار ہی کے ذریعہ قائم ہوتا ہے ﴿وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِياً وَنَصِيراً﴾ 'اور تیرا رب ہدایت اور نصرت کے لیے کافی ہے' دین اسلام یہ ہے کہ یہ تلوار کتاب کے تابع ہو''۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ''جو اللہ کی کتاب سے ہٹا اسے حدید (تلوار) کے ذریعہ راہ راست پر لایا جائے گا، کیونکہ اللہ کا دین کتاب اور تلوار کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (وہ ایک ہاتھ میں کتاب اور دوسرے میں تلوار لے کر فرماتے تھے) ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس (تلوار) سے اُسے ماریں جو اِس (کتاب) سے ہٹ گیا''[1]۔ کتاب کو نافذ العمل بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس قوتِ تنفیذ ہو، لیکن کتاب ہو اور اس کے پیچھے نفاذ کی قوت نہ ہو تو عدل قائم نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کتاب اور اس کی دعوت تو ہو مگر اس کے راستے میں حائل باغی طاقت کے خلاف قتال نہ ہو، تو باطل کا غلبہ و تسلط کبھی ختم نہیں ہو گا۔ کتاب کے لیے تلوار ضروری اور تلوار کے لیے کتاب لازم۔ اس طرح تلوار کے لیے لازم ہے کہ بس کتاب ہی کی رہنمائی میں چلے، تلوار اگر کتاب سے آزاد ہوئی، تو فساد ہو گا اور اس سے عدل نہیں، بلکہ ظلم و جبر پھیلے گا۔

پس یہ جنگ نظریات، عقائد اور افکار کی بھی ہے اور تیر و تفنگ اور توپ و بندوق کی بھی ہے، دونوں کو جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اللہ کا دین نہ تو تلوار کا، بغیر کتاب کے قائل ہے اور نہ ہی ایسی دعوت و تبلیغ کا جو باطل کے تیر و تفنگ کے سامنے جھکنے اور اس کا غلبہ تسلیم کرنے کا درس دیتی ہو۔ یہ نظریہ، طرز حیات اور افکار و عقیدہ کی جنگ ہے مگر جہاں ہتھیار و سلاح سے باطل اپنے مبنی بر فساد نظریات و افکار پر مُصر ہو اور دوسروں پر اپنا یہ فساد مسلط کر رہا ہو، وہاں لوہے کو کاٹنے کے لیے لوہا بھی استعمال ہو گا۔ قلوب و دماغ کا میدان بھی ہمارا ہے اور جہاد و قتال کا میدان بھی ہمارا۔ ایک محاذ پر فکر کا مقابلہ فکر اور نظریے کا مقابلہ نظریے سے ہو گا، تبادلۂ خیال، مکالمہ اور دعوت و بیان کے ذریعے باطل کا سحر توڑا جائے گا۔ تو دوسرے محاذ پر باطل کی اُس متکبر طاقت کو، جو حق سننے کے لیے تیار ہی نہ ہو، حق کی تلوار سے مات دی جائے گی۔ دونوں محاذوں پر ہم ڈٹے رہیں، بڑھتے رہیں تو ان شاء اللہ باطل کے سحر سے خود ہم بھی محفوظ ہو سکیں گے اور امت پر بھی اس کا یہ غلبہ زیادہ عرصہ نہیں رہ پائے گا۔

اللہ ہمیں اور ہماری امت کو باطل کی ہر چال اور ہر سحر سے محفوظ کر دیں، اللہ ہم سب کو حق حق دکھائے اور اس کی پیروی کی ہمیں توفیق دے اور اللہ باطل ہمیں باطل دکھائے اور اس سے اجتناب کی ہمیں توفیق دے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

فداک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

''میں بیروت کی یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھا اور وہاں ہندوستان (تقسیم سے قبل) کے بہت سے طلبہ و طالبات زیرِ تعلیم تھے۔ اُن میں ایک لڑکی بہت شوخ شنگ اور الٹرا ماڈرن قسم کی تھی۔ اُس کا تعلق ہندوستان کے کسی مسلمان نواب گھرانے سے تھا۔ وہ خود شاید فیشن کے طور پر کمیونزم کی پرچارک تھی۔ ایک دن ٹک شاپ پر اسلام اور کمیونزم کی بحث چل رہی تھی کہ اس ناہنجار لڑکی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک آدھ نازیبا لفظ کہہ دیا۔ میں نے اُسے بے نقط سنائیں، بہت برا بھلا کہا اور ہمیشہ کے لیے قطع کلامی کر لی۔ پھر یوں ہوا کہ مجھے اور اس نابکار لڑکی کو جو اپنی امارت اور حُسن پر بہت نازاں تھی، دورانِ تعلیم ہی برص کا حملہ ہوا۔ اُس نے اپنے حُسن کو بچانے کے لیے اس وقت کے اعلیٰ ترین ڈاکٹروں اور ہسپتالوں سے رجوع کیا لیکن برص پھیلتا چلا گیا اور وہ خود بھی پھیلتی چلی گئی، یعنی بے اندازہ موٹی ہو گئی۔ ہندوستان واپسی پر اُس کا کہیں رشتہ نہ ہو سکا اور اپنی مضحکہ خیز ہیئت کذائی کی وجہ سے اُس نے گھر سے نکلنا بھی چھوڑ دیا اور وہ جو کبھی جانِ محفل ہوا کرتی تھی، سوسائٹی میں نسیاً منسیاً ہو گئی۔ اُدھر واپسی کے بعد میں نے جہلم کے ایک معمولی سے ڈاکٹر سے علاج کرایا اور اللہ کے فضل سے (چہرہ پر ایک آدھ داغ کے سوا) شفا ہو گئی''، چودھری فضل حسین صاحب نے لاہور کے سنٹرل ٹریننگ کالج میں B.Ed کے طالب علموں کو واقعہ سنایا۔

ساری کلاس نے سوال کیا: ''سر اسے تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کے سبب یہ سزا ملی۔ آپ پر برص کیوں حملہ آور ہوا؟''

بوڑھے پروفیسر کے جواب نے نہ صرف کلاس کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا بلکہ سب کو آنسوؤں سے رُلا دیا۔ فرمایا: ''مجھے اس لیے برص ہوا کہ میں نے گالیوں پر اکتفا کیوں کیا اور اُسے اُسی دم قتل کیوں نہ کر دیا!''۔

[پروفیسر میاں محمد یعقوب صاحب (شعبۂ اردو نیشنل کالج گوجرانوالہ)]

[1] مجموع الفتاوی

قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ

''کہو کہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے سب برابر ہیں؟''

(تعلیم، حکمِ تعلیم اور نظامِ تعلیم پر بحث کرتا ایک مقالہ)

مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن المرابط حفظہ اللہ

باب سوم: مغربی نظام تعلیم شریعت کی نظر میں

یہ تو تھا مغربی تعلیم کی تاریخ، مقاصد، تدابیر، اثرات کا جائزہ اور حل ایک پروفیسر اور جدید تعلیم کے ماہر کی نظر میں۔ یہاں اسے درج کرنے کا مقصد مغرب سے مرعوب اور غلامانہ ذہنیت والے افراد کو تسلی بخش جواب دینا ہے۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ علمائے اسلام نے کیسے مختصر اور جامع انداز میں اس مسئلہ کو بیان کیا۔

مغربی تعلیم کی حقیقت

مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انگریزی تعلیم [بحیثیت نظام و نظریہ] سے وہ علم حاصل ہوتا ہے جس سے مقصود فقط دنیا ہے اور آخرت سے اس کا کوئی سروکار نہیں۔ یہ وہ علم ہے جس کے بارے میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں اعراض کا حکم دیا گیا ہے:

فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰى عَنۡ ذِكۡرِنَا وَلَمۡ يُرِدۡ اِلَّا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ۝ ذٰلِكَ مَبۡلَغُهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ......(سورۃ النجم: ۲۹، ۳۰)

''تو جو ہماری یاد سے روگردانی کرے اور صرف دنیا ہی کی زندگی کا خواہاں ہو اس سے تم بھی منہ پھیر لو، ان کے علم کی یہی انتہا ہے۔''۔

اور جس سے آنحضرت ﷺ نے اس دعا میں پناہ مانگی ہے: اللّهم إني أعوذ بك من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعاء لا يسمع. 'اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ بخشے، اور اس دل سے کہ جس میں خوفِ خداوندی نہ ہو اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو نہ سنی جائے۔' (سنن ابو داؤد)

اس علم سے پرہیز کرنا چاہیے جس سے انسان نفس کا بندہ بن جاتا ہے اور انسانیت کے دائرے سے نکل کر حیوانیت کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

[اس نظامِ تعلیم کی مثال] ایسا کالج ہے جس میں ایسی تعلیم دی جاتی ہو جس سے حکومت وقت کے احکام و قوانین کی دل میں کوئی وقعت نہ رہے، اور نہ اساتذہ و طلبہ میں حکومت کی اطاعت اور وفاداری کا خیال باقی رہے۔ الٹا حکام پر تنقید و تبصرہ ہوتا رہے۔ حکومت ایسے کالج کو خلافِ قانون قرار دے گی۔ اسی طرح شریعت اسلامیہ اس تعلیم کو ممنوع قرار دیتی ہے جس سے احکم الحاکمین کی عبادت اور اطاعت اور اس کی وفاداری میں خلل پڑے۔ جس درجہ خلل ہو گا اسی قدر ممانعت ہو گی۔

مغربی تعلیم یافتوں کا نظریہ یہ ہے کہ نام تو اسلام کا رہے مگر عملی زندگی اور معاشرہ دنیاوی اعتبار سے نصرانی اور مغربی ہو۔ اس طرح سے اسلام اور مغربیت میں ہم آہنگی چاہتے ہیں۔ اس لیے مغربی تہذیب و تمدن میں نفسانی اور شہوانی جذبات کے لیے پوری آزادی ہے۔ اور اسلام میں نفسانی خواہشوں پر پابندیاں ہیں۔

مغربی نظام تعلیم کا شرعی حکم

[یہ فتویٰ در اصل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا ہے۔ اس فتوے کو مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ نے اپنے مقالے میں تسہیل و تلخیص کے ساتھ پیش کیا۔ یہاں میں اصل اور تشریح دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے دوبارہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ درج کر رہا ہوں، اور جیسے کہ شروع میں گزارش کی ہے کہ مطلوب یہ ہے کہ ان تمام کتب کا ہر قاری خود بغور مطالعہ کرے۔ فتوے کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔]

اول: جائز اشیا برے نتائج کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں

انگریزی اپنی ذات میں ایک زبان ہے اور باعتبار عرف کے ایک نصاب کا نام ہے جو مختلف علوم وفنون کا حامل ہے۔ شریعت میں کسی زبان یا کسی علمی فن کا سیکھنا اپنی ذات میں ممنوع نہیں لیکن مفاسد اور قبائح مل جانے سے ممنوع ہے۔ اگر یہ تعلیم اصلاً مباح ہو لیکن اس پر ایسے مفاسد مرتب ہوں جن کا نیچے ذکر آ رہا ہے تو باوجود اپنی اباحتِ اصلیہ کے یہ تعلیم قابل ممانعت ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت کی ممانعت۔ انگریزی تعلیم کے مہلک مفاسد کی اگلے نکات میں وضاحت ہے۔

دوم: مغربی تعلیم کے یقینی مفاسد

دین صرف چند ظاہری اعمال مثلاً نماز روزے کا نام نہیں بلکہ سب سے بڑھ کر اس میں عقائد کا جز ہے۔ اور ایک اہم جز اس کا اخلاق حمیدہ ہیں جیسے کہ صبر و شکر۔ اگر مسلمان صرف چند ظاہری اعمال کو برتتے جبکہ نہ عقائد ٹھیک ہوں اور نہ اخلاق درست ہوں تو وہ ہرگز پورا مسلمان

نہیں کہلایا جاسکتا۔ جبکہ مشاہدے اور تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ انگریزی تعلیم سے دین کے ان تینوں اجزا پر ضرب پڑتی ہے اور اس کا لازمی اثر ہے کہ:

1. ظاہری اعمال میں کاہلی اور اعراض ہو تا ہے۔ نہ وضع قطع شرعی رہتی ہے اور نہ قلب میں احکامِ شرعیہ کی وقعت رہتی ہے۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک آتی ہے کہ نماز اور قرآن سے نفرت ہو جاتی ہے۔
2. عقائد میں تشویش، ضعف اور انکار پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے یعنی عقائد متزلزل ہو جاتے ہیں۔ تصنع و تقلید کفار ظاہر ہوتی ہے۔ مغربیت کی محبت اور عظمت اس کی نظروں میں ایسی سما جاتی ہے کہ اسلام اور خلافت راشدہ اس کے مقابلے میں ہیچ نظر آنے لگتے ہیں۔ اسلامی تمدن کو حقارت اور نفرت کی نظروں سے دیکھتا ہے اور دینداروں کو نظر مذلت سے، حتیٰ کہ اسلام اور مسلمانوں سے اس کو دلی ہمدردی نہیں رہتی، اور رفتہ رفتہ مزاج ہی بدل جاتا ہے۔ بجائے اسلامی مزاج کے مغربی مزاج ہو جاتا ہے۔
3. اخلاق میں پہلے ذلت اور پستی واقع ہوتی ہے اور پھر خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دل میں تکبر و نمائش پیدا ہوتی ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ مسجد کی بجائے سینما اور تماشہ گاہ لذیذ اور خوشنما معلوم ہونے لگتی ہے۔ اور قرآن کریم کی تلاوت کے بجائے ناول ان کو محبوب بن جاتا ہے۔ انگریزی تعلیم کا یہ خاص اثر ہے کہ ناول بینی اور سینما بینی [آج کل ٹی وی، انٹرنیٹ، موبائل، رسالے اور اخبار بھی اس میں شامل ہیں] کوئی قبیح اور خراب شے تو کیا عین تہذیب اور تمدن بن جاتی ہے [1]۔
4. دوسری طرف یہ بھی لازمی اثر ہو تا ہے کہ: دماغی ترقی اور مال اور جاہ کے حصول کی اتنی حرص پیدا ہوتی ہے کہ احکام شرعیہ کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ اور یہی وہ دنیا اور حب مال و جاہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک مبغوض و ملعون ہے۔ خدا پرستی رخصت ہونی شروع ہو جاتی ہے اور نفس پرستی اور شہوت پرستی اور دنیا طلبی اپنا قدم جما لیتی ہے۔

نتیجہ: مترتب حکم

ظاہر ہے کہ سابقہ تمام امور اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مبغوض اور ملعون ہیں۔ اور دین کی بربادی اور تباہی کا پورا سامان ہیں، اور ان سب کی شریعت میں ممانعت ہے۔

لہٰذا حکم یہ ہے کہ: ان قبائح اور مفاسد کی بنا پر علمانے انگریزی تعلیم کے عدم جواز کا فتویٰ دیا۔

چند مفروضوں کا جواب

1. اگر اس تعلیم سے حاصل ہونے والے نتائج اور آثار کا نام عزت اور ترقی رکھا جائے تو عنوان بدلنے سے مضمون کی حقیقت نہیں بدلتی۔ شراب کو شربت کہنے سے وہ حلال نہیں ہو جاتی۔
2. اگرچہ بعض لوگوں میں یا خاص حالات میں یہ آثار نہیں پیدا ہوتے یا کم پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بعض فی صدی دس آدمی بھی بمشکل ہوں گے۔ حکم لگانے کے لیے مجموعی اثر کو دیکھا جاتا ہے اور اعتبار غالب اور اکثر کا ہوتا ہے نہ کہ جزوی، وقتی، عارضی یا استثنائی صورت کا۔ استثنائی صورتوں سے اصل حکم متاثر نہیں ہوتا جیسا کہ علم طب میں سنکھیا زہر کھانے سے بعض افراد میں موت واقع نہیں ہوتی۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سنکھیا زہریلا نہیں۔
3. نظام تعلیم سے پیدا ہونے والے ان آثار کی اصل علت خواہ صحبت اہل الحاد ہو، یا تعلیم دین کا عدم اہتمام، یا بعض فنون کا خاصہ ہو جیسا کہ سائنس وغیرہ، یا مصنفین کے خیالات ہوں، [یا حتیٰ کہ ایسے خارجی اسباب ہوں جو اس تعلیم کے ساتھ لازم و ملزوم ہو چکے ہوں جیسا کہ اس نظام کا لادینی نظام حکومت کا ایک جزو لا ینفک ہونا]۔ سبب جو بھی ہو لیکن جب مشاہدے سے یہ ثابت ہے کہ ایسی تعلیم کے نتیجے میں یہ آثار پیدا ہوتے ہیں تو مجموعی حکم کو ان اسباب کی وجہ سے ٹالا نہیں جاسکتا۔ اگر بالفرض کوئی یہ ثابت کر دے کہ مقناطیس میں کشش کرنے کی علت موجود نہیں تو اس سے یہ ہر گز ثابت نہیں ہوتا کہ مقناطیس میں کشش کی صلاحیت باقی نہیں۔

[1] یہاں مولانا کاندھلویؒ آج کل کے زمانے کے حوالے سے خصوصیت سے فرماتے ہیں کہ: ”حالانکہ بد اخلاقی اور آوارگی اور بد اعمالی اور بد معاشی کے طریقے جس قدر ناول اور سینما سے معلوم ہوتے ہیں وہ کسی شے سے بھی معلوم نہیں ہو سکتے۔ ناول سے تحریری طور پر اخلاق سوز اعمال کے طریقوں کا علم حاصل ہوتا ہے اور سینما میں ان ہی بد اعمالیوں کو عملی طور پہ دکھلایا جاتا ہے۔ شریعت میں جان دار کی تصویر بنانا مطلقاً معصیت ہے، اور خاص کر عورتوں کی تصویریں بنانا تو اور بھی زیادہ حرام ہے۔ کیونکہ عورتوں کی تصویریں خاص طور پہ تفریح اور تلذذ ہی کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ اور شریعت کی نظر میں عورتوں کی تصویروں سے تلذذ بالنظر بھی حرام ہے۔ عورتوں کے حسن و جمال کو جس طرح زبان سے بیان کرنا حرام ہے اسی طرح قلم سے بھی اس کو بیان کرنا حرام ہے، اور عجب نہیں کہ بیان قلم بیان زبان سے حرمت میں بڑھ جائے۔ فقہانے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کافروں کو کسی مسلمان عورت کے حسن و جمال کی مخبری کرائے تو اندیشہ ارتداد کا ہے۔ تو با تصویر رسالے اور با تصویر اخبار جن میں مسلمان عورتوں کی بھی تصویریں ہوتی ہیں کیا اس کی قباحت اور مفاسد اور فتنہ ہونے میں اور تخریب اخلاق کا ذریعہ ہونے میں کسی عاقل کو شبہ ہو سکتا ہے؟۔“

سابقہ حکم سے استثنا

سابقہ حرمت کے حکم سے استثنا کی پہلی صورت یہ ہے کہ ضرورت کی بنا پر دیا جائے۔ جیسا کہ شرعی ضرورت کی وجہ سے شراب کی حرمت میں استثنا واقع ہے۔ لیکن یہ خیال رکھتے ہوئے کہ ضرورت کی صورت میں حرام چیز کی اجازت صرف اتنی ہوتی ہے جس سے ضرورت رفع ہو جائے۔ یہ ضرورت دو قسم کی ہو سکتی ہے:

1. دنیاوی ضرورت بشرط یہ کہ یہ ضرورت شرعاً ضرورت ہو۔ جبکہ اعلیٰ درجے کی ڈگریوں اور اعلیٰ درجے کے عہدوں کا حصول جس میں سر تا سر شریعت کی مخالفتیں ہوں حد ضرورت سے خارج ہے۔
2. دینی ضرورت۔ مثلاً مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینا یا مخالفین کو اسلام کی دعوت دینا، تو یہ صرف جائز نہیں بلکہ عین قربت و عبادت بن سکتی ہے۔ لیکن یہ غیر موجود ہے۔ نہ کوئی اس وجہ سے یہ تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی ایسے افراد پیدا ہوئے ہیں۔

استثنا کی دوسری صورت یہ ہے کہ برے آثار کا سد باب یقینی بن جائے۔ کیونکہ جو حکم کسی عارض کی وجہ سے دیا جاتا ہے اس کا دار و مدار عارض پر ہوتا ہے۔ پس اگر زمان و مکان کی تبدیلی سے وہ عارض تبدیل ہو جائے تو حکم بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی خاص طریقہ سے ان قبیح آثار اور شرعی مفاسد کا انسداد ہو جائے اور انگریزی تعلیم کی غالب مضرت دفع ہو جائے تو اس وقت حرمت کا یہ حکم اٹھ جائے گا۔ جبکہ موجودہ حالات میں اس کی امید بہت کم ہے۔ ظاہر اسباب میں ان مفاسد کے انسداد کی کوئی توقع نہیں۔ اس لیے ممانعت بھی مرتفع نہ ہو گی۔

مخالف اقوال کی حقیقت

اگر کسی مستند عالم کا قول یا فتویٰ اس کے خلاف ہو تو حقیقت میں یہ اختلاف معاملے کے ایک خصوصی جزو کے سبب میں ہو گا نہ کہ معاملہ کے عمومی حکم میں۔ یعنی کہ ایک مقدمہ یہ ہے کہ انگریزی تعلیم پر شرعی مفاسد مترتب ہوتے ہیں۔ یہ خصوصی جزو ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس چیز پر شرعی مفاسد مترتب ہوں وہ بری ہوتی ہے اور اس سے منع کیا جاتا ہے۔ یہ عمومی حکم ہے۔ تعلیم کے معاملہ میں پہلے مقدمہ میں اختلاف شرعی نہیں بلکہ ایک واقعہ کی تحقیق ہے جس میں مشاہدہ اور تجربہ کے اختلاف کے سبب اختلاف پیدا ہونے کا امکان ہے۔ ان اقوال میں سے کسی ایک رائے کی غلطی کا معائنہ مزید مشاہدہ و تجربہ سے ہو سکتا ہے۔ البتہ دوسرا مقدمہ شرعی ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

’ب‘ سے بشریٰ بی بی!

بشریٰ بی بی نے عمران خان سے شادی کے بعد ایک پروفائل ڈیویلپ کرنے کی کوشش کی تھی، من پسند اینکر کو انٹرویو دیا۔ اور زبردست انٹرویو دیا کہ پاکستان کی سیاسی تاریخ پر ایک نیک روح کی آمد ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے ہر طرف رحمتوں کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگے گا۔ ایک امیج ڈیویلپ کیا گیا تھا، cultivate کیا گیا تھا۔ جن حالات کے اندر تمام معاملات طے پائے وہ بہر حال تاریخ کا حصہ ہیں جن کے اندر مجھے ابھی جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد بشریٰ بی بی نے اپنا پروفائل کافی کم کر لیا۔ لیکن اندر کی خبر یہ ہے کہ بی بی بشریٰ کا سیاسی اثر و رسوخ عمران خان کے سیاسی فیصلوں پر بڑھتا جا رہا ہے۔

بہت سے حلقے اس کو حیرانی اور پریشانی کے زاویے سے دیکھ رہے ہیں۔ پنجاب کے اندر بی بی بشریٰ کا بہت سے معاملات کے اندر عمل دخل بہت زیادہ ہے۔ بزدار کا پیر بھی وہی ہے جو عمران خان کا پیر ہے، بلکہ ’پیرنی‘ ہے اور اس نے عمران خان کو قائل کر رکھا ہے کہ بزدار اگر پنجاب میں ہو گا تو مرکز میں عمران خان ہو گا۔ عمران خان کی judgement پر وہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ جب تک (پنجاب میں) نیا چیف سیکرٹری نہیں لگا تھا تو تبادلہ کس کا ہونا ہے اور بندے آگے پیچھے کس طریقے سے چلنے ہیں؛ بیوروکریسی کے حوالے سے......بہت زیادہ معاملات ان کے حوالے سے طے کیے جاتے تھے۔ اب بڑے قومی معاملوں کے اندر بھی انہوں نے اپنی رائے عمران خان صاحب کے گوش گزار کرنی شروع کر دی ہے کیونکہ وہ ان کی زوجہ ہیں اور پاکستان اور برِّصغیر کی تاریخ میں جو گھر کو کنٹرول کرنے والی ہیں، اگر وہ سیاسی طور پر مائل ہوں تو ان کا اثر ہم نے بہت زیادہ دیکھا ہے۔ بڑے معاملات کے اندر کہ کس کے ساتھ انہوں نے تعلق رکھنا ہے اور کس کے ساتھ نہیں رکھنا، کس کو گھر میں......سیاسی گھر میں آنے کی اجازت ہے اور کس کو نہیں ہے۔ الغرض ملکی اور بڑے معاملات میں بشریٰ بی بی کا اثر ہمیں دیکھنے کو مل رہا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا concern ہے کہ نہ کوئی سیاسی بیک گراؤنڈ ہے، نہ کوئی عہدہ ہے...... اور بڑے انتظامی امور کے اندر ان کی interference ہے۔ ان کی بھی اور ان کے حلقۂ احباب کی بھی۔

تو آنے والے مہینوں میں بی بی بشریٰ کی خاموشی کے باوجود ہو سکتا ہے کہ آپ کو معاملات ان کے گرد گھومتے ہوئے نظر آئیں!

(صحافی سیّد طلعت حسین)

نظامِ طاغوت سے برأت

حضرت مولانا صدر الدین اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ

اصولی غلطی

اس معاملے میں جو اصولی اور اساسی غلطی ہے، وہ اُسی بات کی ہے کہ جس کا اوپر ایک سرسری ذکر گزر چکا، یعنی لوگ رخصتِ اضطرار کا تعلق بھی پوری قوم سے اور اس کی جماعتی پالیسی سے ٹھیک اسی طرح جوڑ لیتے ہیں جس طرح کہ ایک فرد سے۔ دوسرے اُس رخصت کو بھی قوم کی مستقبل پالیسی بنالیتے ہیں، اور ایسے سکون و اطمینان کے ساتھ اس پر گامزن ہو رہتے ہیں گویا وہی کاروانِ ملت کی اصل شاہراہ ہے۔ حالانکہ یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ قرآن نے جو رخصت دی ہے وہ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ نیز غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کی قیدوں کے ساتھ دی ہے، نہ کہ هَنِيئاً مَّرِيئاً۔ اور عقائدِ اسلامی کے خلاف اگر قولی یا عملی شہادت دینے کی رخصت ہے تو فرد کو ہے نہ کہ قوم کو۔ اور اگر بالفرض قوم کو بھی فرد پر قیاس کر لیا جائے تو بھی اس سے کسی جاہلی نظام سے پر سکون اور مسلسل تعاون کی رخصت کسی حال میں نہیں نکالی جاسکتی، بلکہ ایسا کرنا بھی انہی شرائط اور احساسات کے ساتھ ہو گا جن کے تحت ایک فرد کسی شے حرام سے اپنی حاجت برآوری کر سکتا ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ دل میں انتہائی کراہیت اور شدید نفرت ہو، کم سے کم مقدار میں استفادہ ہو، جلد سے جلد اس سے چھٹکارا پانے کی بے تابانہ جدوجہد ہو، اور اس مجبوری کے عالم میں بھی کسی "حلال وطیب" صورتِ حال کی تدبیریں ہوں، بے قراریاں ہوں، زبان اس کے ذکر میں مصروف اور دل اس کی فکر میں ڈوبا ہوا ہو۔ لیکن اگر یہ سب کچھ نہ ہو تو دراصل یہ رخصتِ اضطرار کا نہایت غلط استعمال ہو گا، یہ گویا اپنی رائے اور خواہش کے لیے آیت قرآنیہ کو آلۂ کار بنانا ہو گا۔

پیشوایانِ دین کی خصوصی ذمے داریاں

اس باب میں پیشوایانِ دین کی پوزیشن انتہائی نازک ہے، دوسروں کی غلط شہادت دین کو وہ نقصان نہیں پہنچا سکتی جو ان حضرات کی پہنچا سکتی ہے۔ یہ کسی قوم کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ جو لوگ اس کے کمر پٹے پکڑ کر اس کو حضیضِ جاہلیت[1] کی طرف جانے سے روکنے پر مامور ہوں، وہ بھی اس آوارہ روی میں اوروں کے ہم رکاب ہو جائیں۔ اس کے یہ معنٰی ہیں کہ نہ صرف باہر کی دنیا میں بلکہ خود ملت کے اندر بھی یہ تصور جڑیں پکڑنے لگے کہ اسلام کا اپنا کوئی نظامِ زندگی ہے ہی نہیں، اور مسلمان کے لیے بالکل جائز ہے کہ وہ جس اصولِ سیاست، جس اصولِ معاشرت، جس اصولِ حکومت اور جس اصولِ تمدن کو چاہے اپنا لے۔ ایسی مغالطہ آفریں حالت میں دستور ساز و قانون ساز مجلسوں کی شرکت اسی درجے کا تعاون علی الاثم نہ ہو گی جس درجے کا وہ فی الواقع ہے۔ بلکہ یہ عوارض اس کے درجاتِ حرمت کو کہیں بڑھادیں گے، جس طرح کہ شراب اور سود کی حرمت اپنے مذکورہ عوارض کی بنا پر ایک مثالی حرمت بن گئی ہے۔ افسوس ہے کہ اگر مفادِ مسلمین اور مفادِ اسلام میں یہ لوگ فرق نہ کر سکیں، اور مفادِ مسلمین کے درد سے بے تاب ہو کر وہ اسلام کے بہترین مفاد کو قربان کر دیں، حالانکہ وہ اصلاً مفادِ اسلام ہی کے ذمے دار ہیں نہ کہ مفادِ مسلمین کے۔ علاوہ ازیں انہیں اس رمز سے ناواقف نہ ہونا چاہیے کہ مفادِ مسلمین کا حقیقی تحفظ بھی مفادِ اسلام کے تحفظ ہی میں پوشیدہ ہے، اگرچہ ابتدا میں عارضی نتائج اس کے خلاف ہی کیوں نہ نظر آئیں۔ لیکن اگر ان کا حساس قلب مفادِ قومی کے معاملے میں اتنا صبر نہیں کر سکتا، اور ان کا جی چاہتا ہے کہ بروقت اس کے تحفظ کا سامان ہوتا رہے تو بھی ان کو سوچنا چاہیے کہ اس قومی خدمت کے لیے ان کی ملت میں ماشاء اللہ کوئی قحط الرجال نہیں ہے۔ وہ جن کرسیوں پر بیٹھنا چاہتے ہیں ان پر وہ خود اگر نہ بیٹھیں تو دوسرے "خدامِ ملت" انہیں پر کرنے کے لیے ہمہ وقت موجود ہیں اور بہ تعداد کثیر موجود ہیں۔ پھر ان پر کیا مصیبت آئی ہے، جو بے دینی کا یہ عَلَم اپنے ہی ہاتھوں اٹھانے کے لیے وہ بے قرار ہیں۔ کیوں نہیں اسے وہ دوسروں کے لیے چھوڑ دیتے اور خود اپنے اصل مقصدِ حیات کی قندیل روشن رکھتے؟ اسلام، قرآن، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر کم از کم اتنا تو حق ہے ہی کہ وہ اپنے عمل سے ان حرکتوں کو سندِ تقدیس نہ عطا فرمائیں، جن کو خدا بیزاری کا طوفان جنم دے رہا ہے۔ یہ لوگ تو عالمِ اسباب میں اسلام کی آخری پناہ گاہ ہیں، اگر ان کے دربار سے بھی اس غریب کو روکھا جواب مل گیا، تو اب وہ اپنا حالِ زار کسے سنانے جائے گا؟

یہ بزرگ یاد رکھیں کہ نظامِ حکومت اور سیاست کی حدود اب قریب قریب وہاں پہنچ کر ختم ہوتے ہیں جہاں انسانی زندگی کے مسائل ختم ہوتے ہیں، اس لیے کسی جاہلی نظام سے تعاون اور عملی اظہارِ وفاداری ان کو اپنی کسی حد پر بہ مشکل ہی ٹکنے دے گا، یہ تعاون اس کے لیے ایک دلدل ثابت ہو گا جس میں پھنسے ہوئے ان کے قدم روز بروز اور گہرائی میں دھنستے چلے جائیں گے۔ وہ صرف اسی پر مجبور نہ ہوں گے کہ اپنے ملک میں سیکولرزم کا قصیدہ پڑھیں، بلکہ باہر کی دنیا سے بھی اگر کہیں اسلامی نظام کا لفظ سننے میں آگیا تو اس سے انہیں اپنی پیشانی پر بل لانا پڑے گا، زبان سے اس توقع اور تمنا کا اظہار کرنا پڑے گا کہ "ان شاءاللہ" انجام کار "وہاں" بھی لادینی حکومت قائم ہو کر رہے گی۔ بلکہ شاید یہ بھی کافی نہ سمجھا جائے اور ان سے کہلوایا

[1] یعنی جاہلیت کی نچلی سطح۔ (ادارہ)

جائے گا کہ ہمارا یہ نظام بھی اسلامی نظام ہی ہے، اگرچہ اس کے آئین اور قانون میں اللہ اور رسول، قرآن و سنت کا نام کہیں نہیں۔ جاہل اور دیوانہ ہے وہ شخص جو اسے جاہلی اور غیر اسلامی نظام کہے۔ اس بنیادی مصالحت کے بعد نہ پوچھئے کہ ان کے حضور مختلف مسائل زندگی سے متعلق کیسے کیسے جاہلانہ حل پیش کیے جائیں گے، اور ان سے چاہا جائے گا کہ ان پر آنکھ بند کر کے "اسلامیت" کا ٹھپہ لگاتے جائیں، یا کم از کم سکوتِ مصلحت آمیز سے اس کے لا باس بہ (بے مضائقہ) ہونے کا تصور دلا دیں۔

"اھون البلیّتین" کی سپر

اس بحث میں "اھون البلیّتین" کے فقہی ضابطے کو ایک ڈھال سا بنالیا گیا ہے۔ اور دین و شریعت کے کتنے ہی اصولی مطالبوں کو اسی ڈھال پر لے کر رد کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ جہاں تک مسئلۂ زیر بحث کا تعلق ہے یہ دو بلاؤں میں سے ہلکی بلا کا اختیار کرنا نہیں ہے بلکہ بجائے خود ایک نئی بلا کی تخلیق ہے جو موجودہ بلا (یا بلاؤں) سے کہیں زیادہ خود مہلک ہے۔ مان لیجیے کہ مسلمان کے حصے میں اس وقت صرف بلائیں ہی بلائیں رہ گئی ہیں اور اس کے لیے دو یا دو سے زائد بلاؤں میں سے کسی نہ کسی بلا کا انتخاب کرنا ہی مقدر ہے، کیونکہ اب اس کے لیے پسند کے قابل سارے ہی راستے بند ہیں۔ تو کیا سب سے ہلکی بلا یہی رہ گئی ہے کہ وہ نظامِ جاہلی کا علم بردار بن جائے، لادینیت کا پرچار کرتا پھرے، قرآن و سنت کو مسجدوں میں بند کر کے انسانی حاکمیت کی بنیاد پر قانون سازی کرنے لگے، اور پھر وہ سب کچھ کرے جو اس کا تقاضا ہے؟ کیا اسلام کے نمائندوں، حق کے شاہدوں معروف کے علم برداروں اور اقامت دین کے ذمے داروں کے لیے یہی سب سے ہلکی مصیبت ہے تو خدارا بتایا جائے سب سے بڑی مصیبت کیا ہوگی؟ کتنا عجیب و غریب ہوگا وہ دین جو اپنی بنیادی تعلیمات تک کی مسلسل خلاف ورزی کو بھی اھون البلیات کہہ کر ٹال دے۔

کیا سب سے ہلکی بلا یہی رہ گئی ہے کہ وہ نظام جاہلی کا علم بردار بن جائے، لادینیت کا پرچار کرتا پھرے، قرآن و سنت کو مسجدوں میں بند کر کے انسانی حاکمیت کی بنیاد پر قانون سازی کرنے لگے، اور پھر وہ سب کچھ کرے جو اس کا تقاضا ہے؟ کیا اسلام کے نمائندوں، حق کے شاہدوں معروف کے علم برداروں اور اقامت دین کے ذمے داروں کے لیے یہی سب سے ہلکی مصیبت ہے تو خدارا بتایا جائے سب سے بڑی مصیبت کیا ہوگی؟

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ بلا جوئی بھی اس حال میں کی جا رہی ہے جب اچھی راہیں موجود ہیں۔ کسی دھارمک پرچارک، کسی نیشنلسٹ نیتا، کسی سوشلسٹ رہنما، کسی کمیونسٹ لیڈر کی زبان پر قفل نہیں، کوئی نہیں، جو کسی "بلا" کے اختیار کرنے پر ہی مجبور ہو، بلکہ سارے کے سارے پوری بے باکی سے اپنے مقاصد کی اشاعت و اقامت میں دن رات منہمک ہیں، مگر ایک دین حق کے علم بردار ہی ایسے ہیں جن کے لیے ساری آزادیاں چھنی ہوئی ہیں، جو مجبور ہیں کہ زبان پر اپنے مقصدِ حیات کا نام بھی نہ لائیں، جن کے مقسوم (یعنی حصے) میں بس بلائیں ہی بلائیں ہیں، وہ نہ اپنے مشن کا اظہار کر سکتے ہیں، نہ اس کی اشاعت کر سکتے ہیں، نہ اس کی دعوت دے سکتے ہیں، نہ اس کے لیے جدوجہد کر سکتے ہیں! یہ حالات کا کیسا غلط اندازہ ہے؟ کوئی آنکھیں رکھنے والا یہ کیسے باور کر سکتا ہے کہ آج کا مسلمان اپنی منزل مقصود کی مخالف سمت ہی میں حرکت کرنے پر مجبور ہے۔ یقیناً صحیح سمت چلنے کی راہ پوری طرح کھلی ہوئی ہے[1] یہ دوسری بات ہے کہ ہمارا ذوقِ نگاہ ہی فاسد ہو چکا ہو اور ہمیں بس مختلف بلاؤں میں انتخاب ہی کی سوجھتی رہے۔ کہیں اس اندازِ فکر کی تہہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ سوئے ظن تو کام نہیں کر رہا ہے کہ ہم اس کے دین کا نام لیتے ہی اپنے گھروں سے اچک لیے جائیں گے، زمین ہمارے لیے تنگ ہو جائے گی اور آسمان ہم پر ٹوٹ پڑے گا؟ اگر ایسا ہے تو صد افسوس، کیونکہ اس نے تو ہم سے کچھ اور ہی وعدے کیے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اھون البلیتین کے اصول کا نہایت غلط انطباق کیا جا رہا ہے۔ اس اصول کا موقع استعمال کچھ اس طرح کے حالات میں ہوتا ہے کہ فرض کر لیجیے مسلمانوں کا ایک گروہ کسی کشتی میں سوار ہے، اس پر دشمن نے گولہ باری کر دی یا اس میں آگ لگا دی، جس کے بعد ان مسلمانوں کے سامنے دو ہی راستے ہوں، یا تو وہ بدستور کشتی میں بیٹھے رہیں اور گولہ باری اور آگ کی ہلاکتوں سے دوچار ہوں یا پھر سمندر میں پھاند پڑیں، اور غرقابی کے خطرات مول لیں۔ اسی حالت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو رویہ مقابلتاً کم خطرناک اور کچھ زیادہ قابل برداشت معلوم ہو اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔ اب اندازہ لگا لیجیے محکوم مسلمانوں کے حالات کا۔ کیا فی الواقع وہ جاہلیتِ متسلط سے دل کھول کر تعاون کرنے اور اسلام کے صریح اصول و احکام کی خلاف ورزیاں کرنے پر ویسے ہی مجبور ہیں جیسے کہ مذکورہ بالا امثال کے اہل کشتی آگ اور پانی کی دو ہلاکتوں میں سے کسی نہ کسی ہلاکت کے اختیار کرنے پر مجبور ہیں؟

اسوۂ یوسفی کا غلط "استعمال"

جاہلی اور غیر اسلامی نظام سے تعاون کی بحث میں سیدنا حضرت یوسفؑ کی مصری زندگی کو بھی بطور استدلال پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن استدلال نہیں بلکہ "استعمال" ہے جو اپنے افکار و اعمال کے

---

[1] صحیح سمت چلنے کی مکمل راہیں کبھی بند بھی نہیں ہو سکتیں کہ بلاؤں کے انتخاب کے چکر میں پڑا جائے کیونکہ فرمان رسول ﷺ ہے: "یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا مسلمانوں کی ایک جماعت اسی پر لڑتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔" (مسلم، مشکوۃ کتاب الجہاد)

لیے کیا جاتا ہے۔ یہ اصل حالات سے بے خبری ہے جو مسئلۂ زیر بحث کو حضرت ممدوح کے واقعے سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ استنباط اس وقت صحیح ہوتا جب یہ ثابت ہوتا کہ حضرت یوسفؑ نے حکومت کا کل اقتدار نہیں بلکہ جزئی اقتدار حاصل کیا تھا، اقتدار سنبھالتے وقت وہ منصب نبوت پر فائز ہو چکے تھے، اور فرعونِ مصر اس وقت بدستور غیر مسلم تھا۔ مگر یہ تینوں ہی باتیں نہ صرف یہ کہ ثابت نہیں، بلکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہی نظر آتی ہے۔ آگے ہم اس اجمال کی مدلل تفصیل پیش کریں گے، اس سے پہلے ایک ضروری اصولِ استنباط سمجھ لیجیے۔

مسائل شرعیہ پر غور وفکر کا اصول یہ ہے کہ ہمیشہ اصل سے فرع کی طرف، منصوص سے مفہوم کی طرف، مفصل سے مجمل کی طرف، واضح سے مبہم کی طرف اور محکم سے متشابہ کی طرف چلا کرتے ہیں۔ کسی بات کے سوچنے اور استنباط کرنے کا یہ طریقہ قطعاً غلط، غیر علمی اور غیر دینی ہے کہ کسی مجمل اور مبہم آیات یا حدیث کے بعید اشارات سے کرید کرید کر نکالا جائے، درآں حال یہ کہ اس کے لیے واضح اور محکم نصوص موجود ہوں۔ اگر آپ اُمت کی تاریخ افتراق پر نظر ڈالیں تو پائیں گے کہ افتراق کا یہ مہلک بالعموم اسی غلط اندازِ فکر واستنباط کا ثمرہ ہے۔ خدا کی کتاب اپنے بارے میں تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کا نعرہ لگاتی ہی رہی مگر غیر متوازن دماغوں نے اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی، اور واضح نصوص کی موجوگی میں وہ مجمل اور مبہم آیات و احادیث کی طرف رجوع کرتے رہے اور نت نئے افکار و تصورات دین کے نام پر اختراع کرتے رہے، اور جب قرآن وسنت کے بعض مجمل بیانات سے انہوں نے اپنی پسند کی ایک بات نکال لی تو پلٹ کر ان نصوص کی طرف متوجہ ہو لیے جو مسئلۂ متعلقہ کے بارے میں نہایت واضح تھے اور اس لیے اس کی نوعیت معین کرنے کے وہی اصل حق دار بھی تھے۔ یہاں پہنچ کر بجائے اس کے کہ وہ ان واضح نصوص کی روشنی میں اپنے غلط استنباط کی تصحیح کر لیتے، انہوں نے یہ کیا کہ الٹا انہی نصوص کے ساتھ دھینگا مشتی شروع کر دی اور تاویلات کی خراد پر چڑھا کر انہیں اپنے مزعومات کے مطابق ڈھال لیا۔ یہ اگرچہ ہے بڑی افسوسناک بات، لیکن اس کے وجود کا انکار بھی ممکن نہیں، اور یہ ساری افسوسناک صورتِ حال اس کج اندیشی کا نتیجہ ہے کہ لوگوں نے محکماتِ دین کو پیچھے اور اشارات و کنایاتِ نصوص کو آگے رکھ لیا، پھر اپنے اپنے ذوق کے مطابق نئے نئے فلسفے اور نقطے ایجاد کرتے اور سب کو قرآن سے لا کر وابستہ کرتے رہے۔ حالانکہ سلامتی کی راہ سمتِ مخالف میں تھی۔

اصول کو سامنے رکھ کر حضرت یوسفؑ کی ''ملازمت مصر'' کے معاملے پر غور کیجیے:

(الف) کفر و جاہلیت کے تعاون اور موالات کے بارے میں قطعی، محکم اور واضح نصوص موجود ہیں، مثلاً وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأْمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ اور وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ (ای بالطاغوت) اور إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلّهِ [1] اور وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ اور اتَّبِعُواْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلاَ تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاء اور هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ اور لاَ تَتَّخِذُواْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاء اور إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وغیرہ آیات، نیز من رأى منكم منكرا فليغيره الخ...... لا تستضيئوا بنار المشركين، انا بری من كل مسلم بين ظهر انی المشركين وغیرہ احادیث۔

(ب) بلا استثنا تمام انبیائے کرام کا مقصدِ بعثت یہ تھا کہ لوگوں [1] کو الٰہِ واحد کی بندگی (پرستش اور اطاعت) کی دعوت دیں (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ) اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے دین (نظامِ عقائد و اعمالِ حیات) کو اللہ کی اس زمین پر قائم کریں (شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ......أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ)

(ج) بلا استثنا سارے ہی انبیا کی قطعی پوزیشن یہ تھی کہ وہ دوسرے انسانوں کے مطاعِ مطلق ہیں (وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلاَّ لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّهِ) ''اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس واسطے کہ اس کا حکم مانیے اللہ کے فرمان سے'' (النساء ٦٤)۔ نہ یہ کہ وہ خود ہی کسی اور کے، حتیٰ کہ علم بردارانِ کفر کے پیرو مطیع اور چاکر ہوں۔

ان بنیادی باتوں کو نگاہ میں رکھیے، پھر قرآن کے ان لفظوں پر نظر ڈالیے جن میں حیاتِ یوسفی کی مصری تاریخ بیان کرتے ہوئے ان کی زبان سے اجعلنى على خزائن الارض ''مجھ کو مقرر کر و ملک کے خزانوں پر'' (یوسف:۵۵) کا مطالبہ (نہ کہ درخواست) مذکورہ ہے۔ اس کے بعد غور کیجیے کہ اس واقعے سے نظامِ کفر کے ساتھ ''تعاون'' کی سند جواز کسی طرح بہم پہنچتی ہے؟ ایک طرف تو اتنے سارے محکم نصوص اور واضح ہدایات ہیں، دوسری طرف قرآن کا یہ مجمل بیان کہ حضرت یوسفؑ نے شاہِ مصر سے فرمایا تھا ''مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر'' اس دو لفظی بیان کے سوا نہ تو قرآن اس کی وضاحت کرتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کا اس وقت دینی مقام کیا تھا؟ آیا ابھی وہ منصبِ نبوت پر سرفراز ہوئے تھے یا نہیں؟ نہ وہ اس حقیقت کا کوئی انکشاف کرتا ہے کہ اس ''تقرر'' کے وقت خود شاہِ مصر کا کیا حال تھا؟ اس کے سامنے توحید کی دعوت پیش ہو چکی تھی یا نہیں؟ اور اگر پیش ہو چکی تھی تو اس نے جواب کیا دیا تھا؟ انکار میں یا اقرار میں؟

اب صورتِ واقعہ کے اس مجمل خاکے میں تفصیل کا رنگ بھرنا تو بہر حال ضروری ہے، کہ اس کے بغیر مسئلۂ تعاون کے ضمن میں اس سے استدلال کیا ہی نہیں جا سکتا۔ سوال یہ ہے کہ وہ رنگ کیا ہو یعنی کہ اس اجمال کی تفصیل کیا سمجھی جائے؟ کیا ایسی جو مذکورہ بالا نصوص اور محکمات سے متصادم ہو جاتی ہو؟ یا ایسی جو ان سے ہم آہنگی رکھتی ہو؟ اگر کوئی دین کے محکم ضوابط اور قرآن کے اصولی حقائق کی پرواہ نہیں کرنا چاہتا تو...... (باقی صفحہ نمبر 108 پر)

[1] منکر کی تعریف اور اس کے حدود و وسعت کو سامنے رکھیے جس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔

دہشت گردی کیا ہے؟

مجاہد فی سبیل اللہ، لیفٹیننٹ جنرل شاہد عزیز شہید عجل اللہ

لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز پاکستان کی ملٹری ایلیٹ میں ایک نمایاں نام ہیں۔ چیف آف جنرل سٹاف اور کور کمانڈر لاہور جیسے عہدوں پر فائز رہنے کے علاوہ ڈائریکٹر جنرل نیب (قومی احتساب بیورو) رہے۔ فوج کو آپ نے قریب سے دیکھا اور اس کو باطل جانا۔ بعد از ریٹائرمنٹ آپ نے اپنے ضمیر کی آواز پر اپنی خود نوشت 'یہ خاموشی کہاں تک' لکھی اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ کو القاعدہ برِّصغیر کے سر کردہ ذمہ دار اور مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' کے بانی مدیر حافظ طیب نوازؒ صاحب کے ذریعے براہ راست حق کی دعوت ملی۔ آپ نے حق کی دعوت کو سمجھا اور اس پر لبیک کہتے ہوئے جہاد سے وابستہ ہو گئے۔ ایمان کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے، بطورِ کفارہ آپ نے بہتر جانا کہ آپ جہاد، خصوصاً عصر حاضر میں امریکہ کے خلاف جاری جہاد کے متعلق لکھیں اور دعوتِ جہاد میں اپنا حصہ ڈالیں۔ اس غرض سے آپ نے اپنی دوسری کتاب 'War against Terrorism and the concept of *Jihad*' تصنیف کی۔ آپ کو یقین تھا کہ اس کتاب کو لکھنے کے جرم میں آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا، لہٰذا اس کتاب کی تکمیل تک آپ نے اس بات کو صیغۂ راز میں رکھا۔ سنہ ۲۰۱۵ء کے نصفِ آخر میں آپ کی یہ کتاب مکمل ہوئی تو اس کتاب کا ایک نسخہ القاعدہ برِّصغیر کے مرکزی ذمہ داران تک اس پیغام کے ساتھ پہنچایا کہ 'میں ارضِ جہاد کی طرف ہجرت کرنا چاہتا ہوں'، ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ 'اگر یہ کتاب شائع ہو جائے اور پھر میں گرفتار کر لیا جاؤں تو مجھے کچھ غم نہیں!'۔ آپ کی گرفتاری یا شہادت کی صورت میں اس کتاب کے 'مستند' ہونے پر کوئی اعتراض نہ کرے لہٰذا آپ نے خود ہی اس کا بندوبست بھی فرمایا کہ اسے ایک مقالے کی صورت میں 'بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد' کے شعبۂ اسلامیات میں 'ایم اے' کی سند کے مقالے کے طور پر جمع کروایا۔ لیکن اس سے پہلے کہ آپ میدانِ جہاد پہنچتے پاکستان کے خفیہ اداروں نے آپ کو گرفتار کر کے پسِ زنداں ڈالا اور یوں امریکی 'وار آن ٹیرر' میں فرنٹ لائن اتحادی اور امریکی وفاداری میں دین تو دین، اپنے 'ادارے کی وفاداری' (Military Comradeship) کو بھی پامال کیا۔ سال ۲۰۱۸ء کے وسط میں آپ کی شہادت کی خبریں منظرِ عام پر آئیں۔ بعض ذرائع نے شہادت کی اطلاعات کی تردید کی، لیکن مجاہدینِ القاعدہ برِّصغیر کو اپنے ذرائع سے جو خبریں ملیں، ان کے مطابق مجاہد فی سبیل اللہ شاہد عزیز صاحب، شہید ہو چکے ہیں، اللہ پاک آپ سے راضی ہو جائیں اور آپ کو انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کی معیتِ حسنہ عطا فرمائیں، آمین۔ لیکن (گو کہ اس بات کا امکان بہت کم ہے) اگر آپ بحالتِ گرفتاری حیات بھی ہیں تو ہم دعا گو ہیں کہ اللہ پاک آپ کو ایمان پر استقامت کے ساتھ رہائی عطا فرمائیں۔ (ادارہ)

زیرِ نظر مضمون شاہد عزیز صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا 'انگریزی' تصنیف کے زیرِ طبع اردو ترجمے سے لیا گیا ہے، اردو ترجمہ ہمارے ساتھی 'قاضی ابو احمد' نے کیا ہے۔ ان شاء اللہ، شاہد عزیز صاحب کی اس مذکورہ تصنیف کے منتخب حصوں سے مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' کو مزین کیا جاتا رہے گا۔ زیرِ نظر منتخب مضمون میں شاہد عزیز صاحب نے 'دہشت گردی' کی اصطلاح کا جائزہ لیا ہے اور اس کے مختلف معانی و مفاہیم کو دنیا کے مختلف اداروں کی زبانی بیان کیا ہے اور اس کے ایک مجہول اصطلاح ہونے پر بات کی ہے۔ (ادارہ)

دہشت گردی کی علمی / سیاسی تعریف

"Terrorism (دہشت گردی)" کی اصطلاح فرانسیسی 'terrorisme' اور لاطینی 'terror' جس کا معنی عظیم دہشت ہے، سے نکلی ہے۔ فرانسیسی انقلاب کے ایک قائد، میکسی ملین روبز پیئر نے ۱۷۹۴ء میں اعلان کیا کہ "دہشت، فوری، شدید اور بے لچک انصاف کے سوا کچھ نہیں ہے"۔ عوامی تحفظ کی کمیٹی کے ارکان کو، جس نے "دہشت" کی پالیسیاں بزور نافذ کروائیں، "دہشت گرد" کہا جاتا تھا۔ دائرۃ المعارف وکی پیڈیا 'Terrorism' (دہشت گردی)' کی اصطلاح کے بارے میں کہتا ہے[1]:

- دہشت گردی کی تعریف کے حوالے سے نہ علمی اور نہ ہی بین الاقوامی قانونی اتفاق رائے ہے۔ متعدد قانونی نظام اور حکومتی ادارے مختلف تعریفات استعمال کرتے ہیں۔ نیز، حکومتیں ایک متفقہ، قانونی طور پر واجب تعریف وضع کرنے میں تامل کا شکار رہی ہیں۔ یہ مشکلات اس امر کی بنیاد پر ہیں کہ یہ اصطلاح سیاسی اور جذباتی اعتبار سے استعمال کی جاتی ہے۔
- اینگس مارٹن نے آسٹریلوی پارلیمنٹ کے لیے ایک معلوماتی تحقیق میں لکھا کہ "بین الاقوامی برادری کبھی بھی دہشت گردی کی ایک تسلیم شدہ جامع تعریف تخلیق کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کی دہائیوں میں، اس اصطلاح کی تعریف کے سلسلے میں اقوامِ متحدہ کی کوششیں، بالخصوص متعدد ارکان کے مابین قومی آزادی اور خود ارادیت پر تنازعات کے تناظر میں تشدد کے استعمال کے بارے میں اختلافِ رائے کی وجہ سے ناکام ہو گئیں"۔ ان انتشارات نے بین الاقوامی دہشت گردی پر ایک جامع اجتماعی موقف، جس میں دہشت گردی کی ایک مفرد، سب پر محیط، قانونی طور پر واجب، قانونِ فوجداری تعریف شامل ہو، ناممکن بنا دیا۔
- اسی اثنا میں، عالمی برادری نے حلقہ واری معاہدات کے ایک سلسلے کو اختیار کیا جو دہشت گرد کارروائیوں کی متعدد اقسام کا تعین کرتا ہے اور انہیں غیر قانونی قرار دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ۱۹۹۴ء سے، اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے، دہشت گردی کی درج ذیل سیاسی وضاحت استعمال کرتے ہوئے دہشت گرد کارروائیوں کی مذمت کی: "مجرمانہ کارروائیاں، جن کا مقصود یا منصوبہ بندی عام عوام، افراد یا مخصوص افراد کے گروہ میں سیاسی مقاصد کے لیے دہشت پھیلانا ہو، ہر حالت میں ناجائز ہیں، خواہ ایک سیاسی، فلسفیانہ، فکری، نسلی، گروہی، مذہبی یا دیگر کسی بھی نوعیت کے جو بھی ملاحظات ہوں جو ان کی تائید میں پیش کیے جا سکتے ہوں"۔
- امریکی آرمی کے لیے، ۲۰۰۳ء کی جیفری ریکارڈ کی ایک تحقیق میں ایک حوالہ[2] دیا گیا جس نے دہشت گردی کی ۱۰۹ تعریفات کا ذکر کیا ہے جو ۲۲ مختلف تعریفی عناصر کا احاطہ کرتی ہیں۔ ریکارڈ کہتا ہے "ماہر دہشت گردی، والٹر لیکوئیر نے بھی

سوسے اوپر تعریفات ذکر کی ہیں اور اخذ کیا ہے کہ 'واحد متفقہ عمومی صفت' یہ ہے کہ دہشت گردی میں تشدد اور اندیشۂ تشدد شامل ہے۔ تاہم دہشت گردی وہ واحد امر نہیں جس میں تشدد اور اندیشۂ تشدد شامل ہو۔ تشدد اور اندیشۂ تشدد جنگ، جبری سفارت کاری اور شراب خانوں میں ہونے والے غل غپاڑوں میں بھی پایا جاتا ہے"۔

- جیسا کہ بروس ہافمن نے لکھا ہے: "دہشت گردی ایک تحقیر آمیز اصطلاح ہے۔ یہ درحقیقت منفی مفہوم رکھنے والا ایک لفظ ہے جو عموماً دشمنوں اور مخالفین کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، یا ان کے لیے جن سے انسان اختلاف رکھتا ہے اور بصورت دیگر نظر انداز کرنے کو ترجیح دے گا...... پس کسی کو دہشت گرد پکارنے یا کسی تنظیم کو اس سے منسوب کرنے کا فیصلہ تقریباً ناگزیر حد تک داخلی بن گیا ہے، جس کا بڑی حد تک دارومدار اس پر ہے کہ آیا کوئی متعلقہ فرد، گروہ، مقصد سے ہمدردی رکھتا ہے یا اختلاف رکھتا ہے۔ مثلاً اگر، کوئی زیادتی کا نشانہ بننے والے سے مطابقت رکھتا ہے، تو وہ عمل دہشت گردی ہے۔ لیکن اگر کوئی زیادتی کا ارتکاب کرنے والے سے مطابقت رکھتا ہے تو تشدد کی کارروائی کا ہمدردانہ، مثبت نہ سہی (یا بدترین طور پر، متردد) ہلکے انداز میں حوالہ دیا جائے گا؛ اور یہ دہشت گردی نہیں ہے"۔ اس وجہ سے اور سیاسی وجوہات سے، بہت سے خبر رساں ذرائع (جیسا کہ رائٹرز[3]) اس اصطلاح کے استعمال سے گریز کرتے ہیں اور اس کی بجائے نسبتاً کم الزامی الفاظ مثلاً "بمبار"، "جنگجو" وغیرہ اختیار کرتے ہیں۔
- بہت سے ممالک میں، دہشت گردی کی کارروائیوں اور دیگر مقاصد کے لیے کی جانے والی مجرمانہ کارروائیوں میں قانونی تفریق کی جاتی ہے۔

جمعیتِ اقوام (League of Nations) ۱۹۳۷ء: ایک ریاست کے خلاف تمام مجرمانہ کارروائیاں، اور جن کا مقصود یا منصوبہ بندی مخصوص افراد یا افراد کے گروہ یا عام عوام کے ذہنوں میں خوف و دہشت کی حالت پیدا کرنا ہو، دہشت گردی ہیں۔[4]

ایف بی آئی کی تعریف: "عالمی دہشت گردی" کا معنی درج ذیل تین صفات کی حامل کارروائیاں ہیں[5]:

- پر تشدد یا انسانی زندگی کے لیے مضر کارروائیاں جو وفاقی یا ریاستی قانون کی خلاف ورزی کرتی ہوں؛
- بظاہر ان کا مقصد
  - ایک سویلین آبادی کو دھمکانا یا مجبور کرنا؛
  - ایک حکومت کی پالیسی پر جبر یا دہشت کے ذریعے دباؤ ڈالنا؛ یا
  - ایک حکومت کے انتظام پر تباہی و بربادی، قتل یا اغوا کے ذریعے اثر انداز ہونا؛ اور
- اولاً امریکہ کی علاقائی عمل داری سے باہر واقع ہوں، یا ان وسائل جن کے ذریعے یہ پایۂ تکمیل تک پہنچتی ہیں، ان افراد جن پر جبر و دہشت بظاہر ان کا مقصد ہو، یا وہ علاقہ جس میں اس کے مرتکبین فعال ہوں یا پناہ حاصل کرتے ہوں، کے لحاظ سے قومی حد بندی سے تجاوز کریں۔

امریکی نائب صدر کی ٹاسک فورس ۱۹۸۶ء: دہشت گردی، سیاسی یا معاشرتی مقاصد کے حصول کی خاطر افراد یا جائیداد کے خلاف تشدد کے استعمال کی دھمکی کا غیر قانونی استعمال ہے۔ عموماً اس کا مقصد ایک حکومت، افراد یا مجموعات پر جبر و دہشت کا اظہار یا ان کے رویوں یا سیاسی مقاصد کی تبدیلی ہوتا ہے۔[6]

امریکی وزارتِ دفاع: دہشت گردی، خوف و دہشت پھیلانے کے لیے غیر قانونی جبر یا غیر قانونی جبر کی دھمکی کا متعین استعمال ہے؛ جس کا مقصد عموماً سیاسی، مذہبی یا نظریاتی اہداف کے حصول کی خاطر حکومتوں یا معاشروں کو مجبور کرنا یا دھمکانا ہے۔[7]

نیٹو: افراد یا املاک کے خلاف قوت یا سختی کا غیر قانونی یا دھمکی آمیز استعمال، جس کا مقصد سیاسی، مذہبی یا نظریاتی مقاصد کے حصول کی خاطر حکومتوں یا معاشروں کو مجبور کرنا یا دھمکانا ہو۔[8]

عرب وزرائے داخلہ وانصاف کی کونسل، ۱۹۹۸ء: دہشت گردی تشدد کی ایسی کارروائی یا دھمکی ہے (جو بھی اس کے محرکات و مقاصد ہوں) جو ایک فرد یا اجتماعی مجرمانہ لائحۂ عمل کی پیش قدمی کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہے اور لوگوں میں کھلبلی پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے، انہیں نقصان پہنچا کر یا ان کی زندگیوں، آزادی یا تحفظ کو خطرے میں ڈال کر خوف پھیلاتی ہے، یا ماحول یا عوامی یا شخصی تنصیبات یا املاک کو نقصان پہنچانے یا ان پر قبضہ کرنے یا انہیں غصب کرنے کی کوشش کرتی ہے، یا قومی وسائل کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔[9]

بعض کے لیے دہشت گردی کی تعریف قانونی اصطلاحات میں ہے: "اصطلاحِ 'دہشت گردی' تمام ناقابل قبول کارروائیوں کو شامل ہے، جن میں یا تو حملے کا طریقۂ کار غیر قانونی ہو یا حملے کے ہدف کو قانونی تحفظ حاصل ہو، یا دونوں صورتیں ہوں، خواہ کوئی ریاست ان کی ذمہ داری قبول کرے یا افراد"۔[10]

دہشت گردی، مذہبی انتہاپسندی کے طور پر

US Asia-Pacific Centre for Security Studies کی جنوبی ایشیا میں مذہبی انتہا پسندی اور سلامتی کے بارے میں رپورٹ کہتی ہے کہ عام معانی میں دہشت گردی، یعنی 'بے گناہوں کو ہدف بنا کر قتل کرنا' اسلامی عقائد سے بھی اتنی ہی متضاد ہے جتنا کہ دنیا کے کسی بھی مذہب کے عام رجحان یا جدید تہذیب کے معیارات سے۔ یہ نشاندہی کرتی ہے کہ "سیاسی شدت کا اکثر تناظر سیاسی ہوتا ہے جس کے بغیر یہ صحیح طرح نہیں سمجھی جا سکتی۔ کسی بھی خاص واقعے میں سیاسی شدت سمجھنے سے اس سے چشم پوشی کرنے یا اس کی دلیل دینے، یا اسے روکنے

یا اس کا قلع قمع کرنے کے ذرائع کے حصول میں تامل کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی 'دہشت گردی' کو حملہ آوروں اور قابضوں کے خلاف آزادی کی تحریکات، (محسوس) ظلم و استبداد کے خلاف انقلابی کارروائیوں، یا کسی تاریخی تنازعے میں طاقت کے جواب میں طاقت کے استعمال..... خواہ مذہبی اختلافات شامل ہوں یا نہ ہوں، کے مساوی قرار دینے میں خود بخود نتیجہ خیز نہیں ہے"۔[11]

موہن ملک، ایک غیر ریاستی عنصر کو، سیاسی مقاصد رکھنے والے مذہبی انتہاپسند نظریے یا تحریک کے طور پر بیان کرتا ہے، جو علاقائی اور عالمی بالادستی یا علاقائی یا عالمی بالادستی قائم کرنا چاہتا ہو اور غیر روایتی اسلحے کے ساتھ جنگ، بشمول بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال کے ذریعے جدید ریاستی نظام کی تباہی کا حامی ہو۔[12]

Asia-Pacific Centre for Security Studies کے لیے محمد وسیم لکھتا ہے، "دہشت گردی کو امریکہ کی عوامی حکمت عملی (پبلک پالیسی) سے متعلق معاملے کی بجائے (مسلمان) ذہن کی حالت کے طور پر سمجھا جاتا ہے"۔ پاکستان پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے، "صدیوں سے پاکستانیوں میں مستقل شناخت کی کمی ہے جو ملک میں علاقائی قوم پرستی کے سرچشمے کا کردار ادا کرتی..... یہ اصولی طور پر اپنے نظریے میں ایک امت کے (نظریے کے) علم بردار ہیں۔ ہندو غالب ہندو تہذیب سے جدا ہونے کے عمل، جو ۱۹۴۷ء میں شروع ہوا اور جس میں ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش بننے کے بعد نیا جوش و خروش پیدا ہوا، نے پاکستان کو بڑی حد تک پوری دنیا میں اسلامی اقوام اور مجموعات کی تقدیر کے ساتھ منسلک کر دیا۔ پاکستان میں اسلامی تنظیمیں عالمی سیاست کے دو شاخہ ڈھانچے کے اندر کام کرنے والے اپنے بین القومی نظریے اور خطوط پر پھلتی پھولتی ہیں"۔[13]

پاکستان کے 'انسدادِ دہشت گردی ایکٹ' میں بیان کردہ تعریف

پاکستان کا 'انسدادِ دہشت گردی ایکٹ ۱۹۹۷ء'، 'دہشت گردی' اور اس کے تحت آنے والے امور کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے: "جو بھی، لوگوں میں یا لوگوں کے کسی دھڑے میں دہشت پھیلانے کے لیے، یا لوگوں کے کسی دھڑے سے برگشتہ کرنے کے لیے یا لوگوں کے مختلف دھڑوں کے مابین ہم آہنگی پر برا اثر ڈالنے کے لیے، بم، ڈائنامائٹ یا دیگر بارودی یا آتش گیر مادہ، یا آتشیں اسلحہ یا دیگر خطرناک ہتھیار یا زہر یا مہلک گیسیں یا کیمیائی مادے یا مضر قسم کے دیگر مادے استعمال کر کے کوئی بھی چیز یا کام اس طریقے سے کرتا ہے جس سے کسی فرد یا افراد کی موت واقع ہو، یا موت واقع ہو سکتی ہو، یا زخم لگ سکتا ہو، یا املاک تباہ ہو سکتی ہوں یا ان کو نقصان پہنچ سکتا ہو، یا سماجی زندگی کے لیے ناگزیر کسی سامان یا خدمات کی فراہمی منقطع ہو سکتی ہو، یا آتشیں اسلحے کا مظاہرہ کرے، یا قوت کے استعمال کے ذریعے سرکاری ملازمین کو اپنی قانونی ذمہ داریاں ادا کرنے سے روکنے کے لیے دھمکائے، دہشت گردی کی کارروائی کا مرتکب ہے"[14]۔ بعد ازاں مشرف حکومت کی جانب سے ایک ترمیم جاری کی گئی: دہشت گردی مخالف (ترمیمی) ایکٹ، ۲۰۰۱ء، جس نے دہشت گردی کی عدالتوں کے تحت آنے والے معاملات کا دائرہ بہت وسیع کر دیا۔ ترمیمی ایکٹ کے مطابق، کسی بھی کارروائی کو 'دہشت گردی' قرار دیا جا سکتا ہے اگر اس میں[15]

اَ. موجبِ ہلاکت کسی کام کا کرنا شامل ہو؛

ب. کسی فرد کے خلاف اندوہناک تشدد، یا کسی فرد کو شدید جسمانی چوٹ یا نقصان کا پہنچنا شامل ہو؛

ج. املاک کا شدید نقصان ہو؛

د. کسی ایسے کام کا کرنا شامل ہو جو کسی انسان کے لیے موجبِ ہلاکت ہو سکتا ہو یا اس کی زندگی کو خطرے میں ڈالے؛

ہ. اغوا برائے تاوان، یرغمال بنانا یا جبری اغوا شامل ہو؛

و. تشدد کی لہر اٹھانے یا داخلی انتشار پیدا کرنے کے لیے مذہبی، فرقہ واری یا نسلی بنیادوں پر نفرت اور اہانت پر ابھارنا؛

ز. کھلبلی مچانے کے لیے پتھراؤ، توڑ پھوڑ یا ایسی ہی کوئی اور حرکت شامل ہو؛

ح. مذہبی اجتماعات، مساجد، امام بارگاہوں، کلیساؤں، مندروں یا عبادت کے دیگر مقامات پر فائرنگ، یا کھلبلی مچانے کے لیے بے تکی فائرنگ، یا مساجد یا عبادت کے دیگر مقامات پر زبردستی قبضہ جمانا ہو؛

ط. عوام کے تحفظ کو سنگین خطرہ پیدا ہو؛

ی. سواریوں کو آگ لگانا یا آتش زنی کی کوئی اور سنگین شکل شامل ہو؛

ک. بھتہ لینا یا املاک کا جبری استحصال ہو؛

ل. مواصلاتی نظام یا افادۂ عام کی خدمات میں سنگین مداخلت یا سنگین انقطاع کے لیے ترتیب دیا گیا ہو؛

م. پولیس، مسلح افواج، شہری اور مسلح افواج کے کسی رکن یا کسی سرکاری ملازم کے خلاف فاش تشدد شامل ہو۔

نائن الیون کے نتیجے میں جنرل مشرف کی وفاقی کابینہ نے دہشت گردی مخالف ضابطے میں مزید ایک ترمیم متعارف کروائی: دہشت گردی مخالف (دوسری ترمیم) آرڈیننس ۲۰۰۲ء پولیس کو حکومت کی "دہشت گردی کی فہرست" (ممنوع مجموعات کے کارکن، عہدہ داران) میں شامل کسی بھی فرد کو ایک سال تک باضابطہ جرم کا الزام لگائے بغیر حراست میں رکھنے کے لیے وسیع چھوٹ دیتا ہے۔ ترمیم دہشت گردی کے ایسے ملزمان کے لیے "سکولوں، کالجوں ...... تھیٹر، سینما، میلوں، تفریحی پارکوں، ہوٹلوں، کلبوں، ریستورانوں، چائے کے کھوکھوں ...... ریلوے سٹیشنوں، بس اڈوں، ٹیلی فون ایکسچینج، ٹی وی سٹیشنوں، ریڈیو اسٹیشنوں...... عوامی یا شخصی پارکوں اور باغوں اور عوامی یا شخصی کھیل کے میدانوں" میں متعلقہ پولیس افسران کی تحریری اجازت کے بغیر جانا ناجائز قرار دیتی ہے۔[16]

دہشت گردی مخالف نظام:

Asia-Pacific Centre for Security Studies کے لیے چارلس کینیڈی لکھتا ہے،

''اگر دہشت گردی مخالف نظام بنانے کے مقاصد؛ دہشت گردی کو کم کرنا، دہشت گردوں کو سزا دینا، قانونی نظام کی افادیت کو بہتر بنانا اور فوری انصاف کی فراہمی ہیں تو پاکستان کا دہشت گردی مخالف نظام مکمل طور پر ناکام ہے۔ بالعکس، اگر دہشت گردی مخالف نظام کے مقاصد کسی کے داخلی سیاسی حریفوں کی نسبت اس کے مقام (یا عہدے) میں بہتری لانا، یا تعلقاتِ عامہ بہتر بنانا، یا بین الاقوامی برادری میں کسی کا منصب بحال کرنا ہیں تو پاکستان کا دہشت گردی مخالف نظام عموماً کامیاب ہے''۔[17]

مئی ۲۰۱۰ء میں، دہشت گردی کے خلاف تحفظ پر نیٹو کا ایک اعلیٰ تربیتی کورس، کابل، افغانستان میں منعقد کیا گیا تھا، جس کا مرکزی نقطہ 'ظہور پذیر خطرے..... دہشت گردی کی مختلف جہات اور رجحانات' تھا۔ کورس کی روداد (جو ۲۰۱۲ء میں نشر کی گئی) نشاندہی کرتی ہے کہ دہشت گردی کی تعریف کسی خاص قسم کے تشدد، جیسے کہ بمباری یا قتل، کی وضاحت نہیں، بلکہ متکلم اور اس کے نقطۂ نظر کے مطابق تشدد کی کسی کارروائی کو موسوم کرنے کا طریقہ ہے۔ دہشت گردی کے موضوع پر مرکوز وسیع ادب اور کئی تحقیقات کے باوجود، بدقسمتی سے، دہشت گردی کی کوئی ایک بھی کثیر الاتفاق تعریف دنیا میں موجود نہیں ہے[18]۔ یہ رپورٹ اس تصریحی دلدل میں کارفرما بنیادی عوامل کا درج ذیل خلاصہ بیان کرتی ہے:

1. دہشت گردی کی وضاحت کے لیے مرکزی کردار تناظر ہے، کیونکہ یہ کسی کے نقطۂ نظر سے بلاواسطہ تعلق رکھتا ہے۔ نقطہ ہائے نظر ثقافت، اجتماعی و انفرادی تجربات اور اجتماعی تشخص سے بنتے ہیں۔
2. دہشت گردی کی تعریف داخلی معاملہ ہے۔ دہشت گردی کا معنی کسی فرد یا قوم کے فلسفے میں پنہاں ہے۔
3. ہر حکمران ریاست اپنے داخلی و خارجی امور کی مناسبت سے دہشت گردی کی وضاحت کرنے کا اپنا سیاسی اور قانونی حق محفوظ رکھتی ہے۔ یوں متعدد ریاستوں نے اپنی اپنی قانونی تعریفات بنالی ہیں کہ دہشت گردی میں کیا شامل ہے۔
4. دنیا ایک گلوبل ولیج کی شکل اختیار کرچکی ہے، جہاں قومی سرحدوں کی اہمیت اوجھل ہو جاتی ہے، دنیا کی آبادی کے مابین مشترکہ اقدار کی حامل ایک عالمگیر ثقافت ظاہر ہوچکی ہے۔ ان عوامل نے انفرادیت کو پارہ پارہ کرکے رکھ دیا ہے۔ بعض محرومیوں کا شکار وہ لوگ جو ایک واضح شناخت کی جستجو میں ہیں، انتہا پسند تحریکات یا تشدد کی کارروائیوں کی بھی جانب مائل ہوسکتے ہیں۔ اس طرح قومیت کی نئی اقسام: مائکرو نیشنل ازم (نسلی قومیت) ظاہر ہوئیں۔
5. 'دہشت گردی' کی تاریخ کے کامل جائزے کے بعد دہشت گردی کی یہ تعریف پیش کی گئی: ''افراد اور معاشروں کے بیچ خوف اور اضطراب پھیلانے کے لیے تشدد کا اندھا دھند استعمال تاکہ حکومتوں پر ان کا اعتماد متزلزل ہوسکے اور یوں اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر حکومتوں اور معاشروں پر دباؤ ڈالا جاسکے''۔ مقصد عوام میں تشویش اور عدم تحفظ کا ماحول پیدا کرکے حکومت کے مبالغہ آمیز ردعمل کو بھڑکانا، دہشت گرد تنظیموں کی قوتوں کو متحرک کرنا، سکیورٹی فورسز کو غیر متحرک بنانا، عوامی آرا پر اثر انداز ہونا، ظالم حکومتوں کا تختہ الٹنا ہے۔

مغرب میں ایک منصفانہ معاشرے میں غیر عادلانہ طریقوں سے انتشار پھیلانے کو دہشت گردی سمجھا جاتا ہے؛ جو مغربی حکومتوں اور ان کی حامی مسلمان حکومتوں کے منصفانہ ہونے کا اشارہ دیتا ہے۔ مجاہدینِ اسلام 'دہشت گردی' کو، امریکی سرکردہ غیر منصف عالمگیر معاشرے کے خلاف فرض جہاد کی ایک قسم سمجھتے ہیں۔

---

[1] http://en.wikipedia.org/wiki/Definitions_of_terrorism
[2] Schmid and Jongman 1988.
[3] Reuters
[4] The Jewish Virtual Library, http://www.jewishvirtuallibrary.org/jsource/ Terrorism/terrordef.html
[5] http://www.fbi.gov/about-us/investigate/terrorism/terrorism-definition
[6] The Jewish Virtual Library
[7] ایضاً
[8] NATO Glossary of Terms and Definitions, AAP-6
[9] The Jewish Virtual Library
[10] Alex Obot-Odora, *Defining Terrorism*, E Law, Mudroch University Electronic
[11] Rodney Jones, *Report on Religious Radicalism and Security in South Asia*, Asia-Pacific Centre for Security Studies, Hawaii, published in Spring 2004, http://www.apcss.org/Publications/Edited%20Volumes/ReligiousRadicalism/ReligiousRadicalismandSecurityinSouthAsia.pdf; visited on 12/10/14, p. 291
[12] Mohan Malik, *Report on Religious Radicalism and Security in South Asia*, Asia-Pacific Center for Security Studies, Hawaii, published in Spring 2004, (http://www.apcss.org/Publications/Edited%20Volumes/ReligiousRadicalism/ReligiousRadicalismandSecurityinSouthAsia.pdf; visited on 12/10/14, p.324
[13] Mohammad Waseem, *Report on Religious Radicalism and Security in South Asia*, Asia-Pacific Center for Security Studies, Hawaii, published in Spring 2004; http://www.apcss.org/Publications/Edited%20Volumes/ReligiousRadicalism/ReligiousRadicalismandSecurityinSouthAsia.pdf; visited on 12/10/14, p.32-33
[14] Pakistan Anti-Terrorism Act, 1997, Section 6, p.53
[15] Pakistan Anti-Terrorism (Amendment) Ordinance, 2001 (14 August 2001), as quoted in *Dawn* online edition, 24 August 200
[16] Rauf Klasra, '*Sweeping Powers for Police to Curb Terrorism*', The News online edition, 20 October 2002.
[17] Charles H. Kennedy, *Report on Religious Radicalism and Security in South Asia*, Asia-Pacific Centre for Security Studies, Hawaii, published in Spring 2004, http://www.apcss.org/Publications/Edited%20Volumes/ReligiousRadicalism/ReligiousRadicalismandSecurityinSouthAsia.pdf; visited on 12/10/14, p.410)
[18] NATO Advance Training Course on Defence against Terrorism: Different Dimensions and Trends of the Emerging Threat – Terrorism, Publisher IOS Press BV, Amsterdam, Netherlands, 2012, http://books.google.com.pk/books?id=myVy1_uPqhYC&printsec=frontcover&dq=subject:%22Political+Science+Terrorism%22&hl=en&sa=X&ei=snY3VKLfFYfbapaugqAG&redir_esc=y#v=onepage&q&f=false, accessed on 10/10/14: p.6

یہودیوں کی تاریخ 2

(یہودیوں کی جدید تاریخ)

ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان شہید رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نظر تحریر نابغۂ روزگار مفکر و داعی الی اللہ، مجاہد فی سبیل اللہ ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جنہیں وابستگانِ جہاد 'ڈاکٹر ابو خالد' کے نام سے جانتے ہیں۔ تحقیق و تاریخ، علمیت و ادارت (مینجمنٹ) ڈاکٹر صاحب کا ذوق تھا، جبکہ باعتبارِ فن آپ ایک میڈیکل ڈاکٹر تھے اور اسی فن میں تخصص کے لحاظ سے سرجن۔ مجاہدین اور مسلمان عوام نے آپ کی ان دونوں نمایاں خوبیوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ بلا مبالغہ سیکڑوں جراحی کے آپریشنز آپ نے ایسی جگہوں پر سرانجام دیے جہاں بنیادی طبی سہولیات بھی موجود نہ ہوتی تھیں۔ اپنی ساری زندگی اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت کی محنت میں کھپانے کے بعد بالآخر آپ ۲۰۱۴ء کے نصفِ آخر میں پاکستان اور افغانستان کے بارڈر کے علاقے میں امریکی و افغان فوج کے مشترکہ فوجی آپریشن میں اپنے دوست و ساتھی میجر عادل عبد القدوس اور اپنے دو قریب از سنِ بلوغ بیٹوں سمیت خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اس تحریر میں مولانا محمد مثنیٰ حسان حفظہ اللہ نے بعض جگہ حاشیے کا اضافہ کیا ہے، جس کے آگے (م ح) کے دستخط درج ہیں۔ (ادارہ)

یہودیوں کی جدید تاریخ انتہائی پیچیدہ اور پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے ایک ہی وقت میں کئی ادوار اور علیحدہ علیحدہ تاریخیں ہیں۔ جب یہودیوں کو رومیوں نے یروشلم سے نکال دیا تھا تو وہ وہاں سے نکل کر شام، عراق، جزیرۂ عرب، یمن، فارس اور انطاکیہ میں پھیل گئے۔ یہ علاقے بھی زیادہ تر رومیوں کے قبضے میں ہی تھے۔ ہر علاقے میں انہیں نئے حکمرانوں اور حالات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ان سب کی تاریخیں جدا جدا ہیں۔ مگر چوتھی صدی عیسوی میں ان رومی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ 'قسطنطین' (Constantine) نے عیسائیت قبول کر لی تو شام میں یہودیوں کے لیے حالات مختلف ہوگئے۔ دوسری طرف ساتویں صدی عیسوی میں اسلام کے ظہور کے بعد جزیرۂ عرب اور یمن میں یہودیوں کو نئے حالات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بعد میں انہیں عرب سے بھی نکال دیا گیا۔ اسلام کے عروج سے جب عیسائیت سمٹ کر مشرقی یورپ میں رہ گئی اور وہاں پاپائی نظام قائم ہوا تو وہاں پر موجود یہودیوں کو نئے حالات درپیش آئے۔ تیرہویں صدی عیسوی میں قوقاف کی 'خیضار' قوم (Khazars) کو (جس نے یہودیت قبول کر لی تھی) تاتاریوں کے حملے کے بعد روس اور مشرقی یورپ کی طرف بھاگنا پڑا جہاں سے یہودیوں کی یورپ میں ایک نئی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح پندرہویں صدی عیسوی میں جب اندلس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا تو مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کو بھی اندلس سے نکلنا پڑا۔ اب کی دفعہ وہ اٹلی اور 'سلطنتِ عثمانیہ' کے علاقے کی طرف چلے گئے۔ اور بالآخر انقلابِ فرانس کے بعد یہودیت ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔

یورپ میں یہودیوں کا قتلِ عام بھی ایک عام سی بات تھی۔ مسلمانوں کے ساتھ صلیبی جنگوں کے دور میں صلیبیوں نے کئی دفعہ ان کا قتلِ عام کیا۔ یہودیوں کے قتلِ عام کی دوسری اہم وجہ ان کا سود در سود پر مبنی معاشی نظام تھا جس میں وہ معاشرے کو جکڑ لیتے تھے اور آخر کار معاشرے ان کے خلاف بغاوت کرتے اور ان کا قتلِ عام ہوتا۔ تاریخ میں تذلیل یہود کی ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں؛ ۱۲۰۹ء میں انہیں انگلستان سے قتلِ عام کے بعد نکالا گیا، اسی طرح فرانس سے پہلے ۱۳۰۶ء میں اور پھر ۱۳۹۴ء میں، بلجیم سے ۱۳۷۰ء میں، چیکو سلواکیہ سے ۱۳۸۰ء میں، ہالینڈ سے ۱۴۴۴ء میں، روس سے ۱۵۱۰ء میں، اٹلی سے ۱۵۴۰ء میں اور جرمنی سے ۱۵۵۱ء میں جلا وطن کیے گئے۔ اندلس پر جب عیسائیوں نے قبضہ کر لیا تو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یہودیوں کو بھی جلا وطن کیا گیا اور ان کا قتلِ عام کیا گیا۔ جلا وطنی اور قتلِ عام کا یہ سلسلہ پورے یورپ میں وقتاً فوقتاً جاری رہا۔

یہودیت اور مارٹن لوتھر کی تحریک

یورپ میں یہودیوں کی تاریخ میں سب سے اہم موڑ جرمن پادری 'مارٹن لوتھر' (Martin Luther) کی تحریکِ اصلاح (Reformation) کی کامیابی ہے۔ مارٹن لوتھر کی یہ تحریک کلیسا کے نظام اور پادریوں کی اصلاح کے لیے شروع کی گئی تھی۔ مگر اس تحریک کی ایک خاص بات یہ تھی کہ مارٹن لوتھر نے رومن کیتھولک عقائد کے برعکس تورات، زبور اور انبیا سے منسوب عہد نامۂ عتیق (Old Testament) میں موجود صحائف کو عیسائیت کے لیے دینی ماخذ قرار دیا۔ ایسی ہی چند وجوہات کی بنا پر مارٹن لوتھر کی اس تحریک کو بہت سے مؤرخین نے یہودیوں کی سازش قرار دیا ہے۔ بعض مؤرخین کے خیال میں مارٹن لوتھر خود یہودی تھا اور بعد میں عیسائی ہوا۔ بعض کے خیال میں اس کی ماں یہودی تھی، واللہ اعلم۔ مگر یہ حقیقت ضرور ہے کہ اس کی اس تحریک کے نتیجے میں عیسائیت میں ایک ایسا نیا فرقہ پیدا ہو گیا جو یہودیوں کو دین میں اپنا بڑا بھائی قرار دیتا تھا اور نہ صرف 'عہد نامۂ عتیق' کو اپنے لیے دین کا ماخذ سمجھتا تھا بلکہ یہودیوں کے عقائد (الارض الموعودہ، ہیکلِ سلیمانی، دعائے دانیال) پر بھی یقین رکھتا اور ان کو یہودیوں کا حق سمجھتا تھا۔ اس فرقے کو آج 'پروٹیسٹنٹ فرقہ' (Protestant) کہا جاتا ہے۔ اس طرح یہودیوں کو عیسائیوں میں اپنا بہت ہی اچھا دوست اور ساتھی مل گیا۔

برطانوی بادشاہت اور پروٹیسٹنٹ عیسائیت

۱۵۳۲ء میں برطانیہ کے بادشاہ 'ہنری ہشتم' (Henry VIII) نے اپنے تخت کے وارث کے لیے دوسری شادی کر لی۔ کلیسائے روم نے اس شادی کو کالعدم قرار دے دیا اور بادشاہ کی اولاد 'الزبتھ اول' (Elizabeth I) کو بادشاہت کی امیدواری کی دوڑ سے خارج کر دیا۔ الزبتھ اول کے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا کہ وہ پروٹیسٹنٹ مذہب قبول کر لے جو اس کو

بادشاہت کا جائز حق دار سمجھتا تھا۔ چنانچہ الزبتھ اول نے ایسا ہی کیا اور پھر اپنی بہن 'میری اول' (Queen Mary I) کا تختہ الٹ کر خود برطانیہ کی ملکہ بن گئی۔ اس طرح برطانیہ میں پروٹیسٹنٹ مذہب کا اثر ورسوخ بڑھ گیا۔ الزبتھ اول کے بعد 'جیمز اول' (James I) اور 'جیمز دوم' (James II) کے ادوار میں رومن کیتھولک مذہب اور پروٹیسٹنٹ مذہب کے درمیان ایک کشمکش شروع ہو گئی۔ ۱۶۸۸ء میں بہت سے بحرانوں کے بعد برطانیہ میں 'چرچ آف انگلینڈ' کا قیام عمل میں آیا۔ اس کو ۱۶۸۸ء کا 'عظیم انقلاب' (English Revolution) کہتے ہیں۔ چرچ آف انگلینڈ کے مطابق وہ ایک ایسا رومن کیتھولک کلیسا ہے جس نے پروٹیسٹنٹ اصلاحات کو اپنا لیا ہے۔ چرچ آف انگلینڈ جو کچھ بھی ہو مگر ۱۶۸۸ء کا یہ انقلاب یہودیوں کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوا اور سترھویں صدی میں انگلستان یہودیوں کا ایک مرکز بن گیا۔ یہ اس فرقے اور یہودیوں کی پہلی بڑی کامیابی تھی۔

یورپ کی تیس سالہ جنگ اور پروٹیسٹنٹ فرقے کا عروج

۱۶۱۸ء میں یورپ کے ممالک میں تیس سالہ جنگ ہوئی جس میں فرانس، جرمنی، آسٹریا، اٹلی اور سپین کے بادشاہ، شہزادے اور نواب ایک دوسرے کے ساتھ اپنے مفادات کے تحت نبرد آزما تھے۔ اس جنگ کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ رومن کیتھولک مذہب اور پروٹیسٹنٹ مذہب کا اختلاف بھی تھا۔ ۱۶۴۸ء میں اس جنگ کا خاتمہ ایک معاہدے کے تحت ہوا جس کو 'معاہدۂ ویسٹ فیلیا' (Peace of Westphalia Treaty) کہتے ہیں۔ اس معاہدے کے تحت ہر ایک کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ جو مذہب چاہے اختیار کر لے۔ اس طرح برطانیہ کے ساتھ ساتھ باقی یورپ میں بھی پروٹیسٹنٹ مذہب کو ایک علیحدہ فرقے کے طور پر تسلیم کیا جانے لگا۔ پروٹیسٹنٹ فرقہ جہاں جہاں اپنی جگہ بنا رہا تھا، وہاں وہاں یہودیوں کے لیے حالات میں تبدیلی آ رہی تھی کیونکہ پروٹیسٹنٹ فرقہ ان کو مذہب میں اپنا بڑا بھائی مانتا تھا۔

یہودیت اور امریکہ کی دریافت

۱۴۹۲ء میں سپین کے مہم جو 'کولمبس' (Christopher Columbus) نے امریکہ دریافت کیا۔ امریکہ کی دریافت سے یورپ کے تمام ممالک اس ملک میں اپنا اپنا تسلط قائم کرنے کی دوڑ میں لگ گئے۔ ان میں سپین، برطانیہ اور فرانس شامل تھے۔ امریکہ کی دریافت یہودیوں اور ان کے حامی نئے عیسائی فرقے کے لیے بہت خوش بخت ثابت ہوئی۔ ۱۷۲۷ء میں ان دونوں نے رومن کیتھولک کلیسا کے مظالم سے تنگ آکر بہت بڑے پیمانے پر امریکہ ہجرت کی۔ امریکہ میں رومن کیتھولک کا زیادہ زور نہ تھا۔ اس لیے بہت کم عرصے میں یہ دونوں طبقے امریکہ کی سیاست پر غالب آ گئے اور آج تک غالب ہیں۔

انقلابِ فرانس سے جدید ریاستِ اسرائیل کے قیام تک

روشن خیالی اور انقلابِ فرانس

جہاں ایک طرف پروٹیسٹنٹ تحریک یورپ کی مذہبی وسیاسی حالت پر اثر انداز ہو رہی تھی، وہیں دوسری طرف کلیسائے روم کے مظالم سے تنگ اور مذہب سے بے زار لادین عیسائیوں نے سترھویں صدی عیسوی میں کلیسا کے خلاف 'حقوقِ انسانی' کے نام پر ایک تحریک شروع کر دی، جسے 'روشن خیالی کی تحریک' (Enlightenment Movement) کہا جاتا ہے۔ اس تحریک کے فلسفیوں نے عقل کی بنیاد پر عیسائی مذہب کو مسترد کر دیا۔ ۴ جولائی ۱۷۸۹ء کو 'انقلابِ فرانس' (French Revolution) برپا ہوا جس کے بعد کلیسا اور بادشاہتوں کے اختیارات کو ختم کر کے جمہوریت کو نافذ کر دیا گیا۔ پھر رفتہ رفتہ پورے یورپ میں جمہوری انقلابات برپا ہونا شروع ہو گئے۔ انقلابِ فرانس کے برپا ہونے سے کسی اور کا فائدہ ہوا ہو یا نہ ہو، یہود کی تو لاٹری نکل آئی کیونکہ یورپ کے جس ملک میں بھی کلیسا کی حکومت ختم ہوئی، اس ملک نے سب سے پہلے یہودیوں پر عائد پابندیاں ختم کر دیں۔ مؤرخین 'روشن خیالی' کی تحریک میں بھی یہودیوں کا ہاتھ ہونے کے شواہد پیش کرتے ہیں۔ بہر حال جو بھی ہو، انقلابِ فرانس کے بعد یہودیوں کے گرد کلیسا کا باڑہ ٹوٹ گیا اور اس باڑے کے ٹوٹنے کے بعد یہودیوں نے ریاستِ اسرائیل کے قیام تک کبھی واپس مڑ کر نہیں دیکھا۔

تاریخِ جدید کی حیران کن بات یہ ہے کہ جہاں انقلابِ فرانس مذہب بیزاری کے نتیجے میں برپا ہوا اور اس کے زیرِ اثر پوری دنیا کی تنظیمِ نو لادینیت پر کی گئی اور مذہب کو شجرِ ممنوع قرار دیا گیا، وہیں اِنہی حکومتوں اور عالمی طاقتوں کی سرپرستی میں ایک ایسی ریاست وجود میں آتی ہے جو خالصتاً مذہب اور نسل کی بنیاد پر تشکیل دی گئی۔

انیسویں صدی کا سورج یورپ میں یہودیوں کے عروج کے ساتھ طلوع ہوا۔ یہودی جنہیں یورپ میں تیسرے درجے کا شہری تصور کیا جاتا تھا، انقلابِ فرانس کے فوراً بعد جمہوری ریاستوں کے پارلیمانوں نے انہیں مساوی حقوق دینے کی قراردادیں منظور کیں۔ اس طرح یہودی عیسائیوں کے دیس میں اول درجے کے شہری بن گئے۔ یہ ریاستِ اسرائیل کی جانب پہلا قدم تھا، جس کے بعد کئی مراحل طے ہوئے۔ تاریخِ جدید کی حیران کن بات یہ ہے کہ جہاں انقلابِ فرانس مذہب بیزاری کے نتیجے میں برپا ہوا اور اس کے زیرِ اثر پوری دنیا کی تنظیمِ نو لادینیت پر کی گئی اور مذہب کو شجرِ ممنوع قرار دیا گیا، وہیں اِنہی حکومتوں اور عالمی طاقتوں کی سرپرستی میں ایک ایسی ریاست وجود میں آتی ہے جو خالصتاً مذہب اور نسل کی بنیاد پر تشکیل دی گئی۔ یہ بذاتِ خود ایک ثبوت ہے کہ **جدید دنیا کا نظام یہودیوں کی ایجاد ہے** جسے انہوں نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے وضع کیا ہے۔ یہاں ہم آگے طے ہونے والے مراحل کے

نمایاں واقعات ذکر کریں گے جن کا جوڑ ہمیں آگے چل کر تاریخِ یورپ اور دشمن کے منصوبے میں یہودی عنصر کے بیان میں ملے گا۔

یورپ میں ریاستِ اسرائیل کے بیج (۱۸۰۰ء تا ۱۹۰۰ء)

اٹھارویں صدی عیسوی میں یہودیوں کو یورپ میں پروٹیسٹنٹ عیسائیوں، 'روشن خیال' لادین عیسائیوں اور امریکہ و برطانیہ کی حکومتوں کی شکل میں ایسے مخلص دوست میسر آچکے تھے جو انہیں دعائے دانیال کی منزل کی طرف سفر کرنے میں مدد دے سکتے تھے۔ دوسری طرف انقلابِ فرانس کے بعد یورپ کے اقتصادی نظام میں بڑی تبدیلیاں نمودار ہوئیں۔ اب آزاد معیشت کے نام پر بینکوں اور کرنسیوں کا نظام تبدیل ہو رہا تھا۔ یہودی اس میدان کے شاہسوار تھے کیونکہ وہ صدیوں سے یورپ میں صرافہ اور بینکاری کے کاروباروں پر چھائے ہوئے تھے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں انہوں نے اسی کاروبار کی وجہ سے یورپ کے بینکوں کی تجارت پر مکمل قبضہ کر لیا اور سارے یورپ کی حکومتوں کو اپنے قرضوں تلے دبا دیا۔ یہی چیز اس صدی کے دوسرے نصف میں ان کی اصل طاقت بنی اور اسی طاقت نے یورپ کی حکومتوں کو مجبور کیا کہ وہ یہودیوں کے علیحدہ وطن کے لیے ان کی حمایت کریں، گو آدھے سے زیادہ کام پروٹیسٹنٹ فرقہ کر چکا تھا۔ اٹھارہویں صدی کے دوسرے نصف میں تین عناصر نے مل کر ریاستِ اسرائیل کے قیام میں سب سے اہم کردار ادا کیا۔ ان میں سے ایک 'روتھ چائلڈ' خاندان (House of Rothschild) کا قیام، دوسرا صہیونی تحریک کا آغاز اور تیسرا سلطنتِ عثمانیہ کو ختم کرنے کے لیے گریٹ گیم کا آغاز۔ یہاں ہم ان تینوں عناصر کو مختصراً بیان کرتے ہیں۔

روتھ چائلڈ خاندان

قیامِ اسرائیل کی کوششوں میں روتھ چائلڈ خاندان کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ روتھ چائلڈ کا مطلب 'سرخ ڈھال' ہے۔ یہ خاندان آج تک دنیا کے بڑے بینکوں کا مالک ہے اور عالمی تجارت کے ایک بڑے حصے پر ان کی اجارہ داری قائم ہے۔ ان کے مورث 'میئر ایمشل' (Mayer Amschel) (۱۷۴۳ء تا ۱۸۱۲ء) کی تربیت یہودی عالم کے طور پر کی گئی مگر خود اس نے اپنے لیے بینک کا کاروبار پسند کیا۔ 'میئر ایمشل' اپنے مذہب کا اس حد تک وفادار تھا کہ اس نے زندگی بھر دستاویزات پر عیسوی کی بجائے یہودی تاریخ درج کی۔ اسے بینکاری میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، یہاں تک کہ پورے یورپ میں اس کے بینک کی شاخیں پھیل گئیں۔

اس کی اولاد نے اپنے والد کے کاروبار کو اتنی ترقی دی کہ انیسویں صدی میں اس خاندان کا شمار یورپ کے امیر ترین اور بااثر خاندانوں میں ہونے لگا۔ اس صدی کا شاید ہی کوئی ایسا واقعہ ہو جس میں اس خاندان کا براہِ راست یا بالواسطہ کوئی تعلق نہ ہو۔ اس خاندان نے یورپ کے بادشاہوں تک کو قرضوں میں جکڑا۔ برطانیہ اور فرانس کے درمیان ہونے والی مشہور 'واٹرلو جنگ' (Waterloo Battle) میں روتھ چائلڈ خاندان نے برطانوی حکومت کو بھاری قرضہ دیا تھا۔ برطانیہ اور فرانس کے وسیع ریلوے نظام میں اس خاندان کا ۲۵ فیصد حصہ تھا۔ نہ صرف یورپ بلکہ اس خاندان نے سلطنتِ عثمانیہ کو بھی ریلوے لائن بچھانے کے لیے قرضہ فراہم کیا۔ اس زمانے کے چھپنے والے تقریباً تمام اخبارات اسی خاندان کی ملکیت تھے۔ اسی خاندان نے حکومتِ برطانیہ کو 'نہر سویز' (Suez Canal) کے حصص خریدنے کے لیے بھاری قرضہ فراہم کیا۔ اس مرحلے میں اس خاندان نے پورے یورپ اور عثمانیوں کو اپنے قرضے تلے دبایا۔ جدید دنیا میں قرضوں پر سیاست کی بنیاد اسی یہودی خاندان نے رکھی۔ روتھ چائلڈ خاندان نے فلسطین میں یہودیوں کے لیے زمینیں خریدنے کے لیے نہ صرف رقم فراہم کی بلکہ یہودیوں کو ان کے عقیدۂ ایلیا کے مطابق ارضِ مقدس کی طرف ہجرت کرنے اور وہاں نئی زندگی شروع کرنے کے لیے سرمایہ بھی فراہم کیا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے ریاستِ اسرائیل کے قیام کے لیے جو خط لکھا، وہ روتھ چائلڈ خاندان کے نام ہی تھا۔ اس خط کو تاریخ میں 'اعلانِ بالفور' (Balfour Declaration) کہتے ہیں۔

صہیونی تحریک کا قیام

۱۸۸۰ء میں 'صہیونی تحریک' (Zionism) دنیا کے سامنے آئی۔ 'صہیون' ارضِ فلسطین میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ 'صہیونیت' سے مراد وہ یہودی اور غیر یہودی افراد اور تنظیمیں ہیں جو ریاستِ اسرائیل یعنی 'ارضِ موعودہ' کے حصول کے لیے عملی جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس تحریک کی بنیاد سوئٹزرلینڈ کے 'تھیوڈور ہرزل' (Theodor Herzl) نامی یہودی نے رکھی تھی۔ ہرزل نے ۱۸۹۶ء میں 'یہودی ریاست' (Der Judenstaat) کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کے لیے ایک عملی نقشہ پیش کیا۔ اس کتاب میں اس نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ اگلے پچاس سالوں میں یہودی ریاست معرضِ وجود میں آجائے گی اور ایسا ہی ہوا۔

یروشلم میں یہودیوں کی خفیہ آبادکاری (ایلیا کا عقیدہ)

۱۸۸۲ء میں صہیونی تحریک کے 'جوزف فیان برگ' اور روتھ چائلڈ خاندان کے سربراہ 'ایڈمنڈ ڈی روتھ چائلڈ' (Edmond de Rothschild) نے یہودیوں کو خفیہ طریقے سے فلسطین میں آباد کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کام کے لیے درپیش سرمایہ روتھ چائلڈ نے فراہم کیا اور خود فلسطین کے کئی خفیہ سفر کیے۔ روتھ چائلڈ کے ایجنٹوں نے خوابِ خرگوش میں محو مسلمانوں سے زمینیں خریدنا شروع کر دیں اور جب انہیں ہوش آیا اور مزاحمت شروع کی تو اس وقت تک فلسطین برطانیہ کے قبضہ میں جا چکا تھا اور ریاستِ اسرائیل کا قیام منظور ہو چکا تھا۔

اعلانِ بالفور: ریاستِ اسرائیل کے قیام کا اعلان (عقیدۂ ارض موعودہ)

۱۹۱۷ء میں پہلی جنگِ عظیم کے موقع پر روتھ چائلڈ خاندان کے سربراہ 'ایڈمنڈ' نے...... جو اس وقت برطانیہ کے بیت الامرا کا رکن بھی تھا...... برطانوی وزیر خارجہ 'بالفور' کو ایک خط لکھا۔ ہم اس خط کا متن ذیل میں دے رہے ہیں:

"عزیز مسٹر بالفور!

جمعہ کے دن میں ایک عرض کرنا بھول گیا۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو وزیر اعظم کی توجہ اس طرف مبذول کرانی چاہیے۔ گزشتہ کئی ہفتوں سے سرکاری اور نیم سرکاری جرمن اخبارات کافی بیانات شائع کر رہے ہیں۔ ان میں کہا جارہا ہے کہ امن مذاکرات میں مرکزی قوتوں کو یہ شرط عائد کرنی چاہیے کہ جرمنی کی تحویل میں فلسطینی علاقہ کو 'یہودی بستی' قرار دیا جائے۔ میں نہایت اہم سمجھتا ہوں کہ برطانوی اعلان کو کسی ایسی ہی تحریک کا ذریعہ بننا چاہیے۔ اگر آپ نے اپنے وعدے کے مطابق میری ملاقات کا انتظام کر دیا ہے تو ازراہِ کرم مسٹر 'وائیزمین' (برطانوی وزیر اعظم) کو مطلع کر دیں۔

آپ کا مخلص

روتھ چائلڈ"

اس خط کا جواب جو بالفور نے دیا، وہ تاریخ میں 'اعلانِ بالفور' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور یہی اعلانِ بالفور دراصل برطانیہ کی جانب سے 'عظیم تر اسرائیل' کی منظوری تھی۔ ہم اس خط کا متن بھی یہاں پیش کرتے ہیں۔

"دفتر خارجہ

۲ نومبر ۱۹۱۷ء

عزیز لارڈ روتھ چائلڈ

آپ کو مطلع کرتے ہوئے مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ہز میجسٹی (شاہِ برطانیہ) کی حکومت نے یہودی صہیونی خواہشات کے ساتھ ہمدردی کا درج ذیل اعلان ارسال کیا ہے اور کابینہ نے اس کی توثیق کر دی ہے۔

ہز میجسٹی کی حکومت یہودی عوام کے قومی وطن کے قیام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے اور اپنی تمام تر کوشش اس مقصد کے حصول کو ممکن بنانے کے لیے صرف کرے گی۔ یہ بات واضح طور پر سمجھ لی جائے کہ کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جائے گا جو فلسطین میں موجود یہودی برادری کے شہری اور مذہبی حقوق کے لیے نقصان دہ ہو یا کسی دوسرے ملک میں یہودیوں کے حقوق اور سیاسی حیثیت کو متاثر کرے۔

میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ یہ اعلان 'صہیونی فیڈریشن' کے علم میں لے آئیں۔

آپ کا مخلص

آرتھر جے بالفور"

گریٹ گیم یا خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ

ریاستِ اسرائیل کے قیام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خلافتِ عثمانیہ تھی کیونکہ فلسطین ان کے قبضے میں تھا۔ خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فلسطین کو فتح کرتے ہوئے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا، اس میں یہ شرط موجود تھی کہ یہودیوں کو فلسطین میں آباد نہیں ہونے دیا جائے گا۔ اسی بنا پر جب یہودیوں کے خفیہ وفد نے عثمانی خلافت کے آخری طاقتور سلطان 'عبدالحمید' سے بھاری رشوت کے عوض یہ درخواست کی کہ وہ انہیں فلسطین میں آباد ہونے دیں تو انہوں نے تمام تحائف واپس کرتے ہوئے سختی سے انکار کیا۔ اس وقت یہودیوں کو یہ یقین ہو گیا کہ سلطنتِ عثمانیہ کو توڑے بغیر وہ اپنا خواب پورا نہ کر سکیں گے۔ سلطنتِ عثمانیہ زوال پذیر تو پہلے سے ہی تھی، ایک طرف سے برطانیہ اور فرانس اور دوسری طرف سے روس مسلسل اسے کمزور کر رہے تھے۔ انہوں نے مختلف سازشوں کے ذریعے پہلے اسے یورپ میں کمزور کیا۔ ان میں آرمینہ، بوسنیا، بلقان کی سازشیں شامل ہیں۔ پھر شام اور لبنان میں بھی یہ تینوں طاقتیں عیسائی مسلم فسادات کرواکر اور حقوقِ انسانی کے نعرے لگا کر کانفرنسوں میں ان عیسائیوں کی آزادی کی بات کرتی رہیں۔ یہ پچاس سال کی سازشیں اور جنگیں تھیں جس کے نتیجے میں یورپ میں عثمانی اقتدار بہت کمزور ہو گیا۔ پھر بلقان کی جنگ اور اس کے بعد 'جنگ عظیم اول' میں سازشوں اور خفیہ معاہدات کے ذریعے مسلمانوں کی مرکزیت کو ختم کر دیا گیا۔

پہلی جنگِ عظیم کے دوران برطانیہ نے عربوں کو قومی اور نسلی عصبیت کی بنیاد پر کھڑا کر کے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا اور عرب کو عالمِ اسلام پر دوبارہ حکمرانی کے خواب دکھائے۔ موجودہ اردن کے بادشاہ عبداللہ بن حسین کے باپ کا پردادا حسین بن علی سلطنتِ عثمانیہ کے تحت حجاز کا حاکم تھا، جسے شریفِ مکہ کہا جاتا تھا۔ انگریز نے اس سے اور بعد میں اس کے بیٹوں شاہ فیصل اور شاہ عبداللہ سے اس شرط پر شام اور عراق کی حکومت دلانے کا وعدہ کیا کہ وہ خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت کریں۔ اس کے عوض انہیں ماہانہ ۲۵ ہزار پاؤنڈ سونے کی شکل میں گرانٹ رشوت کے طور پہ دی جاتی تھی۔ عرب کو خلافتِ عثمانیہ کے خلاف ابھارنے کا کام برطانیہ کی خفیہ ایجنسی کے کرنل لارنس نے کیا جو "لارنس آف عریبیہ" (Lawrence Of Arabia) کے نام سے مشہور ہوا۔ اس طرح عرب اور سلطنتِ عثمانیہ کے درمیان جنگ ہوئی جس سے فلسطین کا علاقہ برطانیہ کے قبضہ میں چلا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں 'مصطفیٰ کمال اتاترک' نے خلافتِ عثمانیہ ختم کرنے کا اعلان کیا اور جمہوری قومی حکومت قائم کر دی۔

فلسطین برطانیہ کے انتداب میں

پہلی جنگ عظیم کے بعد قائم ہونے والی ''لیگ آف نیشنز''(League Of Nations) نے برطانوی حکومت کو یہ اختیار دیا کہ وہ فلسطین کا انتظام سنبھالنے کے لیے اسے انتداب میں لے۔ 'لیگ آف نیشنز' کو دوسری جنگِ عظیم کے بعد ختم کر کے 'اقوامِ متحدہ' بنائی گئی اور فلسطین کو اقوامِ متحدہ کے تحت اسی طرح برطانوی انتداب میں رکھا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں اقوامِ متحدہ نے 'اقوامِ متحدہ پارٹیشن پلان' پیش کیا جس کے تحت ۵۵ فیصد علاقے یہودیوں کو اور ۴۵ فیصد علاقہ عرب کو دینا منظور ہوا جبکہ یروشلم (بیت المقدس) کو بین الاقوامی شہر قرار دیا گیا۔ اس پلان کو ''ڈیوڈ بن گوریون''(Ben-Gurion) نے فوراً قبول کر لیا جبکہ عرب لیگ نے مسترد کر دیا۔ مئی ۱۹۴۸ء میں انتداب کی میعاد ختم ہوتے ہی اقوامِ متحدہ کے پلان کے مطابق برطانیہ نے اپنا زیرِ انتداب علاقہ اسرائیل کے حوالے کر دیا اور بن گوریون نے ریاستِ اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اگلے دن مصر، شام، عراق، لبنان اور مقامی عربوں نے جنگ کی جو ۱۳ماہ تک جاری رہی۔ یہ پہلی عرب اسرائیل جنگ تھی، جو بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہو گئی۔

۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے مصر کی جانب سے حملے کے خوف کا بہانا بناتے ہوئے جنگ چھیڑ دی۔ یہ ۶ روزہ جنگ تھی جس کے نتیجے میں اسرائیل نے موجودہ مصر کے علاقے صحرائے سینا، موجودہ فلسطین کے علاقے غزہ، موجودہ شام کے علاقے گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا۔

۱۹۷۳ء میں مصر اور شام نے مل کر حملہ کیا جس کے نتیجے میں صحرائے سینا اور گولان پہاڑی کا کچھ حصہ واپس لے لیا۔

۱۹۷۸ء میں 'کیمپ ڈیوڈ کا معاہدہ'(Camp David Accords) ہوا جو اسرائیل کے وزیر اعظم 'بیگن'(Menachem Begin) اور مصر کے صدر 'انور السادات'(Anwar al-Sadat) کے درمیان امریکی صدر 'جمی کارٹر'(Jimmy Carter) کے کہنے پر ہوا جس کے تحت اسرائیل صحرائے سینا دوبارہ مصر کو دینے پر راضی ہوا اور فلسطین کی مغربی پٹی اور غزہ سے دستبردار ہونے کا اعلان کیا۔ اس معاہدے کے بدلے مصر نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا۔

جون ۱۹۸۲ء میں اسرائیل نے لبنان پر حملہ کر دیا تا کہ جنوبی طرف سے حملے روکے جا سکیں۔

اگست ۱۹۸۳ء میں وہاں سے نکل کر اسے ایک امتیاتی علاقہ قرار دے دیا۔

نومبر ۱۹۸۸ء کو آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔

اگست ۱۹۹۳ء کے 'اوسلو معاہدے'(Oslo Accords) میں آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کو تسلیم کیا گیا مگر یہ ریاست آزاد و جداگانہ حیثیت سے ابھی تک وجود میں نہیں آئی۔

تاریخِ یہود کا تجزیہ

یہود کی اس مختصر تاریخ کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہودیوں کی تاریخ کے دو حصے ہیں؛ ایک قدیم تاریخ اور دوسری جدید تاریخ۔ یہودیوں کی قدیم تاریخ صرف یہودیوں کی ہی تاریخ نہیں ہے بلکہ یہ بنی اسرائیل کے مسلمانوں اور ان کے انبیا علیہم السلام کی تاریخ بھی ہے۔ یہ تاریخ بنی اسرائیل کے گمراہ لوگوں اور ان کی گمراہی کی وجوہات بتانے والی تاریخ بھی ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل مسلمان سے یہودی کیسے بنے؟ بنی اسرائیل کی گمراہی کی وجوہات شرک، بدعت، علمائے سو کی اندھی پیروی اور اخلاقی خرابیاں ہیں۔ ان علمائے سو نے دینِ حق کے ماخذ میں ہی تبدیلی اور تحریفات کر دیں جس کو بنی اسرائیل کی اکثریت نے مان لیا۔ جب کسی دین کے ماخذ پر سوالیہ نشان لگ جائے اور لوگ اس کو مان لیں تو وہ دین دین ہی نہیں رہتا، بلکہ (انسانوں) علمائے سو کی خواہشات کے مطابق چلنا شروع کر دیتا ہے اور انہیں رب کی جگہ دے دیتا ہے۔ یہی کچھ بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا، یہاں تک کہ آخری دور میں ان کے علمائے سو نے......جو فریسی علما کہلاتے تھے......نہ صرف انبیا کی کھل کر مخالفت شروع کر دی بلکہ انہیں قتل کروانا بھی شروع کر دیا۔ انہی وجوہات کی بنا پر بنی اسرائیل اللہ کی مغضوب قوم بن گئی اور اللہ نے انہیں فلسطین سے نکال دیا۔

مگر جدید تاریخ میں ان کے علما نے اس پوری تاریخ کو نئے اور دوسرے رنگ کے ساتھ پیش کرنا شروع کر دیا۔ وہ اسی طرح اللہ کی چہیتی قوم کے طور پر اپنے آپ کو پیش کرتے رہے۔ انہوں نے یہودیوں کو یہ باور کروانا شروع کر دیا کہ فلسطین کی زمین اللہ نے ان کو عطا کر دی ہے اور یہ باور کرایا کہ دعائے دانیال کے تحت مسیحا کی پیشین گوئی ابھی پوری نہیں ہوئی، وہ ابھی آئے گا، ہیکلِ سلیمانی تعمیر کرے گا اور پوری دنیا پر بلا شرکتِ غیرے حکومت کرے گا۔ یہ عقائد ہی جدید دنیا میں یہودیوں کی زندگی کا مقصدِ اعظم بن گئے۔ جدید دنیا میں یہودی جہاں بھی رہے، چاہے مسلم دنیا میں یا عیسائی یورپ میں، وہ ایک قوم کی حیثیت سے اسی مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے یہودیوں کی جدید تاریخ اپنے خود ساختہ مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کا تسلسل ہے۔

یہود کا مقصدِ اعظم اور ان کو درپیش عملی مشکلات

گو یہودی اپنی قدیم تاریخ کو واپس لانا چاہتے تھے کیونکہ وہ اسی کے ساتھ وابستہ تھے، لیکن فلسطین سے نکلنے کے بعد وہ دربدر پھرتے رہے۔ ایک طرف رومیوں کے عیسائیت قبول کرنے کی وجہ سے عیسائی دنیا ان کے لیے تنگ ہو گئی تھی تو دوسری طرف اسلام کے ظہور سے ان کے مسائل میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اب ان کے ایک کی جگہ دو دشمن ہو گئے تھے۔ اس طرح اپنی جدید تاریخ میں یہودیوں کی عملی مشکلات بہت زیادہ بڑھ گئیں۔ ہم ان مشکلات کو درج ذیل تین عنوانات کے تحت ذکر کرتے ہیں:

- یہودیوں کی قلتِ تعداد
- مسلمان اور عیسائی، یہودیوں کے مضبوط دشمن
- یہودیوں کے خلاف مضبوط معاشرتی نظام

یہودیوں کی قلتِ تعداد

یہود کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ان کی تعداد دنیا میں بہت کم ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ان کا نسلی دین ہے۔ یہودی وہی ہو سکتا ہے جو بنی اسرائیل کی نسل میں سے ہو۔ اس کے علاوہ چاہے کوئی شخص ان کے عقائد کو سچا مانے یا انہیں اپنائے، یہودی نہیں بن سکتا۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کے چنیدہ لوگ (chosen people) کہتے ہیں جسے قرآن ﴿نَحۡنُ أَبۡنَـٰٓؤُاْ ٱللَّهِ وَأَحِبَّـٰٓؤُهُۥ﴾ (سورۃ المائدۃ:۱۸) کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ (نعوذ باللہ) ہم اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔ اس بنا پر یہودی اپنے دین کی طرف دعوت دینے کے قائل ہی نہیں ہیں۔ یہ یہودیوں کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور اپنی اس کمزوری سے وہ بخوبی واقف ہیں۔ انہیں اچھی طرح علم ہے کہ وہ عیسائیوں اور مسلمانوں کا مقابلہ اپنی افرادی قوت کے زور پر نہیں کر سکتے اور انہیں اپنا مقصدِ اعظم حاصل کرنے کے لیے جو افرادی قوت درکار ہے، وہ ان کے پاس موجود نہیں ہے۔

مسلمان اور عیسائی، یہودیوں کے مضبوط دشمن

بیت المقدس سے نکلنے کے بعد جدید تاریخ میں یہودیوں کی دوسری بڑی مشکل ان کے دو بڑے دشمن تھے۔ ایک روایتی رومن کیتھولک عیسائی اور دوسرے مسلمان۔ یہودیوں کے خلاف پہلی رکاوٹ یہ تھی کہ عیسائی انہیں (نعوذ باللہ) قتلِ عیسیٰؑ کا مجرم ٹھہراتے تھے اور کسی بھی صورت معاف کرنے کو تیار نہ تھے۔ اس لیے انقلابِ فرانس تک یورپ میں یہودیوں کی یہ حالت تھی کہ نہ تو انہیں کسی سرکاری محکمہ میں نوکری کی اجازت تھی اور نہ ہی وہ عیسائی آبادیوں میں رہ سکتے تھے۔ یہودیوں کی اس حالت کو مؤرخین نے رومی کلیسا کے بنائے ہوئے "باڑے میں بند" ہونے سے تشبیہ دی ہے۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے یہودیوں کو سب سے پہلے عیسائیوں کے بنائے ہوئے اس باڑے سے نکلنا ضروری تھا۔ یہودیوں کے لیے دوسری رکاوٹ یہ تھی کہ یہودیوں کی طرح عیسائی بھی فلسطین پر اپنا حق سمجھتے تھے۔

مسلمانوں کی طرف سے انہیں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ قرآن کی ہدایت کی روشنی میں مسلمان یہودیوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے اور انہیں اپنے ماتحت ذمی کی حیثیت دیتے تھے۔ دوسری طرف یہودی جانتے تھے کہ مسلمانوں کے لیے فلسطین کی کیا حیثیت ہے؟ مسلمان مسجدِ اقصیٰ کو شعار اللہ اور قبلۂ اول مانتے ہیں اور انبیا کی سرزمین کے یہود سے بڑھ کر حق دار ہیں۔ مسلمانوں کے لیے صرف یہ مسئلہ نہیں کہ وہ کسی ایسے خطۂ ارض سے دست بردار نہیں ہو سکتے جہاں کسی زمانے میں کچھ مدت کے لیے ان کا اقتدار رہا ہو اور وہ خطہ 'دار الاسلام' کہلایا گیا ہو، بلکہ جس ہیکل کو یہودی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، وہ مسلمانوں کے قبلۂ اول مسجدِ اقصیٰ کے انہدام سے ہی ممکن ہے۔ اس کے انہدام کے ردِ عمل سے یہودی اب بھی خائف ہیں۔ لہٰذا عیسائی اور مسلمانوں کی دشمنی کے علاوہ تیسری مشکل یہ ٹھہری کہ سرزمینِ فلسطین کے دعویدار صرف وہ اکیلے نہیں، بلکہ عیسائی اور مسلمان بھی اپنے آپ کو ارضِ فلسطین کا حق دار سمجھتے ہیں۔ عیسائی فلسطین کو حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش قرار دیتے ہیں اور مسلمان مسجدِ اقصیٰ کے قبلہ اول ہونے اور فلسطین بطورِ انبیا کی سرزمین اور دار الاسلام رہنے کی وجہ سے اسے اپنا سمجھتے ہیں۔ یہود کے لیے یہ دونوں اتنے مضبوط دشمن تھے کہ یہودی اکیلے ان دونوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

یہودیوں کے خلاف مضبوط سیاسی و معاشرتی نظام

یہودیوں کے سامنے تیسری قسم کی مشکل وہ نظام تھا جو عیسائی اور مسلمان دنیا میں چل رہا تھا۔ یہ نظام چاہے یورپی عیسائی دنیا میں ہو یا مسلمان دنیا میں، دونوں ہی جگہ اس بنیاد پر قائم تھا کہ حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کی ہے اور زمین پر وہ اللہ کے نمائندے ہیں۔ یورپ کی پاپائی حکومتوں کا بھی یہی دعویٰ تھا اور مسلمانوں کی خلافت بھی اسی اصول پر قائم تھی۔ یہ عقیدہ اپنی جگہ اتنا مقبول تھا کہ دونوں امتوں کی عوام اس عقیدے کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں سیاسی عقیدوں کی موجودگی میں وہ اپنی عالمی سلطنت قائم نہیں کر سکتے تھے کہ جس کا مرکز ارضِ موعودہ فلسطین ہو اور جس میں ان کے بقول وہ ہیکل بنا کر اپنے رب کی عبادت کریں گے۔ اس پاپائی نظام اور خلافتِ اسلامیہ کے معاشرتی نظام کی فطری ترتیب یہودیوں کے لیے ناقابلِ قبول تھی۔

بنیادی طور پر دنیا میں دو قسم کے معاشرے آباد تھے؛ ایک زمین کی بنیاد پر زرعی معاشرہ اور دوسرا خون کی بنیاد پر قبائلی معاشرہ تھا۔ یہ معاشرے...... جس میں خاندان مرد کی قیادت میں قائم تھا اور جس میں قبیلے اور قبیلوں سے قومیں بنتی تھیں...... انتہائی مضبوط معاشرے تھے جو اپنے مفادات کی خود حفاظت کر سکتے تھے۔ یہ معاشرتی ترتیب یہودیوں کے لیے انتہائی خطرناک تھی کیونکہ یہ اتنی مضبوط تھی کہ کوئی ایک قبیلہ بھی اٹھ کر یہودیوں کو شکست دے سکتا تھا یا ان کے منصوبوں کے سامنے رکاوٹ پیدا کر سکتا تھا۔ پھر معاشرے کی ان اصل قوتوں کو قابو کیے بغیر یہودی کبھی عالمگیر حکومت قائم نہیں کر سکتے تھے۔

یہودیوں کا ایک اور مسئلہ یہ تھا کہ وہ تاجر پیشہ تھے اور جہاں بھی جاتے وہاں سود در سود کا نظام قائم کر دیتے۔ یہ نظام کچھ عرصہ تو چلتا تھا مگر جب اس سودی نظام کی وجہ سے یہودی معاشروں کا خون تک چوسنا شروع کر دیتے تو یہی معاشرے ان کے خلاف کھڑے ہو جاتے، ان کا قتل عام کرتے، ان کے مال پر قبضہ کرتے اور بچ جانے والوں کو جلاوطن کر دیتے۔ اس طرح تاریخ میں کئی دفعہ ہوا۔ یہودیوں کا بنایا ہوا سود در سود کا نظام تاریخ میں کئی دفعہ جڑ سے ختم کر دیا گیا۔

مقصدِ اعظم حاصل کرنے کے لیے یہودیوں کی حکمتِ عملی

یہودیوں کی کتب اور ان کے خلاف کام کرنے والی تحریکات کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہودی اپنی مشکلات سے بخوبی واقف تھے۔ انہیں اپنی قلتِ تعداد کا بھی

اچھی طرح علم تھا اور اپنے دشمنوں کی مضبوطی کا بھی صحیح اندازہ تھا۔ اس لیے انہیں عیسائی دنیا اور مسلمان دنیا میں اپنے ہم نوا بنانے تھے جو انہیں اپنے تینوں مقاصد کو حاصل کرنے میں مدد دیتے۔ پھر انہیں اپنے ان ہمنواؤں کی مدد سے رومن کیتھولک عیسائیوں کے بنائے ہوئے باڑے سے نکلنا تھا کیونکہ اس باڑے سے نکلے بغیر وہ کبھی بھی یورپ میں اپنا مقام حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ پھر اپنے ان ہم نواؤں کے ساتھ مل کر ان طاقتوں کو ہٹانا تھا جو ان کی اور ارضِ مقدس فلسطین کی راہ میں حائل تھیں اور فلسطین پر قبضہ کرنا تھا۔ پھر پوری دنیا کو غلام بنا کر اپنی عالمگیر حکومت قائم کرنی تھی۔ عالمگیر حکومت قائم کرنے کے لیے انہیں معاشرتی قوتوں کو توڑنا اور انہیں کمزور کرنا تھا۔ عالمی معیشت پر قبضہ کرنا اور پوری دنیا کو کنٹرول کرنا تھا۔ اس ساری بات کا مطلب یہ تھا کہ قدیم چلنے والا تمام نظام یہودیوں کے کام کا نہیں، انہیں پوری دنیا کی تنظیمِ نو کرنی ہے۔ یہی وہ تنظیمِ نو ہے جسے آج 'نیو ورلڈ آرڈر' یا 'دنیا کی نئی ترتیب' کہتے ہیں۔

یہودی کیا چاہتے تھے؟ اور کیا چاہتے ہیں؟ گو صہیونیت پر لکھی جانے والی ہر کتاب میں کچھ نہ کچھ ذکر ضرور ملتا ہے مگر سب سے جامع تفصیل ۱۹۰۵ء کی اس دستاویز سے حاصل ہوتی ہے جو روس کے ایک پادری کو ملی تھی اور جو آج ''صہیونی بڑوں کے ضابطے'' (Protocols of the Elders of Zion) کے نام سے مشہور ہے۔ اس دستاویز میں یہودیوں کے بڑوں نے اپنی پچھلی ایک سو سالہ کارکردگی پر روشنی ڈالی ہے اور اپنے مستقبل کے منصوبوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ دستاویز بیان کرتی ہے کہ کیسے یہودیوں نے یورپ میں 'روشن خیالی' کے نام پر فکری ارتداد پھیلایا، یورپ کا قدیم نظام توڑا اور مستقبل میں وہ کس طرح معیشت کے ذریعے پوری دنیا پر اپنا نظام مسلط کریں گے۔ اگر ہم اس دستاویز کا باریک بینی سے مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ یورپ میں برپا لادینیت کی تحریک کو یہودیوں نے کس مہارت کے ساتھ اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا اور انقلابِ فرانس کے بعد دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں میں کیسے کردار ادا کیا۔ ان باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہودی اور صہیونی تنظیموں نے یورپ اور امتِ مسلمہ میں مندرجہ ذیل قوتوں کو اہداف بنایا:

۱۔ پہلی قوت مسلمان اور عیسائی عوام میں موجود یہ تصور تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی اصل حاکمِ اعلیٰ ہیں۔ یورپ میں یہ عقیدہ تھا کہ کلیسا اللہ کی حکومت ہے، پاپائے روم دنیا میں اللہ کا نمائندہ ہے اور بادشاہ پاپائے روم کا نمائندہ ہے۔ بادشاہ کا کام یہ ہے کہ وہ پاپائے روم کے احکامات کے مطابق...... جو عیسائیوں کے بقول نعوذ باللہ اللہ کی طرف سے ہیں...... لوگوں پر حکومت کرے جبکہ بادشاہ اور اس کے عوام کی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا کو حاصل کرنا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے حاکم 'خلیفۃ المسلمین' کے بارے میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا نائب ہے اور اس کا کام اللہ کے احکامات کو نافذ کرنا اور لوگوں کو شریعت کے مطابق چلانا ہے[1]۔ حاکمیتِ اعلیٰ کے اس عقیدے کی موجودگی میں یہودی اپنے مقاصد کو حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ اس عقیدے کو 'روشن خیالی' کی لادین تحریک کے ذریعے ختم کیا گیا۔

۲۔ دوسری قوت نسل اور قبیلہ کی تھی۔ پوری دنیا میں قبائلی نظام قائم تھا اور جو یورپ میں جاگیردارانہ نظام کی صورت میں موجود تھا۔ یہ نظام اصل میں قبائلی قوت کے ساتھ چلتا تھا، قبائلی قوت خاندان کے بل بوتے پر چلتی تھی اور خاندانی نظام کی قیادت مردوں کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نظام میں داخلی معاملات چلانے کے لیے قوتِ نافذہ کے اختیارات موجود تھے۔ یہ نظام جب تک قائم تھا، یہودیوں کے منصوبے کی تکمیل ممکن نہ تھی۔ اس لیے اس نظام کو 'سرمایہ دارانہ جمہوریت' کے ذریعے 'آزادی' (Freedom) اور 'مساوات' (Equality) کے نعروں کی مدد سے توڑا گیا۔

۳۔ تیسری قوت 'زر کی قوت' تھی۔ یورپ میں یہودی عرصہ دراز سے وہاں کی معیشت پر حاوی تھے۔ عالمی معیشت پر قبضہ کرنے کے لیے انہیں سرمائے اور تجارت کا ایسا نظام چاہیے تھا جس میں تمام علاقوں کی معیشت عالمی سطح پر ایک دوسرے سے منسلک ہو[2]۔ یہ نظام صرف اس صورت میں بن سکتا تھا، جب سونے کو کرنسی (ثمن) کے طور پر ختم کر کے اس کی جگہ کاغذی کرنسی کو رائج کیا جائے اور کرنسی کی قدر کے تعین کا اختیار بینکوں کو دے دیا جائے اور بینک بھی وہ جو یہودیوں کے ہاتھ میں ہوں۔ سونے کو کرنسی کی قدر سے ہٹانے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہودی بینکوں کو لامحدود کرنسی خود چھاپنے کا اختیار مل جائے گا۔ (باقی صفحہ نمبر 24 پر)

[1] یہاں یہود کی راہ میں حائل تصورِ 'حاکمیتِ الٰہیہ' کا ذکر کرنا مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایات وتعلیمات کے عین مطابق مسلمانوں میں خلافتِ اسلامیہ کی صورت میں موجود ہے۔ اسی طرح عیسائیوں کے یہاں بھی یہ نظریہ کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے اور وہ بھی یہود کی عالمگیر حکومت کے راستے کی رکاوٹ ہے لیکن یہ واضح رہے کہ عیسائیوں کا نظریہ ایک تحریف شدہ نظریہ ہے جس میں ایک مخصوص طبقے (یعنی پادریوں) کو عملاً الٰہی تعلیمات سے بالا بلکہ خود قانون ساز اور حلال حرام متعین کرنے والا سمجھا جاتا ہے اور یقیناً یہ ایک باطل نظریہ ہے۔ گویا عیسائیت عملاً دین کے لبادے میں انسانوں کو انسانوں کا غلام بناتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں حکمران، علما اور عوام سب یکساں طور پہ اسی شریعت کے تابع ہوتے ہیں جو نبی ﷺ لے کر آئے اور انہیں خود بھی اس پر عمل کرنا ہوتا ہے اور عوام کو بھی اسی کے مطابق (نہ کہ اپنی خواہشات کے مطابق) چلانا ہوتا ہے۔ اس کی بہترین مثال صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خلافت سنبھالنے پر فرمانا ہے کہ اگر میں سیدھا چلوں (یعنی شریعت کے مطابق چلوں) تو میری مدد کرنا اور اگر میں ٹیڑھا ہوں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ سو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ درج بالا عبارت میں عیسائیوں کے نظریے کو اسلام کے نظریے کے مساوی ہرگز قرار نہیں دیا جا رہا بلکہ یہاں یہود کی راہ میں حائل ایک مشکل کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ (م ح)

[2] اسے Economic Integration کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مقامی اور ملکی معیشت کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کیا جائے، یہاں تک کہ عالمی سطح تک معیشت کا ایک نظام قائم ہو اور اس کے نتیجے میں 'عالمی سرمایہ' (Global Capital) پیدا ہو۔ بظاہر اس نظام میں تمام ملکوں کو معیشت کے باب میں ایک خوش کن معاشی ترقی نظر آتی ہے، لیکن اس کے نتیجے میں عالمی سطح پر بیٹھے یہودی سرمایہ دار کمپنیاں اور افراد عالمی سرمایہ کو اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں جس کے خطرناک اثرات کی طرف اوپر کی سطور میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔ (م ح)

حق اور ہدایت کا اصلی سِرا کسی طالع آزما کے سپر د مت کیجیے!

(خطوط از اَرضِ رِباط)

مولانا قاری عبد العزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

خطوط کا انسانی زندگی، زبان و ادب اور تاریخ پر گہرا اثر ہے۔ یہ سلسلہ ہائے خطوط اپنے انداز میں جدا اور نرالے ہیں۔ ان کو لکھنے والے القاعدہ برِّ صغیر کی لجنہ مالیہ کے ایک رکن، عالم و مجاہد بزرگ مولانا قاری ابو حفصہ عبد الحلیم رحمہ اللہ ہیں، جنہیں میادین جہاد 'قاری عبد العزیز' کے نام سے جانتے ہیں۔ قاری صاحب سفید داڑھی کے ساتھ کبر سنی میں مصروفِ جہاد رہے اور سنہ ۲۰۱۵ء میں ایک صلیبی امریکی چھاپے کے نتیجے میں، قندھار میں مقام شہادت پر فائز ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ قاری صاحب نے میدانِ جہاد سے وقتاً فوقتاً اپنے بہت سے محبین و متعلقین (بشمول اولاد و خاندان) کو خطوط لکھے اور آپ رحمہ اللہ نے خود ہی ان کو مرتب بھی فرمایا۔ ادارہ 'نوائے افغان جہاد' ان خطوط کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان خطوط کو لکھنے والے، پڑھنے والوں اور شائع کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرِ عزیز!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ آپ لوگ بفضل اللہ تعالیٰ خیر وعافیت سے ہوں گے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور آپ لوگوں کی نیک دعاؤں کی برکات سے خیریت سے ہیں۔ گھر کے کیا حالات ہیں کافی عرصے سے خط و کتابت کا سلسلہ موقوف ہونے کے باعث آگاہی نہ ہو سکی، مگر میں آپ سب کے لیے دعا گو ہوں کہ آپ امن وعافیت کے ساتھ رہیں اور اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو ایمان کی دولت عطا فرمائے۔ ہمیں آئے ہوئے کافی وقت گزر گیا۔ اس عرصے میں آپ بر سرِ روزگار ہوئے ہوں گے اور ازدواجی زندگی میں بھی منسلک ہوئے ہوں گے۔

پیارے بھائی! یہ سب دنیاوی زندگی کی جزولا ینفک چیزیں ہیں اور فنا ہونے والی چیزیں ہیں۔ ایک زندگی اور ہے وہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ میرے خیال میں آج اس دورِ پُر فتن میں اس اَبدُ الآبد زندگی کے بارے میں لوگ ایک فیصد بھی نہیں سوچ پاتے حالانکہ اس آخرت کے لیے سو فیصد سوچنے اور اس کو حاصل کرنے لیے کوشش کرتے مگر اس دور میں دجّالی نظام نے اس سوچ پر قدغن لگا دی ہے نہ صرف یہ کہ قدغن لگائی ہے بلکہ آخرت لوگوں کے ذہنوں سے محو کر کے رکھ دی اور ایسا ماحول پیدا کیا کہ گویا جنت دوزخ اور آخرت کوئی انہونی چیز یا کوئی کہانی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں (معاذ اللہ)۔ لوگ آخرت کی فکر کو چھوڑ کر محض دنیا اور دنیا کی لذت کے حصول کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ذرا سوچئے! کیا یہ رویہ ٹھیک ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ابلیس کی پیروی نے لوگوں کی سوچ میں وہ کجی پیدا کر دی ہے کہ حقیقی راحت واطمینان ڈھونڈنے کے بجائے دنیا میں سامانِ راحت کی تلاش میں زندگیاں گنوا دیتے ہیں اور سب کچھ ہار جانے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ کچھ بھی نہ ملا، ایک سراب تھا جس کے پیچھے تمام عمر بھاگتے رہے۔

جب میں لوگوں کے بارے میں سوچتا ہوں کہ لوگ دنیا میں کہاں کھوئے جا رہے ہیں تو دل کانپ اٹھتا ہے۔ جب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو پڑھتا ہوں اور دنیا کے اس ہنگامہ خیز ماحول کو دیکھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ واقعی "زندگی کے یہ بے ترتیب ماحول" راتوں کی نیند اڑانے کے متقاضی ہی ہیں۔ یہ دور واقعی ہنگامہ خیز دور ہے اور آخری دور ہے۔ دجّالی نظام کے تانوں بانوں نے اس دور کو ایسا گھیرا کہ حق اور باطل کی پہچان مشکل بنا دی ہے۔ تمام انبیائے کرام (علیہم السلام) اس دورِ پُر فتن کے بارے میں اپنے اپنے امتیوں کو ڈراتے رہے ہیں۔ آخر میں نبی کریم ﷺ نے بھی بڑی شد و مد کے ساتھ اپنی امت کو اس خطرے سے آگاہ کیا اور اس سے بچ کر رہنے کی تاکید کی۔

یہ وہ پُر فتن دور ہے جس میں دجالی فتنوں نے ہر چیز کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اس میں دجل و فریب بھر دیا ہے خواہ وہ نظامِ تعلیم ہو یا نظامِ معاش ہو، نظامِ سیاست ہو یا نظامِ معاشرت...... ہر چیز پر باطل کا ملمع چڑھا دیا گیا جس نے بڑے بڑوں کی عقل و شعور کو دھندلا دیا ہے۔ اس میں وہی شخص اس ہولناک فتنوں سے بچ سکتا ہے جس نے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی ٹھان لی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت ہی وہ ہتھیار ہے جو بندے کو نورِ بصیرت عطا کرتا ہے۔ اب میں اگر ہر چیز کے بارے میں لکھنا چاہوں تو یہ خط نہیں رہے گا بلکہ ایک دفتر بن جائے گا۔

میرے بھائی! دجالی فتنوں نے ہر میدان میں فسوں کاری کی اور آزادیٔ انتخاب میں اتنی لچک پیدا کی ہے کہ یہ حق کے متلاشی کو حق تک پہنچنا دشوار ہی نہیں بلکہ محال بنا دیا۔ اس وقت حق کو کیسے پہچانا جائے؟ اس سلسلے میں امام ابن تیمیہؒ کا قول پیش خدمت ہے:

"اگر حق کو پہچاننے میں دشواری ہو تو باطل کے تیروں کا رخ دیکھ لو تو حق خود ہی پہچان جاؤ گے۔"

آج ساری دنیا جن کو دہشت گرد کہہ رہی ہے، وہ کون ہیں جو دین کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں؟ کن کے لیے "گوانتاناموبے" کے قید خانے، "ابو غریب" کے اذیت کدے اور "بگرام" کے ٹارچر سیل سجائے گئے ہیں؟ یہ کون ہیں جو محدود وسائل کے باوجود سالوں سے کفر کے خلاف بر سرِ پیکار ہیں اور مزید کئی سالوں تک جنگ کرنے کا عزم رکھتے ہیں اور فتح و کامرانی کے لیے پُر امید ہیں کہ اللہ کی نصرت ہمارا ہی مقدر ہے (ان شاء اللہ)۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث کے مطابق ایمان اور نفاق کے خیمے الگ نظر آ رہے ہیں جس نے سلیم

الفطرت انسان کے لیے حق و باطل کو پرکھنا آسان بنادیا ہے۔ حضرت علیؓ کا قول یہ ہے کہ "حق کو پہچانو! تو حق والوں کو خود ہی پہچان جاؤ گے"۔ مگر اس وقت حق کو پہچاننا نہ صرف دشوار ہے بلکہ محال بھی ہے جس کا اوپر تذکرہ کیا جاچکا ہے اور حق والوں کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے۔ اس کے لیے ہم بارہا آپ لوگوں کو دعوت دیتے آئے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت پر عمل کرنے کے بارے میں ہم آپ لوگوں سے تقاضا کرتے ہیں کہ بلاناغہ ہر جمعے کو سورۂ کہف کی تلاوت کیجیے اور اس کو سمجھیے اس پر عمل کرنے کی کوشش کیجیے یا کم از کم ہر صبح سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات کی تلاوت معمول بنالیجیے اور ذیل میں لکھی ہوئی دعا کا شب و روز ورد کرتے رہیے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ

"اے اللہ! ہمیں حق کو سچا کر کے دکھا جس کی ہم اتباع کر سکیں، اور باطل کو باطل کی حیثیت سے دکھا جس سے ہم اجتناب کر سکیں۔"

یہ تو حق کو پہچاننے اور اس پر چلنے کے لیے دوا ہے اور آپ ماشاء اللہ ڈاکٹر ہیں بخوبی جانتے ہیں کہ طبیب دوا کے ساتھ پرہیز بھی بتاتے ہیں، سو اَرواح کے امراض کے طبیبِ حقیقی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا کے ساتھ پرہیز بھی بتادیا ہے۔ جس میں سے چند ایک ذیل میں درج کیے گئے ہیں۔

1. قرآن کی زبان میں جسے "لہو الحدیث" کہا گیا ہے اس سے پرہیز کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○ (سورہ لقمان:۶۔۷)

"اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو "لہو الحدیث" (کلامِ دل فریب) خرید لاتا ہے، تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے علم کے بغیر بھٹکا دے اور اِس راستے کی دعوت کو مذاق میں اڑادے۔ ایسے لوگوں کے لیے سخت رسواکن عذاب ہے۔ اسے جب ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ بڑے تکبر و گھمنڈ کے ساتھ اس طرح رُخ پھیر لیتا ہے گویا کہ اس نے انہیں سنا ہی نہیں، گویا کہ ان کے کان بہرے ہیں۔ تو اچھا اسے ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنادو۔"

"لہو الحدیث" ایسی چیز کو کہتے ہیں جو آدمی کو اپنے اندر مشغول کر کے ہر دوسری اہم بات سے غافل کر دے۔ مفسرینِ کرام نے جس کا اطلاق بری باتوں، فضول گفتگو اور بیہودہ قول پر کیا ہے جس کا اطلاق فضول گپ شپ، خرافات، ہنسی مذاق، داستانیں، افسانے، ناول، گانا بجانا وغیرہ پر ہوتا ہے۔ "لہو الحدیث" خریدنے کا مطلب علمائے کرام نے یہ بھی بتایا ہے کہ "حدیثِ حق" کو چھوڑ کر "حدیثِ باطل" کو اختیار کیا جائے اور "ہدایت" سے منہ موڑ کر "ان باتوں کی طرف راغب ہوا جائے، جن سے ان کے لیے نہ دنیا میں کوئی بھلائی ہے اور نہ آخرت میں"۔

علمائے اہلِ حق نے لکھا ہے کہ آج کا "لہو الحدیث" اور جہالت کا پلندہ ہر طرح کا میڈیا[1] ہے اور ان میں ہونے والے تمام تجزیات اور ان کے پروگرامات ہیں۔ اگرچہ ان پروگرامات اور تجزیات میں بعض بادی النظر میں دینی اور مذہبی ہی کیوں نہ معلوم ہوں اس سے مکمل اجتناب ہی میں خیر ہے۔

2. جہالت اور جاہلوں سے کنارہ کش رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی صفت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (سورۃ الفرقان:۶۳)

"جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو یہ سلام کہتے ہیں۔"

3. دنیا کی چمک دمک سے مرعوب نہ ہونا، اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چمک دمک کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ○مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ○ (سورۃ آلِ عمران:۱۹۶۔۱۹۷)

"اے پیغمبر!) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا تمہیں دھوکہ نہ دے۔ (یہ دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ ہے پھر (آخرت میں) تو اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔"

4. تمام باتوں میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ناتہ جوڑنا اور حتی الامکان نام نہاد مصلحین سے ناتہ توڑنا جو مختلف بہانوں سے جہاد و قتال سے پہلو تہی برتتے ہوئے اپنے ارد گرد لوگوں کا جمِّ غفیر اکٹھا کر کے کاروبارِ دین چلاتے ہیں، اس وقت دنیا بھر میں دین کے نام سے جو کام بظاہر اصلاحی معلوم ہوتا ہے وہ بھی دجالی حربوں میں سے ایک حربہ ہے۔ دجالی نظام کو اس کی ضرورت ہے کہ دنیا کو اپنا ہمنوا بنایا جائے اور کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر سودے بازی کی جائے اور جو بھی اس دجّالی نظام کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کرلے اس کے لیے فروعات میں تبدیلی اور تغیر کو تسلیم کر لیتا ہے۔ دجالی فتنوں کی ایک فریب کاری یہ ہے کہ اپنے مخالفوں پر خود مسلح ہو کر چڑھ دوڑیں اور لوگ اس کے خلاف غیر مسلح ہو کر اس کے سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق محض احتجاجی جلسہ جلوس اور ہینڈ بل کی

[1] ظاہر ہے، اسلامی اعلام / میڈیا یہاں مراد نہیں۔ (ادارہ)

تقسیم پر اکتفا کر کے اپنے جذبوں کو ٹھنڈا کریں۔ دجالی نظام کبھی کبھی کچھ بے ضرر مطالبات پورے بھی کرتا ہے تاکہ لوگ پُر امن احتجاج کو غیر مؤثر نہ سمجھیں۔

میرے بھائی! ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے یہ کیسا دجل و فریب ہے اور کیسا ظلم و ستم ہے جس میں ہم مسلمان پھنسے ہوئے ہیں؟ کفار مسلح ہو کر مسلمانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑے ہیں جیسے بھوکے دستر خوان پر ٹوٹتے ہیں اور ہم محض ہینڈ بل کی تقسیم اور پر امن احتجاجی جلسے جلوس پر اکتفا کرتے ہوئے اپنے آپ کو دین دار باور کرا رہے ہیں۔ ہم کل قیامت کے دن اللہ کے سامنے کیسے کھڑے ہوں گے آج دنیا کے کونے کونے میں مسلمان مظلوم ہیں اور ان کے بچوں کی آہ و پکار سنائی دے رہی ہے اور قرآن گویا ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا○ (سورۃ النساء:۷۵)

"اور تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس شہر سے، جس کے رہنے والے ظالم ہیں، نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مدد گار مقرر فرما۔"

ان مظلوم بچوں اور عورتوں کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے ان کے حامی و ناصر بن کر جن لوگوں نے اللہ کے دین کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا ان کی قربانیاں "سابقون الاولون" کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ ایسا ہی ایک خاندان میں بھی جانتا ہوں کہ خاندان کے سربراہ، ان کے دو بیٹے اور دو داماد سمیت گھر کے تمام مرد ظالموں کے خلاف مسلح جدوجہد میں شہادت کے عظیم مرتبے حاصل کر چکے ہیں۔ پھر بھی اس خاندان کی عورتیں اور بچے خوش و خرم اور پر عزم ہیں کہ ماہ و سال کے وصال کے بعد جنت میں ہم سب اکٹھے ہوں گے۔ یہی جنتی لوگ ہیں جن کے ایمان پر رشک آتا ہے اور اس پُر فتن دور میں صحابہؓ کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

ابھی حال ہی میں روس میں دو مسلم نوجوان لڑکیوں نے مظلوموں کی داد رسی کے لیے ظالموں کے خلاف مسلح ہو کر حملہ کر کے ایک تاریخ رقم کی۔ ایک طرف دین کے لیے قربانی دینے والی یہ فدائین ہیں جن سے کفار لرزہ بر اندام ہیں تو دوسری طرف دین کے نام پر احتجاج کرنے والے لوگوں کا ایک جم غفیر ہے جو سیلاب میں بہہ جانے والے تنکوں کی طرح بے وزن ہیں جس سے کفار ٹس سے مس بھی نہیں ہوتے ہیں۔ ان دونوں گروہوں پر غور کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کون لوگ حق پر سچے ہیں اور کون حق سے پہلو تہی کرنے والے۔

میرے بھائی! انسان معمولی تگ و دو کر کے حق کے اصلی سرے تک پہنچ سکتا ہے۔ لیکن اگر انسان یہ تصور کر کے بیٹھ جائے اور اپنے آگے لکیر کھینچ لے کہ حق میرے پاس ہی ہے یا میں حق بجانب ہوں اور دوسرے سب حق سے ہٹے ہوئے ہیں تو انسان کا یہ رویہ خطرناک ہی کہلایا جا سکتا ہے اور حق کے آگے بند باندھنے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (ﷺ) اور ان کے امتیوں کو ہدایت پر قائم و دائم رکھنے کے لیے سنت و نوافل کے علاوہ دن رات میں سترہ رکعات فرض نماز میں سورۂ فاتحہ کی آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ "(اے اللہ!) تو ہمیں سیدھی راہ کی طرف رہنمائی فرما" کی تلاوت کے ذریعے ہدایت مانگنا سکھایا۔ قرآن پاک میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک معنی خیز دعا سکھائی ہے جو بار بار پڑھنے کی ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا...... "اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت سے سرفراز کرنے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ ڈالنا"۔ (سورۂ آل عمران)

اس کے علاوہ اللہ کے رسول (ﷺ) نے دونوں سجدوں کے درمیان یہی ہدایت کی دعا مانگنے کا اہتمام فرمایا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ...... "اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر اور مجھے ہدایت پر قائم و دائم رکھ"۔ اسی طرح ہم دعا پڑھتے ہوئے کہتے ہیں اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ...... "اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جن کو تو نے ہدایت دی ہے"۔

ان کے علاوہ اللہ کے رسول ﷺ سے اور بھی دعائیں منقول ہیں جیسے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰى...... "اے اللہ! میں آپ سے ہدایت (پر قائم رہنے کے لیے) کا سوال کرتا ہوں"۔

ایک اور دعا اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ...... "اے اللہ! ہمیں حق کو حق کر کے دکھا جس کی ہم اتباع کر سکیں"۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہدایت پر قائم و دائم رہنے کے لیے جتنا اہتمام فرمایا شاید ہی کسی اور مسئلہ پر اتنا اہتمام فرمایا ہو۔

اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا امتِ مسلمہ کو دینِ حق پر قائم و دائم رکھنے کے لیے یہ سارا اہتمام اس لیے تھا کہ دنیا میں راہِ حق پر چل کر ہی بندۂ مومن جنت کا مستحق ہو سکتا ہے اور اس کے برعکس راہِ حق سے ذرا پھسلنا اس کے لیے اس کی آخرت کی بربادی کا موجب ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ○ (سورۃ آل عمران:۱۰۲)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے (سوائے) اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔"

اور ایک مقام پر ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ○ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ○

(سورۃ البقرہ:۲۰۸-۲۰۹)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔ پھر اگر تم صریح و روشن احکام پہنچ جانے کے بعد لڑکھڑا جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب (اور) حکمت والا ہے۔“

اس لیے یہ بات کہنے کی جسارت کی جاتی ہے کہ یہ حق اور ہدایت کا اصلی سرا کسی طالع آزما کے سپرد نہیں کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور اسی سے ہدایت طلب کرتے رہنا چاہیے اس کے علاوہ جن باتوں اور جن مسنون دعاؤں کا اوپر تذکرہ کیا بجا طور پر آپ سے امید کی جاتی کہ ان کو دل کی گہرائی اور خلوصِ نیت کے ساتھ پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی جستجو کریں گے۔

میرے بھائی! اللہ رب العزت آپ کو اپنے راستے کی طرف بلا رہا ہے، وہ پکار رہا ہے۔ اس پکار پر لبیک کہیے یاد رکھیے، نفس اتنی آسانی سے دنیا کی لذتوں کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا۔ اس کے لیے اس کی موت کی سختیاں یاد کیجیے، حشر کے روز کا تصور کیجیے، جہنم کی ہولناکیوں کو ایک دفعہ سامنے لائیے۔ زیادہ سے زیادہ وقت قرآن کی تلاوت میں صرف کیجیے اور جمعے کے روز سورۂ کہف کی تلاوت ضرور کیا کیجیے۔ صدقِ دل سے اللہ سے ہدایت پر قائم رہنے کے لیے استقامت مانگیے اور راستے کی دشواریوں سے نہ گھبرائیے اس راستے میں آزمائشوں سے مفر نہیں۔

دینِ اسلام مکمل ہو چکا ہے۔ جہاد فرضِ عین ہے۔ ہم کسی بھی فریضے کی تکمیل کے لیے کسی علت کو بہانہ بنا کر تقدیم و تاخیر کرنے کے مجاز نہیں۔ جبکہ زمینی حقائق بھی یہی تقاضا کرتے ہیں۔ چاروں فقہا؛ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن تیمیہ و دیگر ائمہ کے نزدیک جہاد اس وقت تک فرضِ عین رہے گا ”جب تک مسلمانوں کی زمین کفار کے قبضے سے واگزار نہ کرا لی جائے“ اور ”مسلمان قیدیوں کو کفار و مشرکین اور مرتدین کی جیلوں سے چھڑا نہ لیا جائے“ اور ”مرتد حکمرانوں کو معزول کر کے ان کی جگہ اہلِ ایمان کو نہ بٹھایا جائے“۔

یہ خط نہ چاہتے ہوئے بھی طویل ہو گیا۔ امید ہے کہ آپ اسے تحمل کے ساتھ پڑھیں گے اور اس پر غور و خوض کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو ہدایت پر قائم و دائم رکھے یہی دنیا کی تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر آپ ہم سے ملنا چاہتے ہیں تو خط پہنچانے والے بھائی صاحب سے تذکرہ کیجیے گا ہو سکے گا تو وہ کوئی ملنے ملانے کا انتظام کر دیں گے ورنہ جوابی خط لکھ کر حال و احوال سے ضرور مطلع کیجیے۔ آخر میں سب کو ہمارا سلام کہہ دیجیے گا۔ دعاؤں میں یاد رکھیے۔ حق کو پہچاننے کی کوشش کیجیے گا...... حق والوں کو خود ہی پہچان لیں گے۔

دعاؤں کے ساتھ والسلام

آپ کا بھائی

خادم ملٹی نیشنل

رہن رکھوا چلا
اپنی کُل زندگی
رُومیوں کے یہاں!
عمر بیتی مگر...... تجربہ مل گیا!
سر میں ہی سفیدی نہیں آ گئی!
دِیدہ ریزی ہی تھی جو...... انہیں بھا گئی
نور آنکھوں کا گرچہ کہ چھنتا رہا
دو جمع دو...... میں کر کر کے گنتا رہا!
چار جب ہو گئیں پھر جمع...... روٹیاں!
کام میرے ذمے جو تھا پورا ہوا
یوں دمِ واپسیں میں اَدھورا ہوا!
ہاں مگر......
تیل کے کھد گئے کچھ کنویں
چند سڑکیں بنیں!
اتصالات و تعمیر و تحقیق کے
کچھ ادارے مِرے نام سے معتبر ہو گئے!
عالی شاں کتنے منصوبے سر ہو گئے!
یوں ترقی کے زینے میں چڑھتا گیا!
(گرچہ لشکر بنی اصفرِ روم کا
سرزمینوں پہ میری ہی بڑھتا گیا!)

(شیخ احسن عزیز شہید رحمہ اللہ)

مع الاُستاذ فاروق

معین الدین شامی

نوٹ: اس سلسلہ ہائے مضامین میں جہاں بھی 'استاذ' کا لفظ آئے گا تو اس سے مراد شہید عالمِ ربانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ ہوں گے۔

تاریخ دو شوّال، ۱۴۳۲ھ کی تھی۔ صبح صبح موسیٰ بھائی ہمیں میران شاہ بازار کے ایک سرائے میں لے گئے۔ سرائے میں واقع دو کمروں پر مشتمل فلیٹ نما مکان پر پہنچے تو ساتھیوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری تھا۔

کچھ دیر میں مطلوبہ ساتھی جمع ہو گئے، اضافی چلے گئے...... ہم سب دس گیارہ ساتھی استاذ کے سامنے دو زانو بیٹھے تھے۔ حسبِ عادت حضرت نے ہونٹوں کو نہایت معمولی سا بھینچا، ہلکا سا مسکرائے، اپنے خاص انداز سے سر کو کچھ جھٹکا دیا، ہلکا سا سانس کھینچا اور نیچے کو دیکھنے لگے۔

آج ہمارا دورۂ شرعیہ شروع ہو رہا تھا اور اسی حوالے سے آئندہ کے دروس و معمولات کا بیان کرنے کے لیے استاذ ہمارے سامنے تشریف فرما ہوئے تھے۔

اس دورے میں شامل بعض آج، مثلِ استاذ سبز پرندوں کے قالب میں، جنتوں میں غوطہ زن ہیں[1]، کچھ قید خانوں میں سنتِ یوسفؑ اور 'جبیل' شعبِ ابی طالب کی مانند 'ھو اللہ احد' پر ڈٹے ہوئے مسجون ہیں، کچھ مجھ جیسے ہیں[2] اور ایک دو کچھ زیادہ ہی دور چلے گئے ہیں۔ ان دور جانے والوں کو کچھ کہنا چاہتا ہوں، کاش کہ مافی الضمیر کو الفاظ مل جائیں، کوئی انجانی شعاع، کوئی جذبہ ان جانے والوں تک پہنچ جائے اور وہ پھر ہمارے ہم رکاب ہوں...... اے جانے والو! لذتِ آشنائی کو پا کر کہاں کھو گئے تم؟ بے چین زندگیوں کی جانب کیوں چلے گئے تم؟ تم جانتے ہو کہ ہم نے تمہیں بھلایا نہیں۔ کوئی دن نہیں گزرتا جب تم سے ملنے کو جی نہ چاہتا ہو اور ملنے کا طریق وہی ہے جسے ہم تم طریقِ آشنائی 'جہادِ فی سبیل اللہ' کہتے ہیں۔ اے جانے والو...... ہم سے بچھڑنے والو...... میری آنکھوں کی شبنم دیکھو...... بے وفا نہیں کہنا چاہتا...... مگر قلبِ مضطر...... یہ سوزِ جگر...... کہلوا رہا ہے...... بے وفاؤ! کانچ کے محلوں میں تو تم ہو، لیکن وہاں دِل مت لگانا......

اے ابابیلو! راہِ حرم کو لوٹ آؤ......

استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے سر اٹھایا، بسم اللہ سے شروع کیا اور بعد از حمد و صلاۃ گویا ہوئے کہ ہم یہاں ایک عظیم مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ یہ مقصد علمِ دین کا حصول ہے اور دورۂ ہٰذا علمِ دین کے حصول کی نہایت معمولی اور چھوٹی سی، ابتدائی سیڑھی ہے۔ ایک بات حضرت اکثر ہی کیا کرتے تھے کہ تحصیلِ علمِ دین کی ضرورت و فرضیت تو ہے ہی لیکن مجاہدین کے لیے یہ زیادہ لازمی ہے، اس لیے کہ مجاہدین نے ایک امت کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے، امتِ مسلمہ کی فلاح و صلاح کی ذمہ داری۔ پھر جہاد ہے بھی نہایت حساس امر، کہ اس میں دعوتِ دین کے بڑے بڑے موضوعات آتے ہیں اور قتال کی کارروائیاں، امورِ سیاست، کس سے معاہدہ جائز ہے، کس سے ناجائز...... لہٰذا مجاہدین پر حصولِ علمِ دین مزید لازم ہو جاتا ہے۔ استاذ ہی کی بات کے ضمن میں شیخ ابراہیم الربیش رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ذکر کرنا صائب ہو گا، آپ فرماتے ہیں:

"حق تو یہ ہے کہ جہاد اور تحصیلِ علمِ دین کا تعلق بہت ہی قریبی تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔ مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے لازمی ہے کہ وہ شریعتِ مطہرہ کے علم کی طرف رجوع کرے بالکل اسی طرح جیسے ایک طالبِ علم سے یہ بات مطلوب ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرے۔ اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف دیکھیں تو ہم تمام کے تمام صحابہ کو اس بات پر پائیں گے کہ وہ علما اور طلبائے علمِ دین کے ساتھ ہوتے ہیں اور اللہ عزّ و جل کے راستے میں ساتھ ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ شریعتِ الٰہی کا علم اللہ کی خشیت کی جانب راہنمائی کرتا ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورۃ الفاطر: ۲۸)

"اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔"

اور یہ بات جان لینی چاہیے کہ اللہ کی خشیت، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے حاصل ہوتی ہے!"

بہر کیف استاذ رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرماتے تھے کہ امیر المومنین سیّدنا حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ 'تفقهوا قبل أن تسودوا'، 'علم حاصل کرو قبل اس کے کہ تمہیں سردار (یا ذمہ دار) بنا دیا جائے'۔ پھر استاذ کہتے کہ حضرتِ عمر کے اس قول کو امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری نوّر اللہ مرقدہٗ نقل کرتے ہیں اور پھر اس کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ 'میں کہتا ہوں کہ علم حاصل کرو اس کے بعد بھی کہ جب تمہیں سردار بنا دیا جائے'۔ تو حضرت الاستاذ حصولِ علمِ دین پر بہت زور دیا کرتے تھے۔

اس دورے میں استاذ نے جو سکھایا پڑھایا شاید یہ مجالس اس کا محل نہ ہوں، ادارہ السّحاب برِّصغیر سے وابستہ احباب نے استاذ کا دورۂ شرعیہ بصری شکل میں نشر کرنا شروع کیا تھا جو شاید تعطل کا

[1] یعنی شہید ہو چکے ہیں (ہمارا ان کی نیکی و تقویٰ کے سبب جو ہم نے دیکھا تو ان کے بارے میں یہی گمان ہے اور اصل حال کا واقف تو اللہ ہی ہے!)۔

[2] اللہ ہمیں ایمان و جہاد کے ساتھ ثبات تا مرگ بصورتِ شہادت عطا کرے، آمین۔

شکار ہے، اللہ پاک اس سلسلے کو دوبارہ رواں فرمادیں، تاکہ مجاہدین و طلبائے علمِ دین کے لیے فیض وارشاد کا سامان مزید ہو سکے۔

اس دورے میں حضرت نے ہمارا معمولِ روزمرہ کچھ یوں ترتیب دیا کہ صبح نمازِ فجر کے معاً بعد تجوید کا سبق ہوتا۔ اس تجوید کے سبق کے لیے استاذ نے گیارہ سورتوں کا انتخاب کر رکھا تھا یعنی سورۃ الفاتحۃ اور پھر آخری دس سورتیں الفیل تا الناس۔ اس طرح یہ دس سورتیں دو انداز سے انہوں نے ہمیں پڑھائیں، ایک قواعدِ تجوید کے لحاظ سے بغیر قواعد کے بتائے دوبارہ حفظ ہی اس انداز سے کروادیں اور دوسرا ساتھ ساتھ قواعد بھی بتائے جن کا اطلاق باقی قرآنِ مجید کی تلاوت کے وقت کیا جا سکے، شاذ مثالیں جو ان گیارہ سورتوں میں نہ تھیں وہ الگ بھی بتادیں۔

تجوید کے سبق کے بعد، چھٹی ہو جاتی۔ جن ساتھیوں کی ناشتہ پکانے کی ذمہ داری ہوتی وہ اس طرف چلے جاتے اور باقی اذکار میں مشغول ہو جاتے یا کچھ نوافلِ اشراق پڑھنے لگتے، بعض خوش گپیاں کرنے لگتے یا پچھلے دن کا سبق دوہرانے لگتے کیونکہ روزانہ استاذ پچھلے سبق کا تحریری امتحان لیا کرتے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہوتے، دستر خوان اٹھا دیا جاتا اور استاذ اپنے کچھ کاموں سے اٹھ جاتے، پھر وضو کرتے، بعض دفعہ نوافل ادا کرتے اور درس گاہ میں تشریف لے آتے۔

اب مسنون دعاؤں اور اذکار کے حفظ کا سبق ہوتا۔ حصن المسلم سے حضرت نے ہمیں فرض نماز کے بعد مسنون اذکار، کھانے پینے کی دعائیں، بیت الخلا آنے جانے کی دعائیں، سونے اور بیدار ہونے کی دعائیں یاد کروائیں، صبح و شام کے اذکار اس لیے نہیں یاد کروائے کہ عموماً میدانِ جہاد کے پہلے دورے یعنی دورۂ تاسیسی (basic training) میں ہی اذکارِ صبح و شام یاد کروادیے جاتے ہیں۔

اس سبق کے بعد امتحان ہوتا۔ سامنے دھرے تختۂ سفید پر حضرت موٹے قلم (مارکر) سے سوالات لکھتے اور پھر درس گاہ سے چلے جاتے۔ عموماً آدھا گھنٹہ جواب لکھنے کا ملتا۔ پھر آتے، سب کے پرچے جمع کرتے اور اپنے رہائشی کمرے میں رکھ دیتے جنہیں دن میں کسی اور وقت میں دیکھتے اور نمبر لگاتے۔

اب باقاعدہ سبق کا آغاز ہوتا۔ یہ سبق نمازِ ظہر سے ایک گھنٹہ پہلے تک جاری رہتا۔ سبق ختم ہونے اور نماز کے درمیان اس وقت میں ساتھی قیلولہ کرتے اور پھر نمازِ ظہر ادا کرتے۔ نمازوں کے مقررہ اوقات کی سختی سے پابندی ہوتی، بلکہ کچھ ساتھیوں نے آپس میں اپنی گھڑیاں بھی ملالیں، کہ کوئی نماز کے لیے تاخیر سے نہ پہنچے۔ استاذ نے دورے کی ابتدا میں بعد از مشورہ طے کیا تھا کہ دوپہر کو کھانا نہ ہوا کرے گا، بلکہ کچھ ہلکی پھلکی سی غذا (refreshment) ایک ساتھی بازار سے لے آیا کریں گے اور ساتھ میں چائے ہو گی۔ سو ریفرشمنٹ کے بعد درس گاہ پھر سج جاتی۔ سبق جاری ہو جاتا اور عصر تک پڑھائی ہوتی۔

عصر کی نماز پڑھتے اور پھر درس کے لیے بیٹھ جاتے۔ یہ مستقل معمول تھا کہ بعد از عصر حضرت الاستاذ پانچ منٹ کا درس 'صحیح مسلم شریف' کی شرح 'فتح الملہم' سے دیتے، عموماً اس درس میں آدابِ طعام، آدابِ نوم، آدابِ قضائے حاجت وغیرہ کا بیان ہوتا۔ ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ جو جو ادب حضرت پڑھاتے جاتے تھے، سب ساتھی اس پر عمل پیرا ہوتے جاتے۔ اللہ کے فضل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بعد یقیناً اس اثر میں استاذ کا اخلاص کار فرما تھا۔

اس درس کے بعد عموماً شام کے اذکار کے لیے ساتھی بیٹھ جاتے، صبح جیسا منظر ہوتا، کہیں چائے چل رہی ہے، کہیں خوش گپیاں۔ مغرب کی نماز پڑھتے اور ایک ہمیں میں سے خدمت پر مامور ساتھی مضافے (مہمان خانے) سے رات کا کھانا لے آتا۔ کھانا کھاتے، کچھ ساتھی ریڈیو پر خبریں سنتے اور نمازِ عشاء کا وقت ہو جاتا۔ بعد از عشاء کسی کسی دن استاذ آدھ پونے گھنٹے کے لیے سبق کے لیے پھر بٹھاتے ورنہ عموماً عشاء کے بعد درس گاہ اور ساتھ متصل کمرہ 'خواب گاہ' میں تبدیل ہو جاتا۔

استاذ کا ذاتی معمول یہ تھا کہ تہجد کے لیے آخری پہر میں بیدار ہو جایا کرتے تھے، لیکن صبح اکثر ساتھیوں کو یونہی محسوس ہوتا تھا کہ ابھی ہمارے ساتھ ہی جاگے ہیں۔ اللہ پاک آپ سے راضی ہو جائیں اور ہمیں جنت میں جمع فرمائیں۔

ان دنوں اشرف بھائی (فک اللہ اسرہٗ) استاذ کے مجموعے کی طرف شمالی وزیرستان میں ذمہ دار تھے۔ استاذ کی حیا اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی اشرف بھائی آجاتے تو استاذ درس روک دیتے اور اشرف بھائی کے سامنے بوجہِ حیا بالکل بھی کچھ نہ پڑھاتے اور ان کے جانے پر سبق پھر جاری ہو جاتا۔

اس دورے میں متبعینِ فقہِ حنفی بھی تھے اور سلفی علما کے متبعین بھی۔ استاذ نے اس دورے کے متعلق آخر میں تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ آج تک پہلا دورہ ہے جس میں کسی سلفی ساتھی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ آپ علمائے احناف کے حوالے کیوں دیتے ہیں اور نہ ہی کسی حنفی ساتھی نے یہ اعتراض کیا کہ آپ سلفی علما کے حوالے کیوں نقل کرتے ہیں۔

یوں تو اس بات کا ذکر آتا ہی رہتا ہے اور یہاں بھی لکھنا ضروری ہے کہ استاذ سمجھتے تھے کہ دائرہ اہل سنت والجماعت کے اندر مختلف مکاتبِ فکر کے افراد و علما کو آج جہاد کی عبادت کے ساتھ جوڑ کر ہی جمع کیا جا سکتا ہے۔ پھر یہ کہ فروعی مسائل میں تنوع تو امت میں ایامِ صحابہ ہی سے موجود رہا ہے اور فقہی مسائل میں اختلاف کے باوجود صحابہ کے معاشرے سے زیادہ کیا کوئی معاشرہ ایک سیسہ پلائی دیوار کی مانند تھا؟ مسالک کا یہ اختلاف کہ بات صائب مسئلے اور صواب رائے کے متعلق ہی نہ ہو بلکہ اپنے مسلک کی برتری اور دوسرے کو گمراہ و اہل سنت سے خارج دکھانا وہ چنگاری ہے جسے دشمن نے ہوا دے کر الاؤ میں بدلا ہے۔ (باقی صفحہ نمبر 115 پر)

نوجوانوں سے......وہ جو پڑھے لکھے ہیں!

ضرغام علی حبیب

پاکستان میں بسنے والے پڑھے لکھے طبقے (یعنی اس طبقے جس سے کسی مثبت پیش رفت، اچھی تبدیلی اور قوم کی حالت سنوارنے کی توقع کی جاتی ہے) کی نفسیات کو سمجھنا ہو تو کسی بھی طالبِ علم کی کالج سے یونیورسٹی اور پھر وہاں سے عملی زندگی کی کہانی دیکھی جاسکتی ہے۔ اپنی پڑھائی کے دنوں میں اور پھر اس کے بعد ان گنت نوجوانوں کو قریب سے دیکھا، ان سے بات چیت ہوئی، سب کی کہانی تقریباً ایک سی ہے۔ کہانی کا آغاز کالج میں داخلہ لینے سے ہوتا ہے۔ انٹر میڈیٹ کے کسی طالب علم سے جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ آپ پڑھ کر کیا کریں گے تو اس کا جواب یہی ہوتا ہے کہ ڈاکٹر، انجینئر......بن کر قوم کی خدمت کروں گا، پاکستان کا وقار بلند کروں گا......وغیرہ وغیرہ۔

یہی نوجوان جب سخت محنت کے بعد کسی میڈیکل کالج یا یونیورسٹی میں پہنچتا ہے تو اسے جذبۂ پروفیشنلزم سے تعارف حاصل ہوتا ہے۔ پہلے ایک دو سال وہ اس جذبے کو پختہ کرنے اور یونیورسٹی کے ماحول کے مطابق خود کو اپ ٹو ڈیٹ کرنے یعنی لباس و لہجہ درست کرنے میں گزار دیتا ہے۔ اس کے بعد تھوڑی مزید ترقی ہوتی ہے اور یہ طالب علم کینٹین پر بیٹھ کر ملکی و عالمی صورت حال پر سیر حاصل تجزیہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس پر ماضی کی ناکامیوں اور اب مستقبل میں اسے کامیابیوں سے بدلنے کے جذبات حاوی ہوتے ہیں اور وہ بڑی گرم جوشی سے اپنے جونیئرز کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جیسے ہی پڑھائی کا آخری سال شروع ہوتا ہے، صورت حال بالکل بدل جاتی ہے۔ یہ نوجوان جذبات کے دائرے سے باہر آکر سوچنا شروع کرتا ہے، اسے اپنی گزشتہ شب بیداری، یونیورسٹی کی بھاری فیسوں کی ادائیگی، والدین کی امیدیں......سب کچھ یاد آنے لگتا ہے۔ وہ اپنا آخری سال پوری لگن سے پڑھائی میں لگانے کی کوشش کرتا ہے اور اس دوران اچھی ملازمت، نوکری کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں مل جائے تو زیادہ اچھا ہے، یا امریکہ و یورپ کے سکالرشپ کی تلاش میں انٹرنیٹ براؤزنگ کو بھی مستقل وقت دیتا ہے۔ یونیورسٹی کے آخری دو تین ماہ بڑے ہی عجیب گزرتے ہیں۔ چار پانچ سال سے اکٹھے اٹھنے بیٹھنے اور قوم کی حالت سنوارنے کے لیے کمربستہ نوجوان ایک دوسرے سے چھپ کر نوکری کے لیے انٹرویو دینے جارہے ہوتے ہیں کہ کہیں امیدواران کی زیادتی کی وجہ سے نوکری ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ کیونکہ پڑھائی جتنی بھی اچھی ہو ملک میں نوکریاں انتہائی محدود ہوتی ہیں۔ ملازمتوں کے اشتہار ایک دوسرے سے چھپائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اخبار سٹینڈ پر سے صفحے غائب ہونے لگتے ہیں۔ نوکری کی تلاش اس قدر ذہنوں پر حاوی ہو جاتی ہے، کہ باقی ہر غم بھول جاتا ہے۔ اب کچھ آگے چل کر جن لوگوں کو نوکری مل جاتی ہے وہ تو احباب کے سامنے کمپنی کی تعریفیں اور جاب کی لذتیں بیان کرتے رہتے ہیں اور جو بے روزگار ہوتے ہیں وہ ایک ہی دن میں ملک میں انقلاب برپا کردینے، مظلوموں کی دادرسی اور ظالم و جابر حکمرانوں کو تختۂ دار پر لٹکانے جیسی غصے سے پُر تقریریں کر رہے ہوتے ہیں۔ بہر حال یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے سال بعد جب تمام لوگ کسی نہ کسی جگہ ایڈجسٹ ہو چکے ہوتے ہیں اس وقت اگر آپ ان سے ملیں تو ان کی ترجیح زیادہ کمانے، شادی کرنے، اہم سرٹیفیکیشنز حاصل کرنے اور اپنا مستقبل محفوظ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتی۔ رہ گئیں تبدیلی و انقلاب کی باتیں تو اس میں سے اب صرف حکمرانوں، جرنیلوں اور نظام کو برا بھلا کہنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں بچا ہوتا۔ کیونکہ اس کی نظر میں اس کی دنیا تو بس چکی ہوتی ہے۔

یہ ہے پاکستان کے باصلاحیت طبقے کا لائف سائیکل! ملک کی ابتر صورت حال اور اس میں بسنے والے غریب خاندانوں کی دوہری کمریں دیکھ کر دل میں آتا ہے کہ کاش کوئی ایسا موقف سامنے آئے جو اس طبقے کو ذات کے حصار سے باہر کھینچ لائے۔ پاکستان اگر کافی نہیں تو کاش دنیا بھر میں کٹتے گرتے مسلمانوں کے جسم ان کو جھنجھوڑ پائیں۔ کاش فلسطین، عراق، افغانستان کے کسی شہید کے خون کے چھینٹے اس کی آنکھوں کو نیند سے جگا دیں۔ کاش یہ لوگ عرب انقلابات اور ان میں بلند ہونے والے نعروں سے جاگ جائیں۔ جاگ جانے اور مظلوم امت کے لیے کچھ کرنے کی وجوہات تو بہت سی ہیں لیکن کاش......کہ کوئی اٹھ جائے۔

یہ سطریں لکھتے ہوئے......شام میں بشار الاسد نصیری کے ظلم کے خلاف گردنیں کٹواتے مسلمان یاد آگئے۔ شام میں جب حکومت کے خلاف لوگ نکلنا شروع ہوئے تو بہت سے لوگ سڑک کے کنارے کھڑے مظاہرین کو دیکھ رہے ہوتے تھے۔ مظاہرین انہیں مخاطب کرکے نعرہ لگاتے کہ ''ہمارے ساتھ آملنے کے لیے تم اور کتنے لوگوں کا خون چاہتے ہو؟''۔

میں بھی آج یہی سوال کرتا ہوں کہ بتاؤ امّتِ مسلمہ کا دکھ بانٹنے اور ان کے لیے کھڑے ہونے کے لیے تمہاری کیا ''ڈیمانڈ'' ہے؟ تمہیں کیا ''پیکج'' چاہیے؟

★★★★★

خیالات کا ماہنامچہ

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: فروری ۲۰۲۰ء

معین الدین شامی

اللہ پاک کا احسانِ محض ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا، رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا اور پھر جہاد میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ پاک ہمارے ہر قول و عمل سے شر کو دور فرمادے اور اپنی بارگاہ میں ہمیں، ہماری جانوں کے ساتھ قبول فرمالے، آمین یا ربّ العالمین۔

عمران خان کا ورلڈ اکنامک فورم میں مطالبہ: 'مینوں نوٹ وِکھا......'

پہلے بھی عرض کیا تھا کہ 'ہماری' حیثیت اس عزت مآب برتن جیسی ہے، جسے عرف میں 'لوٹا' کہا جاتا ہے۔ کسی نے عمران خان کا چند سال پہلے کارٹون بنایا تھا، جس میں ایک لوٹے میں بھنور ہے اور بھنور میں عمران خان چِلّا رہا ہے 'سونامی......'[1]۔ یہ حال تو حکومت سے پہلے کا تھا، لیکن عمران خان حکومت میں پہنچا تو حال یہ ہو گیا کہ

ع رانجھا رانجھا کردی نیں میں آپئیں رانجھا ہوئی!

خربوزوں کے ساتھ خربوزہ تو صرف رنگ پکڑتا ہے، عمران خان ہر اعتبار و حوالے سے لوٹوں کے ساتھ رہتے ہوئے سراپا 'لوٹا' ہو گیا۔

لوٹے کو کوئی کتنا ہی مزّین کیوں نہ کر لے، سونے چاندی کا بنالے، رہتا تو لوٹا ہی ہے اور کام بھی مخصوص ہی رہتا ہے۔ عمران خاں 'ورلڈ اکنامک فورم' کی ڈیووس کانفرنس سوئٹز لینڈ میں گویا ہوا:

"پاکستان پہلے روس کے خلاف اور بعد میں امریکہ کا ساتھی بن کر افغانستان کی جنگ میں بہت کچھ کھو چکا ہے، آئندہ پاکستان اس طرح کی کسی جنگ کا حصہ نہیں بنے گا۔"

مزید 'ارشاد' ہوا:

"امریکہ کی خاطر ہم نے حالیہ افغان جنگ میں ثالثی کا کردار ادا کیا تاکہ جنگ بندی ہو سکے!"

کچھ تضاد نظر آیا آپ کو؟ ایک طرف تو اس جنگ سے نکلنے کا بھاشن ہے اور ساتھ ہی امریکہ کی خاطر 'ہماری' خدمات کا ذکر بھی (ویسے بھی امریکہ نے کچھ امداد بحال کر دی ہے اور باقی پر بات چیت چل رہی ہے)۔ یعنی جنگ ہو یا امن ہو، 'ہماری' ڈیمانڈ بس اتنی ہے کہ 'مینوں نوٹ وِکھا......'۔

اقوامِ متحدہ کی شکست

اقوامِ متحدہ کے چارٹر میں درج ہے کہ کوئی رکن ملک مذہبی جنگ میں شمولیت اختیار نہیں کرے گا۔ اقوامِ متحدہ کا کرتا دھرتا اور اس کو سب سے زیادہ فنڈز دینے والا ملک امریکہ ہے۔ یہی امریکہ اس وقت امارتِ اسلامیہ افغانستان کے ساتھ مذاکرات کر رہا ہے۔ وہ امارتِ اسلامیہ جس نے اپنی تاسیس سے آج تک لڑی ہی مذہبی جنگ ہے۔ اسی مذہبی جنگ کے نتیجے میں امارتِ اسلامیہ نے امریکہ اور اس کے چالیس سے زائد اتحادیوں کو شکستِ فاش دی ہے۔ اقوامِ متحدہ دراصل عالمی ٹھیکے دار امریکہ کی پراپرٹی اور کنسٹرکشن وغیرہ کی دکان کا نام ہے۔ دراصل یہ شکست دنیا میں عالمی حکومت یا نیو ورلڈ آرڈر کے نفاذ کے لیے کوشاں امریکہ اور اقوامِ متحدہ کی شکست ہے!

باجوہ کا 'حُسنِ انتخاب' کرپشن خان!

خبر ہے کہ عالمی ادارہ برائے انسدادِ بدعنوانی یعنی Transparency International نے اپنی جدید رپورٹ برائے سال ۲۰۱۹ء جاری کی ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۲۰۱۹ء میں پاکستان میں کرپشن میں اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان دنیا کے کرپٹ ممالک کی فہرست میں اب تنزلی اختیار کرتے ہوئے نیچے آ گیا ہے۔

رپورٹ کے مطابق صفر (۰) کا مطلب ہے بدعنوان ترین (کرپٹ) اور سو (۱۰۰) کا مطلب ہے شفاف ترین۔ یوں پاکستان کا نمبر نائیجیریا اور مالدووا کے ساتھ انیس (۱۹) پر آیا ہے۔

ویسے بھی عمران خان کی حکومت پاکستان کی تاریخ کی بدترین حکومت ہے۔ بدترین حکومت اس لیے کہ اس سے پہلے کبھی کوئی حکمران ایسا نہیں جو کرپشن کے خلاف عوامی حمایت حاصل کر کے کرسیٔ اقتدار تک پہنچا ہو اور پھر اس نے اپنی کابینہ ہر ہر پارٹی کے بھگوڑے، بدعنوان، بدکردار، لالچی، مفاد پرست، جاہل، اجڈ، گنوار اور گھامڑ قسم کے لوٹوں سے مرتب کی ہو۔ وزیروں مشیروں میں درجن سے زیادہ نام مشرف کے ساتھ تھے اور بقول وزیرِ اطلاعات صوبہ سندھ سعید غنی کہ ہماری حکومت (زرداری دور ۲۰۰۸–۲۰۱۳ء) کے اسّی فیصد لوگ اس وقت عمران خان کے ساتھ ہیں۔ پھر ایم کیو ایم بھی مرکزی حکومت کا حصہ ہے۔

[1] ویسے یہ سونامی اور تبدیلی آج کل میڈیا میں سننے میں نہیں آ رہی......

ہمیں نواز شریف سے کوئی ہمدردی نہیں کہ اس نے اپنے دورِ حکومت میں جس طرح سے نظریاتی سیکولر و لادین نظامِ حکومت نافذ کرنے کی کوشش کی اس کی مثال پاکستان میں اس سے پہلے نہیں ملتی۔ لیکن جس طرح کے مقدموں میں نواز شریف اور اس کی پارٹی کو جیلوں میں ڈالا گیا ہے وہ کرپشن کے سبب نہیں بلکہ ان میں عمران خان کا یہ سیاسی و ذاتی تعصب ہے کہ 'تُو کیوں اقتدار کے مزے لوٹ رہا ہے ؟!'۔

اسی لیے کرپشن کے پاکستان میں انسداد کے ادارے نیب یعنی ادارہ برائے قومی احتساب کو صرف سیاست دانوں تک محدود کر دیا گیا ہے۔ عمران خاں نے اپنے 'کاروباری دوستوں' کو نیب کے دائرۂ اختیار سے مستثنیٰ قرار دیا تاکہ وہ خوب 'کرپشن' کر سکیں!

چند کاروباری دوستوں میں جہانگیر ترین، علیم خان اور فیصل واوڈا قابلِ ذکر ہیں، بلکہ حالیہ اہم ترین کاروباری دوست تو بحریہ ٹاؤن گروپ کا مالک ریاض ٹھیکے دار ہے۔ بلکہ یوں کہنا بھی کافی نہیں، مجموعی طور شاید اگر سروے کیا جائے تو پاکستان کا سب سے بڑا کاروباری گروپ یا کارپوریشن 'پاک فوج' ہے۔ پاک فوج جو دودھ، دہی، چاول، دلیہ، پولٹری مرغیاں و انڈے، بینک، سیمنٹ، انشورنس، پلاٹ، مکان، فلیٹ، پرائیویٹ سیکورٹی کمپنیوں، نجی تعلیمی اداروں، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر، سڑکوں پر ٹول ٹیکس وصول کرنا وغیرہ وغیرہ سب کچھ کا کاروبار کرتی ہے۔

بلکہ یہی تو وہ فوج ہے جو درج بالا کاروباروں کے ساتھ بیٹیوں کو بیچنے کا کاروبار بھی کرتی ہے، مجاہدوں کو بیچتی ہے اور چھ ماہ کے بچے کو بھی ڈالروں کے عوض امریکیوں کو بیچنے سے چُوکنا تو دور کی بات، اس کا بھگوڑا غدار جرنیل مشرف اپنی کتاب میں فخریہ اس کو تحریر بھی کرتا ہے۔

دراصل اس کاروبار کرنے میں پاک فوج کا قصور نہیں، یہ ان کا جینیاتی موروثی مسئلہ ہے، ظاہر ہے پاک فوج کی ابتدا تو ایسٹ انڈیا کمپنی (سرمایہ دار کمپنی) میں چوکیداروں کے طور پر ہوئی تھی!

اسی بات سے اندازہ لگالیں کہ اگر کسی گھر میں چوکیدار گھر کا سربراہ چننا شروع کر دے تو اس گھر میں کیسا نظام ہو گا! اب واجا باجا (باجوہ) نے عمران خان کا انتخاب کیا ہے تو یہی ہو گا جو ہو رہا ہے بلکہ یہ کرپشن میں تنزلی یا بدعنوانی میں 'ترقی' ابھی مزید بڑھے گی!

قاسم سلیمانی اسلام کا نہیں..... ایران کا جرنیل تھا!

اب تک قاسم سلیمانی پر بیسیوں گھنٹوں کی نشریات آپ 'پاکستان' کے ذرائع ابلاغ پر دیکھ چکے ہوں گے، یا اخبارات میں بڑی بڑی سرخیاں، فیچرز، تجزیات، کالم اور رنگین صفحات یقیناً نظروں سے گزرے ہوں گے۔ یہ سب نشریات و خبریں اس لیے اخباروں کی 'زینت' نہیں بنیں کہ قاسم سلیمانی کوئی بہت بڑا اسلام کا جرنیل تھا، بلکہ اخبارات و ٹی وی پر ان خبروں کے آنے کا سبب پاکستانی میڈیا میں کلیدی عہدوں پر موجود 'رافضیوں' کا حکم اور اثر و رسوخ ہے۔

یوں تو ایران کا سرکاری مذہب 'اثنا عشری رافضیت' ہے لیکن ایران میں حمیت و غیرت، محبت و اخوت وغیرہ صرف اس رافضیت یا شیعیت کے ساتھ نہیں جڑی ہوئی بلکہ اس کے ساتھ ایران کی قدیم 'فارسی' تہذیب کا اس میں گہرا اثر و کردار ہے۔ ہم اس 'فارسیت و رافضیت' کے امتزاج پر یہاں چند مثالیں ذکر کرتے ہیں۔

1. پہلی مثال ایرانی وزیرِ خارجہ 'جواد ظریف' کا وہ بیان ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ 'ہماری تاریخ سات ہزار سال پرانی ہے'[1]۔ اس سات ہزار سالہ تاریخ کو اگر دیکھیں تو اس میں درجن سے زیادہ سلطنتیں آ جائیں گی، جن میں چند معروف مادائی سلطنت، فارسی سلطنتِ اول، سلطنتِ پارسی اور مشہور ساسانی سلطنت شامل ہیں...... یہ سب کبھی بت پرست تھے تو کبھی آتش و سورج پرست اور کبھی قدیم یونانیوں جیسے نظریات رکھتے تھے۔

2. ساتھ ہی یہ لوگ 'ایرانِ بزرگ' یا Greater Iran کا نظریہ بھی رکھتے ہیں۔ ایرانی یا فارسی علوم کا نامور امریکی پروفیسر 'رچرڈ فرائی' لکھتا ہے کہ '(دعوے کے مطابق) ایرانِ بزرگ میں قوقاز کے پہاڑ، وسطی ایشیا، افغانستان و عراق شامل ہیں اور کُردوں، بلوچوں، افغانوں، تاجکوں، قوقازیوں اور ان علاقوں کی دیگر چھوٹی اقوام کو ''ایرانی'' گردانا جاتا ہے'[2]۔

ساسانیوں کی سلطنت میں 'ایرانِ بزرگ' کے جو نقشے ہیں ان میں ایک طرف موجودہ پاکستان کے صوبۂ بلوچستان و خیبر پختون خوا ہیں تو دوسری انتہا فلسطین و مصر، موجودہ یمن کا ایک تہائی علاقہ، موجودہ عمان کے علاقے، قطر و متحدہ عرب امارات، شمال مغرب کی جانب شام و ترکی اور شمال کی طرف وسطی ایشیائی ریاستیں۔

جن علاقوں میں قاسم سلیمانی کام کر رہا تھا تو ان میں افغانستان سے 'فاطمیون'، پاکستان سے 'زینبیون'، سابقاً شمالی اتحاد (افغانستان)، عراق کے کرد علاقے، شام و لبنان وغیرہ براہِ راست اس میں شامل ہیں اور یمن میں اس وقت حوثیوں کی صورت میں دشمنِ صحابہؓ و اہلِ سنت کو مدد دینا شامل ہے۔ پھر عراق میں ہی قتل ہوا...... یہ مذکورہ سب علاقے شیعوں کے اکثریتی علاقے نہیں ہیں (سوائے عراق کے بعض حصوں اور لبنان کے)، یقیناً شیعیت کے ساتھ 'ایرانِ بزرگ' کا نظریہ بھی اس جنگ میں کارفرما ہے۔

[1] الجزیرہ ٹی وی کے پروگرام 'Talk to Aljazeera' میں اسامہ جاوید کو انٹرویو۔

[2] Persia by Richard Frye

3. اگر آزاد دائرۃ المعارف وکی پیڈیا (انگریزی) کے سنہ ۲۰۱۷ء کے آف لائن نسخے میں 'Islamic Republic of Iran Army' نامی مضمون میں ایرانی فوج کی تاریخ دیکھی جائے تو کچھ یوں درج ہے:

تاسیس: ایک ہزار برس قبل مسیح، آج سے تین ہزار برس قبل (علومِ آثارِ قدیمہ کہ اعتبار سے دنیا کی پہلی فوج جس کا ثبوت دستاویزی لحاظ سے موجود ہے)

۱۹۲۱ء (جدید تاریخ کی پہلی متحدہ فوج)

موجودہ ہئیت: ۱۹۷۹ء (اسلامی جمہوریہ)

پھر اس فوج کے ایک جھنڈے میں قدیم ایرانی جھنڈوں میں موجود 'سورج' کا نشان بھی موجود ہے۔

4. موجودہ ایرانی طغرہ یا insignia یوں تو تلوار اور چار ہلالوں کو ملا کر حرفِ 'اللہ' کی صورت دھارتا ہے لیکن دانستہ اس نشان کو 'گلِ لالہ یا tulip' کی صورت میں بطورِ یادگار رکھا گیا ہے......یادگار ان لوگوں کی جو ایران کی خاطر مارے گئے ہیں۔ اس طغرے کی تفصیل میں مختلف جگہ پر درج ہے کہ قدیم ایران میں یہ بات بطورِ عقیدہ سمجھی جاتی ہے کہ جو محبِ وطن نوجوان ایران کی خاطر جان دے گا تو اس کی قبر پر ایک 'لالہ' کِھل جائے گا۔ اور آج کل گلِ 'لالہ' کو 'شہادت' کا نشان سمجھا جاتا ہے (ظاہر ہے شہادت باعتبارِ عقیدۂ اثنا عشریہ نہ کہ عقیدۂ اسلام)۔ یہ نشان رسمی طور پر 'روح اللہ خمینی' نے ایران کے قومی نشان کے طور پر منظور کیا تھا۔

5. ایک اور چیز جو خاص قاسم سلیمانی کے قتل کے بعد دیکھنے میں بھی آئی وہ 'سرخ' جھنڈے بلند کرنا ہے۔ قدیم ایرانی فارسی روایت ہے کہ انتقام لینے کے لیے ایران میں سرخ جھنڈے بلند کیے جاتے تھے۔ ابھی جب قاسم سلیمانی قتل ہوا تو ایرانی سپریم لیڈر 'علی خامنہ ای' نے ملک بھر میں سرخ جھنڈے بلند کرنے کا حکم دیا۔

ایرانی شیعہ جرنیل قاسم سلیمانی بغضِ صحابۂ کرامؓ، بغضِ امہات المومنین، بغضِ اہلِ سنت اور حبِ شیعیت وحبِ ایرانی فارسی تہذیب کی ایک مجسم صورت تھا۔ اہلِ سنت کے خلاف تین محاذوں پر براہِ راست اور دیگر محاذوں پر پس پردہ یہ شخص صف آرا تھا۔ لاکھوں عام اہلِ سنت اور ہزاروں مجاہدین کے خون سے اس کے ہاتھ رنگے ہوئے تھے۔ شامی اہلِ سنت مسلمانوں کے قتلِ عام کے لیے قاسم سلیمانی بنفسِ خود روسی صدر ولادمیر پوتن سے ملنے کے لیے گیا اور اسے اس بات پر قائل کیا کہ ارضِ شام میں Russian boots on ground یعنی روسی فوجیوں کی زمینی موجودگی نہایت ضروری ہے۔ خطے میں سیاسی و علاقائی بالادستی واقتدار کی جنگ میں امریکہ نے قاسم سلیمانی کو قتل کر دیا...... ورنہ پچھلی تقریباً ایک دہائی کی جنگ میں قاسم سلیمانی اور اس کی عسکری ملیشیائیں امریکی اتحادی تھیں اور اہلِ سنت کا قتلِ عام کر رہی تھیں۔ اللہ پاک نے ظالموں کے ہاتھوں ظالم کو قتل کروایا جیسے ماضی قریب وبعید میں کتنے ہی اللہ کے باغی اور ظالم ایک دوسرے کے خلاف لڑتے لڑتے ہلاک ہو گئے۔

یہ ہے وہ سال جب ملک اوپر کی طرف جائے گا!

عمران خان نے سالِ نو (۲۰۲۰ء) کے افتتاحی خطاب میں کہا کہ 'یہ ہے وہ سال جب ملک اوپر کی طرف جائے گا!'۔

ہمارے یہاں 'اوپر' جانے کا تو مطلب عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ ''اووپر'' یعنی آسمان کے اوپر جائے گا۔ عمران خان کے بارے میں کہتے ہیں کہ عزم کا بڑا 'پکا' ہے، ۹۲ء میں ورلڈ کپ لے آیا، شوکت خانم ہسپتال بنایا...... اب دیکھیں کہ اپنی پالیسیوں اور حسنِ کارکردگی سے کب 'اووپر' پہنچاتا ہے؟!

تقوے کو فقط شرف کی بنیاد بناؤ!

نظامِ جدید کا فساد یہ ہے کہ اس نے ہر ہر شعبے میں اور ہر گام 'کرپشن' پھیلائی ہے۔ اسی کرپشن و فساد میں ایک چیز یہ بھی ہے کہ نکاح کو مشکل اور بدکاری کو آسان بنا دیا گیا ہے۔

بدکاری کے لیے state run (حکومتی سرپرستی میں چلنے والے) ادارے ہیں اور اس سے سو گنا زیادہ پرائیویٹ ادارے۔ حرام کاری کے لیے موبائل پر دس روپے کا بھی پیکج ہے اور اس دس روپے سے وہ دنیا 'کھلتی' ہے جو ایک برائی کا بلیک ہول ہے، کھائی ہے۔ اگر کوئی جدید مواصلاتی نظام استعمال کرتا ہے اور برائی سے بچ جاتا ہے تو خبری و نشریاتی ادارے اپنی رپورٹوں میں ان نکات کو بیان کرتے ہیں جن سے کردار و اخلاق تباہ ہوں یا کم از کم 'فطری شہوت' کو بڑھوتری ملے۔ اب اس کا حل ہے کہ نکاح کرے۔ چونکہ مقصود حرام کاری کا پھیلاؤ ہے تو نکاح کو پھر یہ ادارے کیسے دکھاتے ہیں.........

ہمارے سامنے بی بی سی اردو کی دو رپورٹیں ہیں۔ ایک میں کھلے عام شہوت ابھارنے اور حرام کاری کی دعوت ہے تو دوسری میں 'شادی' کو انتہا درجے مشکل و ناممکن دکھایا گیا ہے۔

مثلاً ہے تو بظاہر بس اتنی سی رپورٹ کے شادیوں میں کتنا خرچہ ہوتا ہے، لیکن دیکھنے والا جو پہلے ہی معاشرتی 'بندھنوں' بلکہ 'زنجیروں' میں جکڑا ہوا ہے وہ غریب یہ سب دیکھ جان کر اور بھی لیٹ جاتا ہے اور یاس کا شکار ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شادی میں زیورات پچاس لاکھ کے، شادی کے تین فنکشن ہوئے نکاح، بارات و رخصتی اور ولیمہ تو فی فنکشن دس لاکھ کھانے کا لگ گیا۔ بیس لاکھ 'نمائش' (decor) پر لگ گئے اور انیس لاکھ چالیس ہزار کے دو جوڑے صرف دلہن کے بنے۔ جو سستی شادی دکھائی وہ بھی کم از کم دس بارہ لاکھ روپے میں ہوئی۔

یعنی شہوت فطری ہے، اس کا صحیح راستہ نکاح ہے...... وہ تو ہوا ناممکن اور حرام کاری کی ابتدا کے لیے دس روپے بھی کافی ہیں۔

شادی کو شریعتِ مطہرہ نے نہایت آسان بنایا ہے۔ جہاں 'مہر' جو کہ واجب ہے دینے کو کچھ نہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدلے میں بھی نکاح فرمایا کہ مرد اپنی بیوی کو بطورِ مہر قرآنِ مجید کی 'دس سورتوں' کی تعلیم دے گا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا تو دعوتِ ولیمہ میں صحابہ کو کہا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے اور سب نے مل کر کھالیا۔ کسی جگہ جو کی روٹی میں زیتون کا تیل شامل کر کے بطورِ ولیمہ مہمانوں کو کھلا دیا۔ یہ سب اس لیے نہیں تھا کہ سب جو کی روٹی اور زیتون کا تیل اور نہایت ہی کم 'مہر' پر تقریبِ عروسی منعقد کریں، بلکہ ماضی اور مستقبل کی ان قبیح روایات کو توڑنا مقصود تھا جنہوں نے حرام کو آسان اور عین حلال نکاح کو مشکل بنا رکھا تھا۔

اس فحاشی و عریانی کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کا طریقہ یہی ہے کہ نکاح کو آسان بنایا جائے اور حرام کاری کے ان دروازوں کو بند کیا جائے۔ ضروری ہے کہ بی بی سی قسم کے نشریاتی اداروں کا بائیکاٹ کیا جائے۔ ان فحش پروگرامات کو روکنے کے حوالے سے چند تجاویز ہم بفضل اللہ مجلّہ نوائے افغان جہاد کے اکتوبر ۲۰۱۹ء کے شمارے میں (قصور میں ہونے والے بچوں سے زیادتی کے سانحات کے ضمن میں لکھے گئے مضمون) بعنوان 'سانحاتِ قصور... جائزہ و حل' میں پیش کر چکے ہیں۔

دینِ تقیہ کے پیروکار

شیعیت وہ مذہب ہے جن کے اساسی اعمال میں تقیہ یعنی جھوٹ شامل ہے۔ بلکہ جھوٹ کو باعثِ اجر و ثواب جانتے ہیں اور خدا تک کو (نعوذ باللہ) تقیہ کرنے والا کہتے ہیں (حالانکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالی کی شان میں انتہائی بڑی گستاخی اور اس پاک وعالی ذات کے بارے میں صریح و جھوٹ وافترا ہے)۔

اسی جھوٹ کی ایک شکل، سازشی نظریات کو گھڑنا اور پھیلانا ہے۔ نائن الیون کے جہادی اقدامات کو ایرانی اداروں نے ہی پہلی بار 'یہودی سازش' قرار دیا اور پوری امت کو ایک کنفیوژن میں مبتلا کرنے کی کوشش کی۔

اسی جھوٹ کے سلسلے کی ایک ادنیٰ سی کڑی کا ابھی ایک ماہ پہلے پردہ فاش ہوا۔ ایرانی فورسز نے جب یوکرین کے مسافر طیارے کو میزائل سے نشانہ بناتے ہوئے تباہ کیا اور ساتھ ہی ہر جگہ اس بات کی مشہوری کی گئی کہ یہ ایک حادثہ تھا۔

تین دن تک یہی باتیں میڈیا پر چلائی جاتی رہیں۔ پائلٹوں کو ٹی وی پر لایا گیا اور دیگر ماہرین کو بٹھا کر یہ تجزیے کروائے گئے کہ اگر میزائل جہاز کو لگے تو یہ ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے۔ پھر جب کینیڈین انٹیلی جنس نے کہا کہ میزائل مارا گیا ہے اور پھر جہاز بنانے والی کمپنی 'بوئنگ' اور جہاز کے انجن بنانے والی فرانسیسی کمپنی نے مطالبہ کیا کہ ہمیں جہاز کے ملبے تک رسائی دی جائے تو خفت مٹانے کے لیے کہہ دیا گیا کہ 'ہم ہی نے مارا ہے!'۔ جواد ظریف نے کہا کہ 'یہ ہماری افواج کا حوصلہ ہے کہ انہوں نے سچ بیان کیا'، تو پہلے تین دن جھوٹ بول کر 'غبارے' میں 'پمپ' سے 'حوصلے' کی ہوا بھری جا رہی تھی کیا؟

پہلے تین دن میں ٹوئٹر پر ایک سازشی نظریہ یا conspiracy theory بھی 'چھوڑی' گئی۔ کہا گیا دراصل جہاز میں ایک سویڈش۔صہیونی شہری سوار تھا جس نے اندر 'خودکش دھماکہ' کیا تاکہ ایران کو بدنام کیا جا سکے۔ سویڈش شہری کا نام بھی جاری کیا گیا۔ بعد میں جب تفصیلات سامنے آئیں تو معلوم ہوا کہ اس سویڈش شہری کی عمر صرف نو (۹) سال تھی۔

اتنا جھوٹ ایرانی حکومت نے بولا اور دھڑلے سے جہاز گرانے سے انکار کیا کہ اپنے سرکاری میڈیا ادارے 'تسنیم' کو بھی خبر نہ ہونے دی اور یہ ادارہ دفاع کرتا رہا۔ بعد ازاں جب ایرانی حکومت نے اقرار کیا تو 'تسنیم' کے مدیرِ اعلیٰ نے اپنی 'ٹویٹ' میں کہا کہ 'ایرانی حکومت کو ان معلومات میں ''شفاف'' ہونا چاہیے جو وہ فراہم کرتی ہے!'۔

شیخ رشید......

یوں تو اس کا نام ہی کافی ہے اور ٹِک ٹاک پر اس کی اور 'حریم شاہ گینگ' میں مشہور ہونے والی خبریں اور ویڈیوز بھی کافی ہیں۔

دراصل شیخ رشید ہمیشہ سے ہی ایسا تھا، اس کا پچھلا چالیس پچاس سالہ ریکارڈ اسی قسم کے کاموں کا ہے۔ بس جدید دور میں اس کا بے نقاب ہونا آسان ہو گیا ہے۔ حریم شاہ نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کی ایک سہیلی کا شیخ رشید سے 'نکاحِ متعہ' ہے اور شیخ رشید اس رشتے سے اس کا بہنوئی ہے۔ اس سب پر قطعاً تبصرہ مقصود نہیں ہے۔

سوچنے کا امر ایک تو یہ ہے کہ حکمران کس قسم کے کردار کے مالک ہیں اور پھر عمران خان کی وہ نوّے کی دہائی کی آخر کی تقریر کہ جس میں کہا 'شید ٹلّی...... اس کو کوئی اپنا چپڑاسی نہ رکھے!(شیخ رشید پنڈی میں اسی نام سے مشہور ہے 'شید ٹلّی')' اور پھر جب شیخ رشید اس کا اتحادی ساتھی آٹھ سال پہلے بنا وہ تقریر جس میں عمران خاں نے کہا 'میں نے شیخ رشید جیسا باکردار سیاست دان نہیں دیکھا!'۔ یہ ہے کردار شیخ رشید کا اور یہ ہے کردار عمران خان کا اور یہ ہے 'ریاستِ مدینہ' جو آج مدینہ کی حکومت پر مسلط محمد بن سلمان کی طرز پر چل رہی ہے!

فضائیہ ہاؤسنگ سکیم کراچی......ایک بھیانک کرپشن سکینڈل

کراچی حیدر آباد موٹروے (M9) اور ناردرن بائی پاس کے نزدیک گلشنِ معمار سے کچھ آگے چند برس پہلے 'پاک' فضائیہ نے تقریباً چار سو ایکڑ زمین کا ایک ہاؤسنگ منصوبہ شروع کیا۔ اب تک اس منصوبے پر عوام اٹھارہ (۱۸) ارب (یعنی اٹھارہ سو کروڑ) روپے لگا چکے ہیں اور اس زمین پر اٹھارہ کروڑ روپے کی تعمیرات بھی نہیں ہوئیں۔

یوں تو نیب بھی تفتیش کر رہا ہے اور یہ وہ باقی ادارے بھی...... عمران خان کی اینٹی کرپشن مہم بھی ہے لیکن یہ سب کے سب اس 'عظیم' فراڈ کے سامنے بے بس ہیں۔ بلکہ اب پاک فضائیہ باقاعدہ عندیہ دے چکی ہے کہ اس منصوبے پر 'مزید' کام نہیں کیا جا سکتا...... 'مزید' یوں کہا گیا ہے جیسے 'بہت' کام پہلے ہو چکا ہوا۔ ہاں 'کام' تو ہوا ہے لیکن دوسری قسم کا۔

اس منصوبے کی بیلٹنگ یعنی زمین کی تقسیم وغیرہ سب 'فیصل ائیر بیس کراچی' میں ہوئی اور اس کیس کے متعلق پاک فضائیہ کا ترجمان کئی قسم کے بیانات دے چکا ہے، سو شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ پاک فضائیہ اس میں 'ملوث' نہیں تھی۔

پاک فضائیہ کے ساتھ تعمیراتی پارٹنر کمپنی 'میکسم (maxim)' نے کہا ہے کہ اب بھی اس منصوبے پر کام ہو سکتا ہے اگر اس منصوبے کا خرچ بڑھایا جائے۔ میکسم کمپنی (جو پاک فضائیہ کی اس منصوبے میں پارٹنر ہے) نے یہ زمینیں ۱۹۹۸ء میں خریدی تھیں، یعنی زمین حاصل کرنا ابھی کام نہیں تھا۔

پھر سوال یہ اٹھتا ہے کہ مزید اس منصوبے پر جو خرچ کیا جائے وہ تو ٹھیک ہے، وقت کے ساتھ خاص کر جب یہ منصوبہ ۲۰۱۵ء میں شروع ہوا تو تب سے اب تک پانچ سال میں تعمیراتی خرچ (building cost) یقیناً بہت مختلف ہو چکا ہے...... لیکن وہ اٹھارہ ارب روپے عوام کے کیا ہوئے؟

خنجر پہ کوئی چھینٹ، نہ دامن پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو؟

پاکستان کے فوجی ادارے قانوناً ہاؤسنگ وغیرہ کاروبار نہیں کر سکتے!

مزے کی بات یہ بھی ہے کہ آئینِ پاکستان کی دفعات ۲۴۳، ۲۴۴ اور ۲۴۵، نیز آرمی ایکٹ ۱۹۵۲ء کے مطابق افواجِ پاکستان (بری، بحری، فضائی) زمین، ہاؤسنگ یا جائیداد وغیرہ کا کاروبار نہیں کر سکتے۔

جیسے یکایک معلوم ہوا تھا کہ آرمی چیف کو قانونِ پاکستان یا آرمی ایکٹ کے مطابق ایکسٹینشن نہیں دی جا سکتی اور پھر ساری تگ و دو کی گئی اور یہ ایکسٹینشن قانونی ہو گئی...... اک نظر ادھر بھی فرمائی جائے۔

یہ بھی سوچیے کہ ملک کے طول و عرض میں پھیلے درجنوں ڈی ایچ ایز (DHAs)، فضائیہ کی متعدد سکیمیں، نیول اینکریج (Naval Anchorage) وغیرہ جیسے منصوبے یہ سب کیا ہیں؟

یہ لطیفہ لکھنا لازم ہے کہ ایک کور کمانڈرز کانفرنس میں مشرف نے اپنے کمانڈروں سے پوچھا:

What are your plans for defence?

(تم لوگوں کے دفاع کے لیے کیا منصوبے ہیں؟)

تو جواب ملا:

Sir, some of the projects in Karachi Defence, Lahore Defence and etc. have been completed, while Defence Pindi and Defence Gujranwala are in the pipeline.

(سر ڈیفنس کراچی، ڈیفنس لاہور وغیرہ میں بعض منصوبے مکمل ہو چکے ہیں، ڈیفنس پنڈی اور گوجرانوالہ پر کام جاری ہے......)

جن چینیوں سے ہمارا دوستی کا رشتہ ہے، ان میں کرونا وائرس کہاں سے آرہا ہے؟

کرونا وائرس کا چرچا ہر جگہ ہے (اللہ پاک اہلِ ایمان کو دنیا بھر میں اس بیماری سے محفوظ و مامون رکھیں، آمین)، لیکن یہ وائرس اور اس سے لاحق ہونے والی بیماری انسانوں کی اپنی نہیں بلکہ جانوروں سے انسانوں میں آئی ہے۔

تحقیق کے مطابق سنہ ۲۰۰۳ء میں یہ وائرس انسانوں میں پہلی بار آیا اور یہ وائرس 'چمگادڑوں' اور 'بلیوں' سے مماثلت رکھنے والے جانوروں سے آیا ہے۔

خود تو نہیں پڑھا لیکن سنا بہت ہے کہ ابنِ انشا نے 'چلتے ہو تو چین کو چلیے' میں لکھا ہے کہ چین میں قیام کے دوران وہ اپنے ایک چینی دوست کے ساتھ رہتا تھا جو روزانہ اسے خرگوش کا گوشت کھلاتا تھا۔ ایک دن ابن انشا نے اس سے پوچھا کہ تم اتنے خرگوش لاتے کہاں سے ہو؟ تو جواب ملا کہ یہاں یہ عام ہیں ہر گھر میں پائے جاتے ہیں، چل پھر رہے ہوتے ہیں بس ہم پکڑتے ہیں اور کاٹ کر پکا کھا لیتے ہیں۔ ابنِ انشا کو یہ 'تعریف' سن کر کچھ اچنبھا ہوا اور مزید اس نے تحقیق کی غرض سے پوچھا کہ یہ خرگوش بولتا کیسے ہے؟ تو چینی بولا 'میاؤں'!

خلافت مسلمانوں کا رومانس ہے!

مستشرقین کے فروغِ الحاد کے ایجنڈے کو فروغ دینے والے اور ردِ جہاد میں مرزا قادیانی کے 'روحانی' خلیفہ شفیق محمد سکے زئی عرف جاوید احمد غامدی کا کہنا ہے کہ خلافت مسلمانوں کا رومانس ہے۔ لیکن خود ہی کہتا ہے کہ دنیا میں 'اقوامِ متحدہ نما ایک عالمی حکومت ہونی چاہیے'۔

صاف کہو کہ مجھے مسلمانوں اور اسلام سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ مسلمان اللہ کے احکام کی تکمیل میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی کوشش کریں جس کے متعلق مخبر صادق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی کہ 'ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ'...... تو بغضِ اسلام میں تمہارے پیٹ میں مروڑ اٹھتا ہے جب کہ تم اسرائیل کے پشت پناہ دنیا کے پانچ بڑے بدمعاش امریکہ، برطانیہ، چین، روس اور فرانس جو اقوام متحدہ کے کُل کرتا دھرتا ہیں...... ان کی سربراہی میں عالمی حکومت کو جائز و مطلوب قرار دیتے ہو۔

ساتھ ہی کہتے ہو کہ دنیا میں پہچان رنگ و نسل سے ہوتی ہے، مذہب سے نہیں، حالانکہ دنیا اس وقت ساری کی ساری ہی مذہبی رنگ میں رنگی جا رہی ہے۔ امریکہ سے برطانیہ تک مذہبی عیسائی جنونی حاکم ہیں، ہندوستان میں فکرِ ہندوتوا غالب آرہی ہے (باقی صفحہ نمبر 106 پر)

آخری انجام پرہیز گاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے!

امیر ذاکر موسیٰ شہید رحمہ اللہ

الحمدللہ والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ وسلم تسلیما کثیرا أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ○

''موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ اور آخری انجام پرہیز گاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے۔''

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کشمیر اور برصغیر میں رہنے والے اہلِ ایمان! اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ آپ کی حفاظت فرمائے، ہم اللہ رب العزت کے ہو جائیں اور وہ ہمیں اپنا بنالیں۔ اللہ عزوجل کشمیر و برّصغیر میں بسنے والے مسلمانوں کو کفر کے ہر نظام سے آزاد کریں اور اس خطے میں غلبۂ اسلام کے لیے ہم سے کام لیں، آمین یارب العالمین۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ کشمیر، برصغیر اور عالمِ اسلام کے ہر مجاہد کی حفاظت فرمائے اور انہیں نصرت کے معجزات دکھائیں۔

میرے عزیز اور محبوب بھائیو!

آپ سے گزارش ہے مجھ خاکسار اور طالب علم کے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ مجھ سے حق کا کام لے اور مجھے سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت عطا فرمائے۔

کشمیر میں رہنے والے میرے محترم بھائیو اور بہنو، بزرگو اور دوستو!

اس ظلمت کے دور میں جہاں اندھیرے دور دور تک نظر آتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ صبر و دعا، دعوت پر عمل، ایمان اور یقین کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

صبر، کیونکہ صبر کرنے والا اللہ کو پسند ہے، اور کیونکہ اللہ کی نصرت آنے والی ہے۔ دُعا، کیونکہ اللہ کو وہ دل محبوب ہے جو اس کے سامنے اور صرف اسی کے سامنے دعا کرے۔ دعوت، چونکہ یہ انبیا کی سنت ہے، عمل، کیونکہ اس کے بغیر سارا علم، اور باقی ساری عبادت ضائع ہے اور عمل میں ذرا بھر نفاق ہو تو وہ عمل ضائع ہے۔ ایمان، کیونکہ یہ ہمارا مسلمان ہونا ہے، ایمان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ ایمان یہ ہے کہ ہماری ہر دعا اور ہر امید صرف اللہ سے ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں......اور نہ کوئی بت، نہ کوئی انسان، نہ کوئی ملک، نہ کوئی فوج اور نہ ہی کوئی نمرود اور نہ فرعون۔ یقین کیونکہ، اس کے بغیر ہماری کوئی حیثیت نہیں، ہماری ابتدا اور ہماری انتہا صرف اللہ پر یقین کی ہے۔

میرے محترم بھائیو، بہنو اور بزرگو!

اگر ہم نے ظلمتوں کے دور میں صبر، دعا، دعوت، عمل، ایمان اور یقین کو ساتھ رکھا تو ایسی کوئی طاقت نہیں جو ہمیں اللہ کی نصرت سے دور رکھے۔ کشمیر میں رہنے والے اہلِ ایمان اور یہاں کے مجاہدین اور شہدا کی اہمیت عالمِ اسلام میں ایک روشن مینار کی ہے۔

جب ۱۹۳۱ء میں مسلمان دنیا مغربی ظلم و جبر کی قبضے میں تھی اور ظلمت کے اندھیرے نے قومیت، سوشل ازم، جمہوریت اور بادشاہت کا سہارا لیا تو وہ آپ کے ہی آبا تھے جنہوں نے اذان کی حرمت کے لیے آواز بلند کی اور جان و مال کی فکر کیے بغیر اسلام کا پرچم تھام لیا۔ وہ شہید تو ہوئے لیکن کبھی جھکے نہیں، تب سے آج تک آپ نے اسلام کا دامن شدید تر مظالم اور مایوسیوں کے باوجود نہیں چھوڑا۔ کبھی ہندوستانی افواج کی بندوقیں چھین کر، تو کبھی پتھروں سے ہندوستان کے کفر کو للکارتے رہے۔ جب رہبر کی شکل میں رہزنوں نے اپنا اصل چہرہ دکھایا تو آپ نے حوصلہ نہیں ہارا، اپنے خون سے سنگِ میل بناتے گئے۔ کبھی کلاشن کوف لی تو کبھی پتھر لیے۔

میرے عزیز اہلِ ایمان! واللہ آپ کی قربانیاں عظیم ہیں۔ آپ کا رباط میں جم جانا، مجاہدین کی حفاظت کے لیے کھڑے ہو کر ہندوستانی فوج کو للکارنا کچھ بھی جہاد سے کم نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اور ہماری عبادت کو قبول فرمائے۔ یہ آپ کی غیرتِ ایمانی ہے جو آپ کو ایسی جرأت اور شجاعت سے نوازتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت دے اور غزوۂ ہند کے شہدا میں شامل کر کے عظیم مقام عطا کرے، آمینُ

میرے محترم بھائیو!

پچھلے کچھ عرصے میں، میرے اور میرے ساتھیوں کے خلاف بہت ساری تہمتیں لگائی گئی ہیں۔ میں اور میرے ساتھی ان شاء اللہ اپنے خون سے ان تہمتوں کا جواب دیں گے۔ ہم نے تو اللہ سے وعدہ کیا اور ہمیں اللہ کے وعدوں پر یقین ہے کہ وہ ہماری مدد فرمائیں گے اور ہمارے لیے آسمانوں سے نصرت اور فتح کے راستے کھولیں گے۔ لیکن جنہوں نے ہم پر الزام لگایا ہے وہ اپنا دامن کیسے صاف کریں گے؟ جنہوں نے اسلام کے نام پر وطنیت کے بت بنائے ہیں اور ملک کو خدا بنایا ہے اور شراب پینے والے جرنیلوں کو فرشتہ سمجھتے ہیں، اُن میں اور سامری میں کیا فرق ہے؟ ہمارے عظیم اور محترم مجاہد قائد شہید افضل گورو رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''آئینہ''، جو انہوں نے تہاڑ جیل میں لکھی تھی، انہوں نے اس کتاب میں انہی بتوں اور رہزنوں کو توڑا اور ان کا پردہ فاش کیا ہے۔

شریعت یا شہادت کا جو عَلم ہم نے بلند کیا ہے، شہید افضل گورو رحمہ اللہ تو اسی منہج کے پیروکار تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب 'آئینہ' میں یہ واضح طور پر بیان کیا ہے کہ پاکستانی فوج اور حکومت کے تابع جو بھی جہاد ہو گا اس کے ثمرات ضائع ہی ہوں گے۔ انہوں نے شہید آفاق کے طرزِ عسکریت اپنانے میں ہی کشمیریوں کی مصیبت کا حل بتایا ہے۔

شہید افضل گورو رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> "پاکستانی مجاہدین کی قربانیاں اور اِن کے مقدس خون سے وفاداری ایک ہی صورت میں ہو گی، جہادِ کشمیر کو ایجنسیوں اور حکومتِ پاکستان کی پالیسیوں سے الگ ہونا ہو گا۔ آئی ایس آئی اور پاکستانی حکمران جو عملی طور پر امریکہ کے غلام ہیں۔ ان پر تحریکِ مزاحمت کا انحصار کرنا توہینِ جہاد ہے۔"

اسی منہج کے ساتھ ہم بھی آگے بڑھ رہے ہیں اور یہ ہمارا عزم ہے کہ ان شاء اللہ کشمیر کی پوری تحریک کو آزاد کر کے شہید افضل گورو رحمہ اللہ کا خواب پورا کریں گے۔

اسلام تو ایک مکمل دین ہے، قرآن مکمل کیا گیا ہے، تو یہ کون سی دلیل ہے اور یہ کون سا ایمان ہے کہ آپ اللہ کی رسی کو چھوڑ کر کسی ملک پر ایمان بسائے ہوئے ہیں؟ ہم پر الزام اور تہمتیں لگانے والوں سے ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے سپاہی ہیں اور ہم وہی دعا پڑھیں گے جو صحابہ پڑھتے تھے "حسبنا الله ونعم الوكيل"۔

کشمیر میں رہنے والے میرے عظیم اور محترم بھائیو، بہنو، بزرگو اور دوستو!

آپ ہمیشہ ہماری دعاؤں میں رہتے ہیں، اور ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ہم بھی آپ کی نیک دعاؤں میں شامل ہوں گے۔

ایک اسلامی معاشرے کی تعمیر ایسی ہی ہے جیسے ایک دیوار کی تعمیر، ہر اینٹ کا پختہ ہونا ضروری ہے، ہر اینٹ کی اپنی جگہ اور کردار ہے۔ ہر ایک مسلمان ایک اینٹ کی مانند ہے اور اپنے آپ کو ایمان سے پختہ کرنا بہت ضروری ہے۔ نمازوں کے اہتمام اور پرہیز گاری، فحش چیزوں سے بچنا اور حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا خیال رکھنا۔

نوجوانوں سے میری خاص التجا اور گزارش ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ شیطانی کاموں سے دور رکھیں۔ اپنے ایمان کو ہر لمحہ درست کریں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جوانی کی عبادت اور پرہیز گاری نہایت ہی پسندیدہ ہے۔

میرے عزیزو! اللہ کے سپاہی بن جائیے۔ اپنے آپ کو آنے والی اسلامی انقلاب کے لیے تیار کیجیے، ہر فاشی سے کنارہ کر لیجیے، تبھی جا کر اللہ کی نصرت اس مظلوم قوم پر ہو گی۔ لہٰذا آپ پر یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کی اصلاح کریں اور شیطان کے فتنوں سے بچیے اور اسلام کے غلبے کی جدوجہد میں اپنا حصہ ڈالیے۔

میرے محترم بھائیو اور بہنو! اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھیے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ ہی حفاظت عطا کرے گا، اللہ ہی مغفرت عطا کرے گا، اللہ ہی برکت عطا کرے گا اور اللہ ہی ہدایت عطا کرے گا اور اللہ ہی نصرت عطا کرے گا اور اللہ ہی دفاع کرے گا۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ "والله ولي المؤمنين"۔

کشمیر میں جہاد کا عَلم بلند کرنے والے میرے عزیز مجاہدین بھائیو!

ہم سب ایک مقدس تحریک کے وارث ہیں اور آنے والے غزوۂ ہند کے انصار ہیں ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس محاذ پر کھڑا کر کے ہم پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اس پہ کٹ جانا، اس سے بڑا کوئی عمل نہیں ہے۔ پچھلے تیس سال سے مجاہدین نے جو کشمیر میں قربانیاں دی ہیں، ہم اُن شہدا اور قربانیوں کے وارث ہیں۔ عبد اللہ بانگرو اور ناصر الاسلام سے لے کر افضل گورو، برہان وانی، عبد القیوم نجار، نور الدین و منظور ان سب کا قرض ہمارے اوپر ہے۔ انہوں نے اپنا خون کشمیر میں نفاذِ شریعت کے لیے بہایا ہے۔

میرے محترم اور عزیز مجاہد بھائیو!

میں آپ کے پیروں پہ لگی خاک کے برابر بھی نہیں ہوں۔ بس اسلام کا ایک معمولی داعی اور سپاہی ہوں، آپ ہر لمحہ میری دعاؤں میں رہتے ہیں، آپ ہمارے ایمانی اور جہادی بھائی ہیں، یہ رشتہ خون کے رشتے سے بھی بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو پہچاننے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میرے معزز و مکرم بھائیو! ہمارا جہاد اور اس کے لیے بہنے والا ہمارا خون اللہ کی نظر میں بہت عظیم اور پاک ہے۔ کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ ایک عظیم ترین عمل ہے اور کشمیر میں جاری جہاد، جہاں پچھلی تین دہائیوں سے جاری ہے، وہیں اس کے دیگر ثمرات ضائع ہو رہے ہیں۔ کیوں؟ پاکستانی ایجنسیوں کی مداخلت اور اثر کی وجہ سے۔ آپ مجاہدین تو اللہ کے سپاہی ہیں نہ کہ کسی طاغوت حکومت کے یا ایجنسی کے، آپ تو اپنا گھر بار چھوڑ کر کشمیر میں نفاذ شریعت کے قیام کے لیے نکلے ہیں۔ آپ وہی ہیں جنہوں نے مٹھی بھر تعداد کے باوجود ہندوستانی فوج کو للکارا ہے۔ آپ نے سورۂ انفال اور سورۂ توبہ پڑھ کر جہاد کے میدانوں کا رُخ کیا، نہ کہ پاکستانی فوج کے کہنے پر یا ان کے بھروسے پر۔ ان سب باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا یہ مناسب نہیں کہ آپ عزیز بھائی بھی خالص اللہ کے سہارے جہاد کو آگے بڑھائیں؟ نصرت اور فتح تو اللہ کے ہاتھ میں ہے نہ کہ کسی ایجنسی، کسی ملک یا کسی فرد کے ہاتھ میں۔ اس چیز کی گواہی تو آپ خود دے رہے ہیں جبکہ آپ میں سے کئی کے ہاتھوں میں بھارتی فوجیوں سے چھینی ہوئی بندوقیں ہیں۔ پس اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیجیے اور اُن کے سہارے ہی آگے بڑھیے۔ ہم آپ کے بھائی آپ کی مدد کے لیے اپنے خون کے آخری قطرے تک بھی بہائیں گے، ان شاء اللہ۔

پاکستان، افغانستان اور دیگر مسلمان خطوں کے میرے مہاجر مجاہدین بھائیو!

سرزمین کشمیر کی آبیاری کی تحریک اور اس کا مستقبل آپ کے بغیر ادھورا ہے۔ آپ نے تو بچپن سے ہی 'گر شہادت کی تمنا ہے تو چل کشمیر چل' کے نعرے لگا کر اونچے اونچے کہساروں

کو پار کر کے سفید برف پر لال سنگِ میل رکھا ہے۔ شہید سجاد افغانی ہوں یا شہید اکبر بھائی یا پھر شیخ احسن عزیز یا الیاس کشمیری یا شہید غازی بابا، شہید عبد اللہ اونی ہو یا شہید ابو دجانہ اِن سب نے کشمیر کا رُخ کسی سٹیٹ کے کہنے پر نہیں کیا تھا، نہ ہی کسی کے کہنے پر جہاد کو چھوڑ دیا، یہ تو قربانیوں کی عظیم مثالیں رقم کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ اِن سب مہاجر مجاہدین کی شہادت قبول کرے اور ان کے درجات بلند کرے۔

وادی اور آزاد کشمیر میں میرے عزیز مجاہدین بھائیو!

پاکستان کے اوپر غالب امریکی غلام فوج اور حکومت کا قبضہ ہے۔ یہ لوگ کئی سالوں سے اسلام اور مجاہدین کے خلاف برسرِپیکار ہیں۔ اِن کے اندر نفاق اس قدر بھرا ہوا ہے کہ یہ مجاہدین اور جہاد کو استعمال کرنے سے بھی نہیں گھبراتے۔ جب ہندوستان کے ساتھ اِن کے تعلق اچھے ہوتے ہیں تو یہ آپ کو قید کر دیتے ہیں، اور جب ہندوستان کے ساتھ حالات بگڑ جائیں تو یہ آپ کو رہا کروا کر بارڈر کا رُخ کروا دیتے ہیں۔ یہ جہاد اِن ذلیل اور اللہ کے دشمن لوگوں کا غلام ہو سکتا ہے؟ واللہ نہیں! واللہ آپ ہماری آنکھوں کے تارے ہیں، اور کشمیر کا ہر مسلمان آپ کی مدد اور حفاظت کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہے۔ مہاجر مجاہدین کے جسدِ خاکی کو کس گاؤں میں دفن کیا جائے اس پر لوگ لڑتے ہیں، یہ محبت فی سبیل اللہ ہے۔

میرے محترم اور عزیز بھائیو!

آپ کی حفاظت اور مدد کشمیر کا ہر مسلمان اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہے۔ آپ کی مدد اور نصرت کے لیے کشمیر کے ہر مسلمان کا دل تڑپتا ہے۔ بس اللہ کی رسی کو تھام کر اللہ ہی سے نصرت کی توقع رکھیے اور طاغوتی ایجنسیوں کے اثر و رسوخ سے خود کو اور اپنے جہاد کو آزاد کروائیں۔ یہ مت سوچئے کہ ہتھیار کہاں سے آئیں گے۔ آسمانی مدد بھی کبھی ابابیلوں کی شکل میں آتی ہے اور کبھی ایسے ذریعے سے جس کا ہمیں کوئی تصور ہی نہیں ہوتا۔

پاکستان میں رہنے والے مخلص اور اسلام پسند بھائیو، بہنو اور بزرگو!

واللہ آپ ہمارے دلوں کی دھڑکن ہیں۔ آپ نے تو اپنے بیٹوں کو بنا کسی کی پروا کیے کشمیر میں جہاد کے لیے روانہ کیا اور اِن کی شہادت پر اللہ کا شکر ادا کیا، بہنوں نے تو اپنے زیور اتار کر جہادِ کشمیر کے نام کر دیے۔

میرے عزیزو! آپ کے جان و مال دونوں جہادِ کشمیر میں استعمال ہوئے ہیں، آپ نے تب بھی جہادِ کشمیر کی مدد کرنا نہیں چھوڑا جب پاکستان کی ظالم اور امریکہ کی غلام فوج اور حکومت نے آپ پر مظالم کے پہاڑ توڑے اور ابھی بھی توڑ رہے ہیں۔ آپ نے تو "آپ کا مال اُن کے لیے...... جن کا لہو اسلام کے لیے" اس نعرے کو سن کر ہی اپنا مال جہادِ کشمیر کے لیے صرف کر دیا، یقیناً یہ اسلامی اخوت کی عظیم مثالوں میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو سلامت رکھیں، اور ظلم و جبر سے نجات دلا کر شریعت کے سائے تلے آپ کی حفاظت فرمائیں۔

پاکستان میں جہاد کرنے والے مخلص مجاہدین آپ کے خیر خواہ ہیں، انہوں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے آپ کے لیے شریعت کے نفاذ کی راہ کی نشاندہی کی ہے اور آپ نے بھی انہیں مایوس نہیں کیا ہے۔ اِن بھائیوں نے امریکہ اور اس کی حواری پاکستانی حکومت اور فوج دونوں کے خلاف جہاد کا عَلم بلند کر کے شجاعت اور قربانی کی ایک عظیم تاریخ رقم کی ہے، اللہ آپ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھیں، آمین یارب العالمین۔

میرے مجاہدین بھائیو!

ہماری دعوت کسی تنظیم، نظم، ریاست یا جماعت کی نہیں ہے، ہماری دعوت بس صرف ایک منہج، ایک نظریہ اور خالص توحید کی ہے۔ یہ دعوت و منہج ہر ایک عصبیت اور جماعت سے بالاتر ہے۔ اسلام نہ کبھی کسی فرد اور نہ ہی کسی تنظیم یا ریاست کے تابع ہے۔ اسلام اور جہاد ذاکر موسیٰ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ذاکر موسیٰ کا وجود صرف اور صرف اسلام اور جہاد کی وجہ سے ہے۔ ہمیں تحریکِ جہاد کو افراد اور تنظیموں سے بالاتر رکھنا ہو گا، شخصیت پرستی اور نظم پرستی سے اونچا اُٹھنا ہو گا۔ میرے بھائیو! اس جہاد میں یہ ضروری ہے کہ ہم دشمن کو اچھی طرح سمجھیں، اس کی کمزوریوں اور اس کی طاقت کو سمجھیں، جہاں وہ طاقت میں ہے وہاں اس کی طاقت کو توڑا جائے اور جہاں وہ کمزور ہے وہاں اس پہ ضرب لگائی جائے۔ اس جہاد کا پہلا دشمن ہندوستان کی فوج ہے، یہ ضروری ہے کہ اس کے کاروانوں پہ حملے کیے جائے اور ان کے لیے راستوں پہ چلنا مشکل بنایا جائے۔ اس عمل میں مجاہدین کا ساتھ ہر کوئی نوجوان دے سکتا ہے اور پتھر اور پٹرول بم کے ذریعے اس عمل میں شرکت کر سکتا ہے۔

پاکستان کے اوپر غالب امریکی غلام فوج اور حکومت کا قبضہ ہے۔ یہ لوگ کئی سالوں سے اسلام اور مجاہدین کے خلاف برسرِپیکار ہیں۔ اِن کے اندر نفاق اس قدر بھرا ہوا ہے کہ یہ مجاہدین اور جہاد کو استعمال کرنے سے بھی نہیں گھبراتے۔ جب ہندوستان کے ساتھ اِن کے تعلق اچھے ہوتے ہیں تو یہ آپ کو قید کر دیتے ہیں، اور جب ہندوستان کے ساتھ حالات بگڑ جائے تو یہ آپ کو رہا کروا کر بارڈر کا رُخ کروا دیتے ہیں۔

میرے مجاہدین بھائیو! اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہم حق کی دعوت دیں اور اللہ سے دعا کرتے رہیں کہ وہ ہمیں سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو پہچاننے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے اور حق اور باطل میں فرق کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخردعوانا ان الحمد لله رب العالمين

کہیں یہ شروعات تو نہیں؟

محمد راشد دہلوی

کہیں یہ شروعات تو نہیں؟؟؟

سنگھ پریوار کا مشن: ۴۰۰ سے زیادہ مسجدوں کو شہید کرنا......

تاج محل کو جلد ہی تیج مندر بنائیں گے!(وِنے کٹیار، بی جے پی)

دہلی کی جامع مسجد کو شیو مندر بنانے کا خواب......

۵۲۸ سالوں سے بابری مسجد موجود تھی......

۱۹۴۹ء تک وہاں نماز پڑھی جا رہی تھی......

۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کو شہید کرنا مجرمانہ عمل تھا......

۱۰۰ سے زیادہ مجرمانہ کیس بڑے سیاست دانوں کے خلاف درج ہیں......

"اور اس کے کوئی ثبوت نہیں ہیں کہ بابری مسجد، رام مندر کو گرا کر بنائی گئی ہے......"(۹، نومبر ۲۰۱۹ کو ہندوستان کے سپریم کورٹ دوارہ (کے ذریعے) دیا گیا فیصلہ)

ہندوستان کے سیکولر کہے جانے والے سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ ثبوتوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ ہندوؤں کی آستھا کی بنا پر، آرٹیکل ۱۴۲ کا استعمال کر کے دیا ہے......

سیکولر ملک ہندوستان میں ایک ڈیوٹی پر تعینات سینئر پولیس افسر مائیگریشن بل کے خلاف احتجاج کرنے والے مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہا ہے کہ وہ پاکستان چلے جائیں۔

انصاف کی دیوی یا متعصب کورٹ

ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا سیکولر، جمہوری ملک تصور کیا جاتا ہے۔ جہاں اقلیتوں کے حقوق، ان کو آزادی اور ان کی برابر کی حصے داری کی بات بار بار دہرائی جاتی ہے۔ بد قسمتی سے مسلمان بھی اس جھانسے میں پھنستے نظر آتے ہیں اور ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد ان کی زبانوں پر ایک ہی جملہ ہوتا ہے کہ ہمیں اپنے ملک کے سپریم کورٹ پر پورا بھروسا ہے اور ہمیں انصاف ضرور ملے گا۔ لیکن جس طرح ہندوستان میں انصاف کی دھجیاں اڑائی گئیں ہیں، یہ مسلمانوں کے لیے ایک سبق ہے۔

ذرا غور کیجیے

آر ایس ایس کا چیف رام مادھو بیان دیتا ہے کہ اگر ہندو بھڑک کر کسی مسجد کو شہید کر دیں تو وہ ہندوؤں کو روک نہیں سکتے۔

مادھو صاحب کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہندو بھیڑ اکٹھی ہو جائے اور کسی بھی مسجد پر چڑھ دوڑے اور مسجد کو شہید کر کے کہے کہ یہاں تو ہمارا مندر تھا۔ تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں!!

پولیس انتظامیہ کی مدد سے ہندو دہشت گرد مسجد کو شہید کر کے وہاں مندر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر معاملہ کورٹ میں جاتا ہے اور ملک بھر کے مسلمانوں کو انصاف کی امید دلائی جاتی ہے اور انہیں عدلیہ پر یقین دہانی بھی کرائی جاتی ہے لیکن یہ کیا ہوا؟ کہ فیصلہ تو ملک کی سب سے بڑی عدالت نے ثبوتوں کے بغیر ہی ہندوؤں کے حق میں سنا دیا۔ اس اتیاچار (ظلم) کے باوجود بھی ہمارے منہ سے عدلیہ کے لیے احترام کے الفاظ نکلتے ہیں کہ ہم سپریم کورٹ کا احترام کرتے ہیں۔ افسوس......

کرناٹک ہندوستان کے جنوب میں واقع ایک صوبہ ہے۔ جہاں پر بی جے پی سے تعلق رکھنے والا روی جو پارلیمنٹ کا ممبر بھی ہے، ایک کانگریسی مسلمان کو یہ کہہ کر دھمکی دیتا ہے کہ اگر انھوں نے مائیگریشن بل کی مخالفت کی تو گودھرا کے بعد جو مسلمانوں کے ساتھ ہوا ہے وہ پھر سے دہرایا جائے گا......بعد میں روی میڈیا پر اس بیان کی تصدیق بھی کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ وہ اس بیان کو ایک ہزار دفعہ بھی کہنے کو تیار ہے......

بی جے پی کا ایک اور ممبر جس کا نام سِنہا ہے اپنے ایک بیان میں یہ کہتا ہے کہ اگر بھارتیہ فوج کشمیر میں ہماری مسلم بہنوں کا ریپ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ جس طرح ہندو پنڈتوں کو کشمیر سے نکالا گیا ہے یہ اس کا بدلہ ہے!

ایسی زبانوں کو، جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کھلتی ہیں اور ایسے مشن پر، جو ہماری مسجدوں اور مدرسوں کو شہید کرنا چاہتے ہیں، کون بند باندھے گا؟ کس طریقے سے ان کی زبانیں کھینچی جائیں گی؟

کڑوی سچائی

بابری مسجد کا فیصلہ دل کو دہلا دینے والا فیصلہ تھا لیکن پورے ملک میں مانو ہمارا جنازہ نکل گیا ہو۔ شاید کسی نے بھی اپنے رب کے گھر کی خاطر ایک پتھر بھی کافروں کی طرف نہ پھینکا ہو گا۔

جبکہ ہماری زبانوں پر، دلوں کو چھلنی کرنے والے جملے رواں تھے۔

کہ چلو اچھا ہوا فیصلہ آ گیا اب کوئی مسجد، مندر کے نام پر سیاست نہیں کرے گا۔ کسی نے کہا وہاں رام رحیم کا ہسپتال بنانا چاہیے تھا۔

کوئی کہتا ہے ہم فیصلے سے خوش ہیں اور مندر وہیں بنے، ہم دوسری جگہ مسجد بنائیں گے۔

جب کہ شریعت اس کی اجازت ہی نہیں دیتی کہ مسجد کو منتقل کیا جائے اور پھر یہ تو ہماری غیرت، جرأت، عزت اور مردانگی کی بات تھی کہ ہماری مسجد کو شہید کر دیا گیا اور اس کے بعد

ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا گیا اور اب وہاں مندر بنانے کا حکم جاری کیا گیا ہے جبکہ ہم خاموش ہونے کے ساتھ ساتھ، اس فیصلے کا سواگت بھی کر رہے ہیں۔

ایک ماہ بعد ہی مائیگریشن بل پارلیمنٹ میں پاس ہوتا ہے۔ ملک بھر میں احتجاجوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ دہلی جامعہ، جامع مسجد، سلیم پور، یوپی، کانپور، بجنور، اور پورے ملک میں احتجاج شروع ہو جاتے ہیں جس میں تقریباً بیس لوگوں کے مارے جانے اور ۷۰۰ کے قریب گرفتاریوں کی خبر آتی ہے۔ اور یوپی کا وزیر اعلیٰ یہ بیان دیتا ہے کہ ہم سرکاری جائیدادوں کا ہونے والا نقصان بھی انہی گرفتار لوگوں سے پورا کریں گے۔ پورے ملک میں افراتفری پھیل جاتی ہے۔ ملک کے وزیرِ اعظم کو دہلی رام لیلا میدان میں ریلی کر کے مسلمانوں کا بھروسا جیتنے کی نوبت آن پڑتی ہے اور ایک بار پھر سے ہندو مسلمانوں کو ڈسنے کی فراق میں ہے۔ مودی کہتا ہے کہ ہندوستان میں کوئی بھی detention کیمپ نہیں ہے جبکہ چند روز پہلے ہی میڈیا پر کرناٹک میں detention کیمپ کے ہونے کی خبر آئی ہے۔ اور کیمپ بنانے میں حکومتوں کو کتنا وقت لگتا ہے؟

جب سے ہم نے......

جب سے ہم نے ہندوستان کو دارالکفر کی جگہ دارالامن مان لیا ہے، یہاں کے سِودھان (آئین) کا احترام، عدلیہ پر اندھا یقین، سیاسی جماعتوں کو اپنی تقدیر کا مالک اور پولیس و فوج کو اپنا محافظ مان لیا ہے اس وقت سے ہمارے مقدر میں گمراہی اور ذلت ہی لکھی ہے۔ ہم یہ ثابت کرتے کرتے مر رہے ہیں کہ ہم دارالکفر ہندوستان کے باعزت شہری ہیں اور یہاں کی مٹی میں ہمارا خون موجود ہے۔ جبکہ جہاد ہم پر نماز و روزے کی طرح فرضِ عین ہو چکا ہے اور اب کسی بھی تاویل کی گنجائش ہی نہیں۔

اللہ کے دین کی مدد کرو اللہ تمہاری مدد کرے گا

قرآن کے اس پیغام کو ہم نے پیٹھ پیچھے ڈال دیا ہے اور کافروں کے پیچھے چلنے کا بدترین فیصلہ ہم نے کر کے اپنی دنیا و آخرت کو خود اپنے ہاتھوں تباہ کر دیا ہے۔

سوچنے کی بات

جب ہمارے ہاتھ اپنے رب کے گھر کو بچانے اور اس کے دین کو نافذ کرنے کے لیے نہیں اٹھے، جب ہم نے ہندوستان میں کمزوروں اور لاچاروں کو درندوں بھیڑیوں کے سامنے مرنے کے لیے چھوڑ دیا ہو، جب ہم نے دین و رسول ﷺ کی گستاخی کرنے والوں اور دین کا مذاق اڑانے والوں کے سامنے سر خم کر لیا ہو تو بھلا اللہ تعالی کی مدد پھر کیسے آئے گی؟؟؟

اس کی بہترین مثال افغانستان میں دیکھی جا سکتی ہے جہاں شریعت کی خاطر اور ایک عرب شیخ اسامہؒ کی خاطر طالبان اپنی جانوں کا ہی نہیں، بلکہ اپنے مال، گھروں اور اپنے خاندانوں تک کا سودا کر کے اپنے رب کے محبوب بن گئے۔ آپ اس بات کا اندازہ ان حالات سے لگا سکتے ہیں کہ آج سپر پاور امریکہ اور اس کے اتحادی، طالبان سے مذاکرات کرنے کے لیے گھٹنوں کے بل آنے کو تیار ہیں اور اب بھیگی بلی کی طرح دم دبا کر بھاگنے کا راستہ ڈھونڈ رہے ہیں......

یہ اپنے رب کی نصرت و رضا حاصل کرنے کا طریقہ، جو ہمیں اپنے نبی ﷺ کے راستے پر چل کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ جس سے ہماری دنیا و آخرت کی کامیابی وابستہ ہے۔ نہیں تو...... قسم رب العزت کی مسلمانوں کی فلاح کا راستہ ہندوستان میں تو کیا، دنیا کے کسی بھی خطے میں جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ ہے ہی نہیں......

بَنیے کی چالاکی

ہندوستان میں بسنے والوں کے دلوں میں یہ وسوسے گردش کر رہے تھے کہ آخر اس ملک میں بی جے پی کی حکومت آنے کے بعد ملک میں کیا کیا تبدیلیاں کی جائیں گی؟ کیونکہ ہند کے مسلمان بی جے پی اور شدت پسند ہندو تنظیموں سے خوف کھاتے ہیں اور ان سے ڈرے ڈرے سہمے سے رہتے ہیں۔ چند سالوں بعد ہی این آر سی بل پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا، جس کے مطابق آسام میں جن لوگوں کے نام (این آر سی میں) آئیں گے ان کو ہندوستان کی شہریت ثابت کرنی ہوگی۔ ملک کے سبھی طبقوں کو یہ لگنے لگا تھا کہ اس بل سے مسلمان سب سے زیادہ متاثر ہوں گے۔ لیکن جب (این آر سی کا) نتیجہ آیا تو آنکڑے سوچ سے بالکل الگ تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ گدھا گھاس سے دوستی کر لے، بھیڑیا درندگی چھوڑ دے، کتا بھونکنا چھوڑ دے۔

۱۹ لاکھ لوگوں کا نام (این آر سی میں) آ گیا۔ جس میں سے ۱۲ لاکھ ہندوؤں اور ۷ لاکھ مسلمانوں کا نام درج تھا۔

کیا آر ایس ایس، بی جے پی اور ہندو دہشت گردوں کا مشن مسلمانوں سے ہٹ گیا ہے؟ جبکہ ان تنظیموں کو قائم ہی مسلمانوں اور اسلام کو ختم کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔

کیا گائے کی پوجا کرنے والوں نے گائے کا ذبیحہ کرنے والوں سے دوستی کر لی ہے؟

نہیں، بالکل نہیں!!!

چند ہی ماہ میں یہ حقیقت سب کے سامنے آ گئی کہ بنیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے زہر اگلنے میں ذرا سی بھی دیر نہیں کرتا۔

مائیگریشن بل میں یہ بات واضح ہو گئی کہ ۱۲ لاکھ ہندوؤں کو بہت ہی آسان دستاویز کے ساتھ ملک کی شہریت دے دی جائے گی۔

جب کہ ۷ لاکھ مسلمانوں کے خلاف سنگھ پریوار کی پالیسی پوری پوری طرح عمل میں لائی جائے گی۔

ہندوستان کی سیاست مسلمانوں کے خلاف اور ہندوؤں کے حق میں عروج پر ہے۔ ملک کی فلاح کے لیے سامنے سے اور پیچھے سے، سخت بیانات سے اور جھوٹی ہمدردیوں کے ساتھ مسلمانوں کو ذلت کے گڑھے میں پھینکنے کی تیاری ہے۔ (باقی صفحہ نمبر 106 پر)

کفر دم توڑ دے ٹوٹی ہوئی شمشیر کے ساتھ
تم نکل آؤ اگر نعرۂ تکبیر کے ساتھ!

خیر الدین بھٹکل

......ہندوستان میں جاری مظاہروں پر تفصیلی مضمون......

بھائی 'خیر الدین بھٹکل' کا یہ مضمون ادارہ 'نوائے افغان جہاد' کو بذریعہ ای میل موصول ہوا ہے۔ (ادارہ)

سرزمینِ اسلام ہند میں مشرک حکومت کی جانب سے مسلمانوں کو بدیشی اور گھس بیٹھیے ثابت کرنے اور انہیں ان کے آبائی و پیدائشی وطن سے بے دخل کرنے یا حراستی کیمپوں میں قید کرنے کی سازش کے طور پر قوانین کا اجرا کیا گیا ہے جس کے خلاف الحمدللہ اسلامیانِ ہند اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ دیگر مذاہب کے انصاف پسند یا جبر مخالف عوام بھی یہاں مسلمانوں کے ساتھ کھڑے ہیں۔ اللہ ان کو بھی اسلام کی نعمت سے مالا مال کرے اور ان سب کو ظلم کے خلاف استقامت عطا فرمائے۔ مگر اہم ترین نقطہ یہ ہے کہ مظاہروں کی اس تحریک کے سپاہی اور مرکز و محور محض مسلمان نوجوان ہی ہیں جو شہادتیں پیش کر رہے ہیں۔ یہ کوئی سیکولر تحریک نہیں ہے جیسا کہ اس کو مختلف 'ہائی جیکر' یا مودی مخالف میڈیا ثابت کرنا چاہ رہا ہے۔ آیئے ہند میں جاری ان مظاہروں کا جائزہ لیں۔

آپ کرونولوجی Chronology سمجھیے!

یہ الفاظ ہند کے سرفہرست اسلام دشمن امت شاکے ہیں جو وہ ایک پریس کانفرنس میں استعمال کر کے ان جدید مسلمان دشمن قوانین پر بات کر رہا ہے۔

اس کے الفاظ ہیں "اب آپ کرونولوجی سمجھیے کہ پہلے CAB آ رہا ہے جس سے سب شرنارتھیوں کو سٹیزن شپ دی جائے گی اور اس کے بعد NRC آئے گی جس کے ذریعے سب گھس بیٹھیوں کو نکال باہر کیا جائے گا"۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ قوانین ہیں کیا اور یہ مسلمانوں کی زندگیوں میں کس طرح قیامت برپا کر دیں گے؟ ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

قوانین کے اس مجموعے کا محور این آر سی ہے جس کو استعمال میں لاتے ہوئے یہ مشرک حکومت بھارتی مسلمانوں کو ناگرِکتا (شہریت) سے محروم کرے گی اور کوئی ملک جب انہیں قبول نہیں کرے گا تو ان کا مقدر چین طرز پر بنائی گئی جیلیں بنام حراستی مرکز (Detention Centre) ہوں گی جہاں وہ اپنی طبعی موت تک روز ہی اذیت کی موت مرا کریں گے۔

این آر سی مخفف ہے National Register of Citizens کا۔

اس کا ابتدائی تجربہ آسام میں کر لیا گیا ہے جہاں کے 19 لاکھ لوگ اب تک اس شہریت رجسٹر سے باہر ہیں اور "مشکوک شہری" کی کیٹیگری میں شامل ہیں۔ دیگر عوام اپنی شہریت ثابت کرنے کے لیے کن اذیتوں سے گزرے ان کا تذکرہ بھی ہم کچھ سطور کے بعد کریں گے۔ ابھی این آر سی کا ملک میں نفاذ نہیں ہوا بلکہ اس کا ابتدائی مرحلہ CAB/CAA کا بل پاس کیا گیا ہے۔ آسام میں شہریت ثابت کرنے کے لیے جو کاغذات طلب کیے گئے تھے ان کی فہرست ذیل میں موجود ہے۔ اس میں ان دستاویزات کو شامل کیا گیا ہے کہ جس میں کسی شخص یا اس کے باپ دادا کا نام 24 مارچ 1971ء کی نصف رات سے پہلے دکھایا گیا ہو۔

- 1951 کا این آر سی
- 24 مارچ 1971 سے پہلے کی ووٹر لسٹ
- زمین جائیداد کا ریکارڈ
- شہریت کا سرٹیفکیٹ
- مستقل رہائشی سرٹیفکیٹ
- رفیوجی رجسٹریشن سرٹیفکیٹ
- پاسپورٹ / ایل آئی سی
- سرکاری لائسنس / سند
- حکومت کا ملازم ہونے کا سرٹیفکیٹ
- بینک / پوسٹ آفس اکاؤنٹ کی دستاویز
- تعلیمی بورڈ / یونیورسٹی سرٹیفکیٹ
- پیدائش کا سرٹیفکیٹ
- کورٹ (عدالت) کا ریکارڈ

درج بالا فہرست کے مطابق اگر کسی شخص کے دادا دادی، نانا نانی یا والدین کا 24 مارچ 1971ء سے قبل کا ریکارڈ موجود ہے تو آپ مزید درج ذیل فہرست کے کاغذات مہیا کیجیے اپنے ان آبا سے اپنا رشتہ ثابت کرنے کے لیے۔ اگر کر پائیں تو پھر آپ ہندوستان کے مصدقہ شہری ہیں وگرنہ پہلے مشکوک شہری کی کیٹگری میں شامل ہوں گے اور پھر حراستی مرکز روانہ کیے جائیں گے۔ ان کاغذات کی فہرست یہ ہے:

- پیدائش کا سرٹیفکیٹ
- زمین مکان کا ریکارڈ

- تعلیمی بورڈ/یونیورسٹی سرٹیفکیٹ
- بینک/ایل آئی سی/پوسٹ آفس ریکارڈ
- شادی شدہ خاتون کے لیے سرکل آفیسر کا سرٹیفکیٹ
- ووٹر لسٹ
- راشن کارڈ
- یا اپنے مذکورہ بالا آبا سے آپ کا رشتہ ثابت کرتا کوئی اور مصدقہ سرکاری حکم نامہ

آپ چاہے ہزار بار ہندوستانی شہری ہوں اور آپ کے پاس پاسپورٹ، آدھار کارڈ، سرکاری نوکری، بینک اکاؤنٹ یا جو کچھ مرضی ہو آپ کو اپنے دادا دادی، نانا نانی یا والدین کے کاغذات پیش کرنے ہی ہوں گے ورنہ آپ غیر ملکی گھس بیٹھیے ہی کہلائیں گے۔ بالفرض اگر آپ نے یہ تمام کاغذ اکٹھے کر ہی لیے ہیں تو مصیبت ٹل نہیں گئی۔

آپ کے دادا یا والد کا 1951ء یا 1971ء والا ریکارڈ اور آپ نے اپنا 1986ء/87ء والا اور اپنے بچوں کا 2001ء/2ء والا ریکارڈ پیش کرنا ہے تو اس میں جو سپیلنگ/spelling (انگریزی املا) کا فرق آئے گا وہ سرکار کے نزدیک آپ کو مشکوک شہری بنا دے گا اور فائنل این آر سی کے بعد آپ کا مسکن حراستی مرکز ہو گا۔ مثلاً آپ کے دادا مرحوم کا نام یوسف علی تھا، 1951ء یا 1971ء سے قبل کے کاغذات میں لکھا ہے

Yousuf Elli S/O XYZ

جبکہ آج آپ ان کے پوتے یا بیٹے ہیں اور آپ کے تمام کاغذات میں ان کے نام کے سپیلنگ کچھ یوں ہیں جیسے

Mhd Abdullah S/O Yousuf Ali

تو سرکار آپ کو مشکوک شہری قرار دے کر حراستی مرکز کو روانہ کرے گی۔

یہ مسئلہ کوئی خیالی یا ورچوئل نہیں بلکہ حقیقی ہے اور ہمارے دیش میں بہت بڑا ابھی، دیش کے پی ایف اکاونٹ میں دس ہزار ماہانہ سے کم کمانے والوں کے تقریباً چالیس ہزار کروڑ روپے جمع ہیں لیکن وہ غریب صرف اسی سپیلنگ مس ٹیک کی وجہ سے اپنا روپیہ بینک سے کلیم (claim) نہیں کروا سکتے۔

تو طے یہ ہوا کہ مصیبت بہر طور آپ پر ٹوٹنے ہی والی ہے ایک اور مثال سمجھیے آپ نے اپنے خاندانی آثار قدیمہ سے تمام کاغذات بھی جمع کروا دیے، سپیلنگ مس ٹیک سے کسی طرح بچ گئے مگر یہ قانون ملک کے ہر شہری کو یہ ادھیکار دیتا ہے کہ فائنل لسٹ کے وقت یا اس سے فوراً پہلے یہ آپ کے کاغذات کو جھوٹا کہہ کر آپ کو دوبارہ سے تمام ویری فکیشن سے گزرنے کا کہے۔ یہ سب تجربہ چونکہ آسام میں ہو چکا اس لیے ہمارے علم میں ہے یعنی اب کوئی سنگھی کریکر تا آپ کو جب چاہے سرکاری این آر سی کے ذریعے ذلیل کروا دے۔ آسام میں یہی ہوا کہ 30 دسمبر تک محض ایک ہزار اعتراض تھے جبکہ آخری دن 1 لاکھ 87 ہزار اعتراضات جمع کروائے گئے یہ سرکاری اعداد و شمار ہیں جبکہ مسلمانوں کی مقامی تنظیموں کا دعویٰ ہے کہ یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو نیشن وائڈ ہو گا، تمام دیش واسیوں کو اس سے دقت ہو گی تو وہی کہ آپ کرونولوجی سمجھیے، مان لیجیے آپ مسلمان نہیں ہیں اور اپنے کاغذات ثابت نہیں کر پائے تو آپ گھس بیٹھیے نہیں بلکہ غیر ملکی شرنارتھی قرار پاتے ہیں اور CAA/ CAB[1] آپ کو دیش کی ناگرکتا/شہریت مہیا کرتا ہے۔ اس قانون کے مطابق مشرک حکومت، پاکستان، افغانستان اور بنگلہ دیش سے آئے سبھی دھرم کے لوگوں کو سوائے مسلم کے شہریت دے گی۔ ابھی آسام میں 19 لاکھ لوگ این آر سی کی فائنل لسٹ سے باہر ہیں جس میں تقریباً 14 لاکھ غیر مسلم ہیں تو بے جی پی کے لیڈروں نے ان سب کو شہریت دلوانے کا وعدہ کیا ہے اسی قانون کے ذریعے۔ ہاں باقی 5 لاکھ مسلمان مشکوک شہری رہیں گے جن کا مقدر نجانے کیا ہو گا۔ ان کو حراستی مراکز میں بھیجا جائے گا یا بنگلہ دیش؟

NPR کا نیا جال

National Population Register ویسے بالعموم تو یہ ایک بے ضرر سے مردم شماری سے میل کھاتا سروے نما ہے جس میں ملک کے ہر شہری کا ڈیٹا اکٹھا کیا جاتا ہے۔ مگر بی جے پی کی موجودہ اسلام دشمن حکومت اسے بھی اہلِ اسلام کے خلاف این آر سی کے ابتدائی اقدام کے طور پر استعمال کرنے جا رہی ہے۔ جبکہ سی اے اے پر سخت احتجاج جاری ہیں اور اہل اسلام این آر سی کا خطرہ پیشگی ہی بھانپ چکے ہیں تو حکومت نے این پی آر سے عوام کی بے علمی کا فائدہ اٹھا کر اس پر فوری کام شروع کر دیا ہے۔ اکثر و بیشتر عوام و قیادت سوائے چند ایک کے اس سے ناواقف ہیں اور اسے بے ضرر سمجھ رہے ہیں۔ جبکہ منسٹری آف ہوم افیئرز کی حتمی رپورٹ 2018/19 کے باب نمبر 15 کے پوائنٹ 4 پر لکھا گیا ہے کہ این پی آر–این آر سی کی جانب اٹھایا جانے والا پہلا قدم ہے۔ پہلے کے برعکس اس میں دو ایسے سوالات شامل کیے گئے ہیں جن کو اس فارم پر فِل کرنے سے آپ نا چاہتے ہوئے بھی این آر سی کی دلدل میں پھنس جائیں گے۔ اس میں یہ پوچھا جائے گا کہ آپ کے والدین کہاں پیدا ہوئے اور ان کی ڈیٹ آف برتھ کیا ہے۔ یہ فِل کرنے بعد آپ کے دروازے پر آیا نمائندہ تو خاموشی سے چلا جائے گا مگر این پی آر کا پراسس مکمل ہونے کے بعد مقامی انتظامیہ کا لوکل رجسٹر بنے گا جس میں ادنیٰ سا سرکاری فرد اس سب کی ویری فکیشن پر متعین ہو گا اور یہاں آپ کو کاغذ دکھانا پڑیں گے اور لیجیے اوپر بتائے

[1] Citizenship Amendment Act یا Citizenship Amendment Bill

گئے مصائب میں خود ہی پھنس گئے۔ معمولی سی کمی بیشی سے آپ doubted citizen یعنی مشکوک شہری قرار پاجائیں گے۔

آسام میں شہریت بل NRC کیا کیا مصائب لایا؟

یہ آسام کے نوجوان وکیل امان عبدالودود ہیں۔ اللہ ان کو جزائے خیر دیں انہوں نے بے شمار مسلمان خاندانوں کی آسام این آر سی میں مدد کی ہے۔ جان پر کھیل کر طویل سفر کیے ہیں اور اہل اسلام کی قانونی مسائل اور پیچیدگیاں حل کی ہیں۔ یہ حیدرآباد میں کثیر مسلمان اکٹھ سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"پچھلے 5 سال میں آسام میں این آر سی کا پراسس چل رہا تھا جس کو ہم سب نے سپورٹ کیا، اس وجہ سے کہ تقسیم کے بعد بہت مظالم جاری تھے، بارڈر پولیس کسی کو بھی غیر قانونی دخل انداز کہہ کر گرفتار کر لیتی تھی تو ہم لوگوں نے سمجھا کہ سپریم کورٹ کی نگرانی میں یہ عمل مکمل ہو جائے، سب کی شہریت شامل ہو جائے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ ان پانچ سالوں میں لوگوں نے بہت ظلم دیکھا، کئی بار ان کا ویری فکیشن ہوا، کئی بار ہیئرنگ رسنوائی ہوئی، میں لاسٹ ایک مہینے میں ہونے والے کچھ مظالم آپ کو بتانا چاہوں گا۔ 5 اگست کو راتوں رات ہزاروں لوگوں کو نوٹس آیا کہ وہ 300 سے 500 کلومیٹر دور پہنچیں کہ ان کا ویریفکیشن ہونا ہے اور لوگ راتوں رات گاڑیاں کرائے پر لے کر اس طویل سفر پر نکل پڑے، ان غریب لوگوں نے اپنے زیور بیچ کر، بکرا عید کے لیے اکٹھے کیے پیسے لگا کر گاڑیاں کرائے پر لیں اور نکل پڑے، بہت سے نوٹیفکیشن گھر کے تمام افراد کے نام تھے، ایک واقعے سے آپ سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ رات کو بارہ بجے مجھے فون آیا کہ گوہاٹی کے پاس ایک بس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے لوگ وہاں 400 کلومیٹر دور اپنی ویریفکیشن کے لیے جا رہے تھے، میں وہاں پہنچا تو دو کلومیٹر دور تک ٹریفک بلاک تھا، میں پیدل دوڑتا ہوا اس مقام تک پہنچا، اس بلاکیج میں ہر دوسری گاڑی ان لوگوں کی تھی جو این آر سی ویریفکیشن کے لیے جا رہے تھے۔ جب میں اس مقام پر پہنچا تو واقعہ یہ تھا کہ دوسری جانب سے ایک ٹرک آرہا تھا جس میں سڑک بنانے والا تار کول تھا جو گرم بھی تھا، بس کے قریب آکر وہ ٹرک مکمل اس بس پر الٹ گیا اور اس کا تمام تار کول اس بس میں چلا گیا۔ اب مسافروں کے منہ، کان، اور تمام شریر پر وہ گرم تار کول لگا تھا، ہم ہسپتال گئے تھے تو وہاں لوگ روتے ہوئے ملے، ایک خاتون ملیں جن کے ساتھ تین سال کی بچی تھی وہ رو رہیں تھی درد سے نہیں بلکہ اس ڈر سے کہ کل میرا این آر سی ہے، نجانے کل کیا ہو گا۔ 31 اگست کو جو فائنل لسٹ این آر سی کی آئی اس میں 19 لاکھ لوگوں کا نام نہیں آیا، جبکہ لوگ کہتے تھے آسام میں 70 لاکھ یا 80 لاکھ بنگلہ دیشی ہیں۔ جبکہ نکلے صرف 19 لاکھ مگر یہ لوگ بھی بنگلہ دیشی نہیں بلکہ آپ کبھی آسام میں آئیں اور آکر دیکھیں لوگوں کے پاس ڈاکومنٹ ہیں تو دیکھیں گے والدین کا نام ہے بچوں کا نام نہیں ہے، گھر کے سب افراد کا نام ہے مگر ایک خاتون کا نام نہیں ہے۔"

عبدالودود صاحب کی بات تو طویل ہے مگر ہم اتنی گفتگو پر ہی اکتفا کریں گے۔

آسام میں اول تو عام عوام کے لیے دیے گئے فارم پڑھنا اور سمجھنا ہی مشکل تھا پھر اگلی اذیت طلب کیے گئے کاغذات کے سرکاری اداروں کے چکر، بیسیوں لوگ کام دھندے کے بجائے اس غیر ضروری کام میں شمولیت اور شہریت کھونے کے خوف سے دماغی توازن کھو بیٹھے، کئی نے خودکشیاں کر لی۔ پڑھے لکھے سکول سرٹیفکیٹ دکھا سکتے تھے لیکن ان پڑھوں کے پاس وہ نہیں تھا، اکثر بچیوں کی شادیاں 18 سال سے پہلے ہوئیں وہ اپنے کاغذات میں اپنے شوہر کا نام لیے ہوتیں، ان کے کاغذات ان کا رشتہ والدین سے ثابت نہیں کر پاتے۔

سکرول ڈاٹ ان (scroll.in) پر اس خاتون کی مکمل داستان موجود ہے جن کا بچہ ڈٹینشن سنٹر میں فوت ہو گیا اور بعد میں وہ کاغذات سے ہی ہندوستانی ثابت ہوئی، ہندوستانی فوج کے ایوارڈ یافتہ اہلکار ثناء اللہ خان کو کاغذات سے ہندوستانی شہری ثابت نہ ہونے پر ڈٹینشن سنٹر میں ڈالا گیا۔ ہندوستانی مسلمان وزیر اعلیٰ کے گھر والوں کا نام اگر این آر سی لسٹ میں نہ آئے تو بتایئے ایک عام ناگرک کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہو سکتا ہے!!

ان ظالمانہ قوانین کے خلاف مظاہرے

جیسے ہی سبھا میں یہ قانون پاس ہوئے تو ہند گویا بیدار ہو گیا جسے برسوں پہلے ہی جاگ جانا چاہیے تھا۔ ہر شہر کے آندولن میں بلا مبالغہ لاکھوں اہل ایمان نے شرکت کی۔ ہند میں داڑھی و پگڑی والوں کی گویا بہار آگئی۔ یہی لوگ اس ماٹی کے مالک تھے نجانے کب سے کہاں سہمے سے بیٹھے تھے۔ آج یہ اپنی ملکیت پر اس طرح دلیری سے ٹہلتے پھرتے ہیں۔ چونکہ متحد لشکر کی مانند نکلے ہیں "اکثریتی" آبادی کے ماب لینچرز اور فرقہ پرست دہشت گرد ان کا سامنا نہیں کر سکتے۔ جی ہاں انہوں نے مظالم بھی سہے ہر اس ریاست میں جہاں ان بھگوا دہشت گردوں کی حکومت تھی۔ 25 کے قریب مسلمان شہید ہوئے جن میں سوائے تین چوتھائی (¾) کے سب کی شہادت اس بھگوا سنگھی پولیس کی گولیوں سے ہوئی۔ کرفیو، دھارا 144 کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آر ایس ایس کے غنڈے پولیس سرپرستی میں مسلمان علاقوں میں فسادات مچاتے رہے۔ سفاک یوگی ادتیاناتھ کی حکومت نے یہاں سب سے ظالمانہ کردار ادا کیا۔ مسلمانوں کے گھر دکانیں بے جا ضبط کی جا رہی ہیں، مسلمانوں کی مارکیٹیں سیل کی جا رہی ہیں، اس نے پہلے مسلمانوں کو دھمکی دی، پھر باقاعدہ اس کی یونیفارم والی پولیس مسلم علاقوں میں بغیر کسی اشتعال کے دنگے کرتی رہی۔ مسلم ناگرکوں کو گھروں میں گھس کر مارا پیٹا گیا۔ ان کی دکانوں، مکانوں اور گاڑیوں کو جلایا اور آگ لگائی گئی۔ گھروں میں گھس کر لوٹ مچائی گئی۔ قیمتی سامان، نقدی

زیورات چرا لیے گئے۔ یہ سب سرکار، پرشاسن اور سنگھی بھگوا پولیس کے گٹھ جوڑ سے ہوا اور یہ مکار "سیکولر" سمجھدار ان ہی ان سب مسلم دشمنوں کو رکشا رحفاظت دیتا ہے۔ اس پر غیور اور دلیر مسلم نوجوانوں کو ضرور کچھ سوچنا چاہیے۔ ان تمام مظالم کے باوجود یہ مظاہرے اپنی پوری آب و تاب سے جاری ہیں۔ ہر روز بلا مبالغہ لاکھوں مسلمان سڑکوں پر آتے ہیں۔ اور اس ظالم بھگوا انظام کو چنوتی دیتے ہیں اور اس لرزتے ہوئے سنگھی مندر کو بزبان عمل کہتے ہیں۔

پانچ دن کی حکومت کا اتنا نشہ؟
ہم تو وہ ہیں جو صدیوں سے سلطان ہیں!

....

ہم مسلمان ہیں، ہم مسلمان ہیں!

اور صرف یہ ہی نہیں کہ یہ مظاہرہ و احتجاج محض رائیگاں جارہا ہو۔ اس تمام سے یہ مودی سرکار پریشان ہے، مودی نے باقاعدہ پورا ایک بڑا جلسہ منعقد کیا جس میں اس نے این آر سی اور ڈیٹینشن سینٹروں کا ہی سفید انکار کر دیا۔ اور سی اے بی پر صفائیاں دیتا رہا گو کہ اس غلیظ سفاک سنگھی نے جھوٹ ہی کا سہارا لیا مگر یہ بھی تو دیکھیے اس گرتے کو کسی چیز کا سہارا لینا پڑا۔ اپنے قدم پیچھے ہٹانے ہی پڑے۔ بی جے پی کا میڈیا سیل اب تک پروپیگنڈا کے طور پر کتنے ہی بے جا شارٹ ڈرامے ریلیز کر چکا ہے۔ اسی وجہ سے ہی آر ایس ایس کے "چڈی" دَل لشکر کو ملک بھر میں مودی کی حمایت میں آندولن کرنے پڑے اور الحمدللہ کئی شہروں میں انسانوں نے ان جانوروں کے راستے بھی روکے۔ ساتھ ہی ساتھ ہر شہر میں بی جے پی کے سو دو سو کارکر تا بھی اس قانون کے سپورٹ میں باہر نکلتے رہتے ہیں مگر ابھی تک ایک بھی ایسا مثالی نمونہ نہیں دکھا پائے۔

قیادت کا رول

اس سارے واقعے میں عمومی مشہور مسلمان قیادت کا کردار انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور غیر سنجیدہ ہے۔ سوائے ایک لیڈر کے جن کے کام کا دائرہ کار بھی محض ان کے اپنے شہر تک ہے اور ان کی اپنی انتخابی اتحادی جماعت نے اس مسلم دشمن بل کے حق میں ووٹ دیا ہے۔

تمام قیادت نے کوئی ایک مضبوط بیان تک جاری کرنے سے گریز کر رکھا ہے۔ اس کا ایک انتہائی درد انگیز منظر شاہی جامع مسجد دلی میں گزشتہ جمعہ کو دیکھنے میں آیا۔ جب تمام ملک احتجاج کر رہا تھا تو شاہی امام صاحب نے مسلمانوں کو احتجاج نہ کرنے کا کہا۔ اور نماز جمعہ کے بعد تمام مسلمانوں کی قیادت دلت رہنما اور بھیم آرمی کے چیف چندر شیکھر آزاد نے کی۔ آزاد ابھی تو گرفتار ہیں مگر اس وقت آزاد کو جامع مسجد میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے 3000 سرکاری اہلکار لگائے گئے تھے، اس سب کے باوجود نہ صرف آزاد جامع مسجد میں داخل ہوئے بلکہ اس آندولن کی قیادت بھی کی اور نکلتے وقت جب پولیس ان کو گرفتار کر چکی تھی تو ان کے ساتھی ان کو پولیس کسٹڈی سے چھڑا کر بھی لے گئے اور دلی رات دیر پر درشن کرتے رہے۔ سبحان اللہ یہ رول کسی مسلمان نیتا کا ہونا بنتا ہے کیونکہ اللہ کے فضل سے ہمارے پاس بدر و احد کی حنین و یرموک کی تاریخ موجود ہے۔ ایسی دلیری ہمارے اکابرین اکثر دکھاتے آئے ہیں، حضرت جی انور شاہ کشمیری، امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری، پڑوس سے امیر عزیمت مولانا جھنگوی، ہمارے دیگر اکابرین کے ایسے ہی پر مسرت واقعات ملتے ہیں۔ مگر اللہ جانے آج کل ہم لوگ نجانے کس طرف چل نکلے ہیں۔ ایک مسلمان قائد کی طرف سے یہاں تک کہا گیا کہ مسلمان پاجامہ قمیص، ٹوپی وغیرہ نہ پہن کر آیا کریں کہ آندولن کی شناخت اسلامی نہ ہو جائے۔ ایک جگہ کہا گیا کہ اکیلے مسلمان پردرشن پر نہ نکلیں کہ سیکولرازم قائم رہے، یہاں تک کہا گیا کہ نعرہ تکبیر اور دیگر اسلامی نعروں سے پرہیز کریں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ایک مشہور جہاد مخالف بزرگ جو مودی کو لیڈر مانتے ہیں اور امت شا اور مودی سے تنہائی کی ملاقاتوں کا بھی اقرار کر چکے ہیں فرماتے ہیں کہ حکومت غیر مسلموں کو جتنی چاہے ناگرکتا دے مگر ہم بدیشی مسلمانوں کو ہندوستان کی ناگرکتا دیے جانے کی مخالفت کریں گے۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

مگر الحمدللہ اس سب یتیمی کے باوجود بھی مسلمانوں کی یہ تحریکِ مظاہرات پوری قوت سے جاری و ساری ہے۔ اور ان شاءاللہ کامیاب ہو گی۔

اصل حل!

لیکن یہ مظاہرے کافی نہیں، صرف این آر سی اور سی اے اے تو ہم مسلموں کا مسئلہ نہیں ہے۔ حل ہمارا فقط اسی نظام میں رہتے ہوئے بھی نہیں۔ ضرورت ہے کہ عارضی طور پر تو جہاں ان حقوق کی خاطر آواز اٹھائیں اور مظاہرے کریں تو ساتھ ہی لازم ہے کہ شریعتِ نبوی کو اپنے جسم و جان پر لاگو کر دیں۔ دین کی اقامت و شریعت کے نفاذ کی دعوت دیں۔ تیاری کریں ہم گھس بیٹھیے کہنے والوں کے خلاف، ساری دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ اپنے آپ کو جڑا محسوس کریں۔

ضرورت ہے کہ ان مظاہروں کو ابتدا جانیں اور راستے کی تیاری کریں، یہ نہ انتہا ہیں اور نہ ہی فقط مظاہروں سے کچھ ہاتھ آئے گا۔ ہند میں حکومتِ الٰہیہ بزور ختم کی گئی تھی، بزور بابری مسجد گرائی گئی تھی، بزور احمد آباد، گجرات اور مظفر نگر لہولہان ہوئے تھے، بزور یہ این آر سی اور سی اے اے آرہا ہے اور جو چیز بزورِ قوت چھینی جاتی ہے وہ بزورِ قوت ہی واپس لی جاتی ہے!

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ!

کہہ دو کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا...... سب اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے!

صلیبی و صہیونی دجّال کی آمد کا راستہ ہموار کر رہے ہیں!

سیلاب خان

یہود کے مفادات کے لیے دنیا بھر کے اہلِ صلیب جمع ہو گئے ہیں۔ دراصل یہود کے یہ مفادات، اسلام اور اہلِ اسلام کے مفادات کی ضد ہیں۔ بلکہ یہود کے مفادات، ان کے دعوے اور ان کے اعمال دراصل اللہ وحدہٗ لاشریک کی حکمرانئ کل کا انکار ہیں۔

تاریخی طور پر عیسائیوں میں اولاً ایک فرقہ الگ ہوا جو 'پروٹیسٹنٹ' کہلایا اور جب عیسائی یہودیوں کو ملیچھ سمجھتے تھے اور اپنے (باطل) عقائد کی بنا پر سمجھتے تھے کہ (نعوذ باللہ) یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا ہے...... عیسائیوں میں سے یہ فرقہ یہود کی حمایت میں آگے ہو گیا۔

یوں اس فرقے کی ترویج کے ساتھ یہود یورپ میں مضبوط ہونا شروع ہو گئے اور آخرِ کار اسی تقویت کی انتہا دنیا کی پہلی یہودی ریاست 'اسرائیل' کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ ماہِ جنوری (۲۰۲۰ء) کے آخری عشرے میں یروشلم یعنی بیت المقدس جس میں ہم مسلمانوں کا قبلۂ اول 'مسجدِ اقصیٰ' واقع ہے، جہاں سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا لاکھ انبیا کو اپنی امامت میں نماز پڑھائی تھی...... اس یروشلم میں یہودی 'پیشوا' بنیامین نیتن یاہو کی زیرِ صدارت ایک کانفرنس منعقد ہوتی ہے، یہ کانفرنس، اللہ کے مقابل دجّال کے عبادت گزار، انبیا کے قاتل، جبریلِ امین کے دشمن یہودیوں کے یروشلم پر قبضے کو جواز بخشنے کے لیے منعقد کی گئی تھی۔

قیامِ اسرائیل کے وقت اور اس سے پہلے اگر عیسائیوں کا ایک پروٹیسٹنٹ فرقہ صہیونی (یعنی سرزمینِ فلسطین پر یہودی قبضے اور اسرائیلی ریاست کے قیام کا حامی) تھا تو آج اس کانفرنس میں امریکہ و برطانیہ اور روس بھی شریک ہیں۔

آج کے اس اجتماع میں عیسائیوں کے تمام بڑے فرقے یہود کے حامی ہیں۔ پروٹیسٹنٹ تو حامی ہیں ہی، بلکہ پروٹیسٹنٹ فرقے کی ایک اور ذیلی شاخ 'ایونجلسٹ' جو کہ یہود ہی کی طرح یہود کے حامی ہیں، ان کا پیروکار آج 'ڈانلڈ جے ٹرمپ' کی صورت امریکہ کا صدر ہے۔ سب سے بڑا فرقہ 'رومن کیتھولک' جن کا سب سے بڑا پیشوا 'پوپ' کہلاتا ہے، یہ فرقہ بھی آج یہود کا حامی ہے۔ تیسرا فرقہ 'ایسٹرن آرتھوڈوکس چرچ' یعنی مشرقی قدامت پسند عیسائی جن کا مرکز اس وقت روس ہے، یہ بھی یہودی عزائم کی تکمیل کے لیے آج یہود کا دفاعی حصار بن چکا ہے۔

یہ کانفرنس اہلِ صلیب کے یہودیوں کی حمایت میں اکٹھ کی دلیل ہے۔

دوسری جانب چند روز قبل ہونے والے ایک اور اعلان میں 'ناجائز' ریاستِ اسرائیل کو توسیع دے دی گئی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں نام نہاد 'اقوام متحدہ' نے جو 'عرب-اسرائیل پلان' پیش کیا تھا، اس کے مطابق فلسطین کے کچھ علاقے مسلمانوں کو اور اکثر حصہ یہود کو دے دیا گیا تھا۔ اس منصوبے کے مطابق طے کیا گیا تھا کہ یروشلم نہ یہود کے پاس ہو گا نہ مسلمانوں کے بلکہ ایک مشترکہ آزاد شہر ہو گا، جہاں تینوں مذاہب کے متبعین آ سکیں گے۔ لیکن آج اس اقوام متحدہ کی ناک تلے دن دہاڑے یہودی غاصب اور ڈاکو عالمی بدمعاشوں کے ساتھ مل کر یروشلم پر قابض ہوئے ہیں اور ساتھ ہی اسرائیل کو توسیع دے رہے ہیں۔

غامدی جیسے شیخ کلیسانواز ہی نہیں بلکہ شیخ صہیون و کنیسہ نواز کہتے ہیں کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد اقوام متحدہ کی صورت میں یہ طے ہو گیا کہ قبضہ اور زور کی بنیاد پر کوئی ریاست نہیں بنائی جا سکتی اور اگر کوئی ریاست بنائی جائے گی تو وہ 'جائز' ریاست نہ ہو گی۔ تو ایسے 'پیغامِ پاکستان' جیسے جادوئی 'صحیفوں' کے صانع غامدی اور اس کی اقوامِ متحدہ سے کوئی تو پوچھے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ 'ٹو سٹیٹ سولوشن (two state solution)' کا فریبی اور ناجائز نعرہ لگا کر فلسطین کی ادھیڑ بن کی گئی ہے اور مسلمانوں کو نتیجتاً صرف غزہ کی پٹی میں محصور کر دیا جائے گا۔

اس توسیع کے جدید اعلان کے بعد بنیامین نیتن یاہو پہلے مغرب کے صلیب برداروں کے اصل طاقت ور پیشوا ٹرمپ سے واشنگٹن میں ملا اور پھر صلیب برداروں کے مشرقی پیشوا ولادمیر پوتن کی حمایت حاصل کرنے کے لیے واشنگٹن سے براہِ راست ماسکو پہنچا۔

خبروں کے مطابق اسرائیل کے حالیہ اقدام کی تائید اسرائیلوں کے بعض سرکردہ 'ڈاکو' حکمرانوں نے بھی کی ہے جن میں سرِ فہرست یہود کے ٹٹ پونجیے محمد بن سلمان السعود، محمد بن زاید النہیان، عبد الفتاح السیسی اور (اپنے سابقہ صہیونی سسرالیوں کی محبت میں یا اپنی بدباطنی کی وجہ) عمران خان ہیں۔ دراصل صہیونی یہودی، صلیبی صہیونی اور صہیونی عرب سب مل کر مسیح دجّال کی آمد کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔

لیکن سیّدہ مریم علیہا السلام سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ کی مائیں اسی دجّال اور اس دجّال کی روحانی اولاد یہود کے مقابلے کے لیے اپنی گودوں میں عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی اولاد کو پال رہی ہیں۔ یہود اور صہیون کے ایجنٹ سب کے سب ہی دراصل اپنی ابدی موت کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ بظاہر تو یہود کا ارضِ فلسطین پر قبضہ ان کی کامیابی نظر آتا ہے لیکن اصل میں اللہ کی مشیت نے انہیں ارضِ فلسطین کی طرف دھکیلا ہے، اسی ارضِ فلسطین (حالیہ نام اسرائیل) کے مقامِ 'لُد' پر آخری معرکے میں دجّالِ اکبر کا مسیح ابنِ مریمؑ کے ہاتھوں قتل ہونا تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے۔ پس یہ یہودی یہاں جمع ہوں گے تاکہ آسانی کے ساتھ مسلمان انہیں چن چن کر قتل کر سکیں اور یہ اجتماعی طور پر نارِ جہنم میں دھکیلے جا سکیں۔ اہلِ ایمان غم نہ کریں، خوشیاں منائیں کہ اللہ، اس کے رسولوں، اسلام، جمادات، نباتات، حیوانات اور انسانوں کے دشمن یہود کا نکتۂ زوال آنے کو ہے!

أللّهم إنّي أعوذبک من شرّ فتنة المسیح الدّجّالِ و من فتنة المحیا و الممات، آمین!

قرآن میں ہو غوطہ زن......

(مسلمان ماؤں کی خدمت میں ایک درخواست)

بنتِ نصر

اے میری پیاری امّت کی عظیم ماؤں!

اے وہ کہ جن کی گودوں میں حیدرؓ اور قاسمؒ پلتے ہیں۔ جو اس امّت کے محافظوں اور معماروں کی اولین تربیت گاہ ہیں۔ جو اپنے ناتواں کندھوں پر اس امّت کے مستقبل کی تعمیر کا عظیم بوجھ لیے ہوئے ہیں۔ آج دل میں پھیلتے ایک شدید کرب نے آپ سے مخاطب ہونے کا جواز بخشا ہے، اس کرب کا باعث نہ تو امتِ مسلمہ کی حالتِ زار ہے اور نہ ہماری دنیاوی بے سروسامانی، بلکہ اس کا سبب تو قرآن مجید ہے، اللہ کی پاک کتاب جو اللہ نے اپنے محبوب نبی محمد ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تاکہ میری، آپ کی اور اس دنیا میں بسنے والے ہر انسان کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے۔ مگر افسوس! کہ وہ کتاب جو انسانوں کے لیے اپنے اندر سراسر بھلائی، خیر اور ہدایت رکھتی تھی، آج انسانوں میں سے چند جاہل، سرکش اور ظالم لوگوں نے، جو اپنے جہل اور سرکشی میں اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ نہ تو اپنے رب کو پہچانتے ہیں اور نہ اس کے انعامات کو، انہوں نے اس کتابِ خیر وبرکت پر بھی سوال اٹھانے شروع کر دیے ہیں۔

آج جبکہ تمام کافر ملّتِ واحدہ بن کر امتِ محمدیہ پر حملہ آور ہیں، ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور ہماری عظیم کتاب قرآن مجید کی بے حرمتی کرنا ان کا 'پسندیدہ 'مشغلہ بن چکا ہے اور ہر کوئی بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لے رہا ہے اور یہ سمجھ رہا ہے کہ اس طرح کی اوچھی حرکتیں امّت محمدیہ کے دل سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اپنے قرآن کی عظمت نکال دیں گی تو یہ ان کی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اللہ کی قسم! یہ جتنا ہمیں اپنے نبی اور اپنے قرآن سے دور کرنے کی کوشش کریں گے، ہم اتنا ہی اپنے نبی اور قرآن پر فدا ہونے والے بنیں گے (ان شاء اللہ)۔

میری پیاری بہنو! میری آپ سب سے یہ درخواست ہے کہ آج سے اس عظیم کتاب 'قرآن مجید' سے چمٹ جایئے۔ اپنی اولاد کو حافظِ قرآن بنایئے، ان کے دلوں میں قرآن کی ایسی شمع روشن کیجیے جو مرتے دم تک اپنے نور سے ان کے سینوں کو منور رکھے۔ ان کے دلوں میں قرآن پاک کی عظمت بٹھایئے، انہیں بتایئے کہ یہی وہ عظیم کتاب ہے جو ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا کر سکتی ہے۔ یہی ہے جو قبر کی تاریکیوں میں روشنی اور وہاں کی تنہائی میں بہترین ساتھی ہے۔ یہی ہے جو حشر کی سختیوں کو آسان بنانے والی اور اللہ کے حضور ہماری سفارش کرنے والی ہے۔ یہی ہے جو پل صراط کو پار کرانے میں مددگار ہو گی اور یہی ہے جو جنت تک پہنچانے والے راستے پر ہماری رہنما ہے۔ اور پھر صرف جنت کے دروازوں تک پہنچانے والی نہیں، بلکہ اس کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترین منازل طے کروانے والی ہے کہ ایک حدیثِ پاک کا مفہوم ہے کہ روزِ قیامت حافظِ قرآن کو حکم ہو گا کہ 'پڑھتا جا اور چڑھتا جا'، سو وہ قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا جائے گا اور جنت کی منازل طے کرتا جائے گا۔ جہاں آخری آیت پڑھے گا وہی اس کا مسکن اور ٹھکانہ ہو گا۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے بارے میں اسے نازل کرنے والے، ہمارے سچے رب نے فرمایا کہ اس کی ایک آیت بھی ہر اس شے سے بہتر ہے جسے دنیا والے جمع کرتے ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔

میری پیاری بہنو! ہم ناتواں عورتیں ان ظالموں سے اپنے قرآن پاک کی بے حرمتی کا بدلہ نہیں لے سکتیں۔ چاہنے کے باوجود ہم ان کی زہر اگلتی زبانیں نہیں کاٹ سکتیں اور ان کے گستاخ ہاتھ نہیں توڑ سکتیں۔ مگر ہم ان کی چالیں تو ناکام بنا سکتی ہیں۔ جس مقصد کی خاطر یہ اپنی تمام توانائیاں صرف کر رہے ہیں، جس کی خاطر یہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن اور شعائرِ اسلام کے بارے میں دریدہ دہنی سے کام لیتے ہیں، اور ان کی بے لگام زبانیں زہر افشانی کرتے نہیں تھکتی ہیں، ہم چاہیں تو اس مقصد کو پورا ہونے سے روک سکتی ہیں۔ پیاری بہنو! ہم اتنی کمزور اور بے بس نہیں جتنا ان دشمنانِ دین نے ہمیں سمجھ لیا ہے۔ ان کی سازشوں کا توڑ کرنے کے لیے ہم سے محض اتنا درکار ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ یہ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ ہمیں کیا بنانا چاہتے ہیں؟ ہمیں کیسا دیکھنا چاہتے ہیں؟ یہ ہمیں گھروں سے نکال کر چوراہوں کی زینت بنانا چاہتے ہیں تو ہم گھر کی رانیاں بن کر اپنے گھروں کو امن و سکون کا گہوارہ بنائیں۔ یہ سکولوں میں ہمارے بچوں کا ذہنی اغوا کر کے انہیں اپنی پسند کے سانچوں میں ڈھالتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ اپنے بچوں کو کلیتاً سکولوں کے زیرِ نگرانی دینے کے بجائے اپنے گھروں میں خود ان کی تربیت کریں اور ایسی تربیت کریں کہ وہ پھر عالمِ کفر پر آگ بن کر برسیں اور ان سے امّتِ مسلمہ پر ڈھائے جانے والے ہر ظلم کا بدلہ لیں، قرآن مجید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے حرمتی کا بدلہ لیں اور ایسا بدلہ لیں کہ یہ کفار دوبارہ میلی آنکھ سے ان کی جانب دیکھنے کی بھی مجال نہ کر پائیں۔

عزیز بہنو! آپ خود بھی قرآن پاک سے جڑ جایئے۔ روزانہ کم از کم ایک آیت یاد کیجیے، پھر سارا دن کاموں کے دوران اسے دہراتی رہیے اور فرض نمازوں میں اسے پڑھتی رہیے۔ اللہ کی قسم اس قرآن پاک کو اللہ نے بہت آسان بنایا ہے۔ یہ شیطان مردود ہے جو ہمیں ہر نیکی کا کام مشکل بنا کر دکھاتا ہے اور ہر برائی کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ جبکہ اللہ کا فرمان ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ○، "اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟" (سورۃ

القمر:۱۷)۔ اور یہ صرف کہنے کی بات نہیں ہے، بلکہ ہم نے کتنے ہی افراد کو دیکھا کہ جنھوں نے ارادہ کیا کہ قرآن مجید کو اپنے سینوں میں محفوظ کریں گے اور پھر بڑھتی عمر، مصروفیات کی کثرت اور قلتِ وقت، کچھ بھی ان کے ارادے کو متزلزل نہ کر پایا، بلکہ اللہ کی مدد و نصرت سے انہوں نے قرآن مجید کے کئی حصّوں کو حفظ کر لیا۔ ایک ماں کو ہم نے دیکھا جس نے اپنے بیٹے کو آخری پانچ سپارے حفظ کرائے اور بیٹے کے ساتھ ساتھ خود بھی یاد کرتی رہیں یہاں تک کہ دونوں نے اکٹھے پانچ سپارے حفظ کر لیے۔ اللہ کے وعدے سچے ہیں، بس اگر ہم اپنے رب کے ساتھ سچے ہو جائیں تو اس کی رحمت ہماری منتظر ہے۔ اگر ہم اس چھوٹی سی دنیا کی چھوٹی سی زندگی کے لیے دنیاوی علم کے حصول میں اپنے آپ کو اورر اپنے وقت کو کھپا سکتے ہیں تو اس عظیم کتاب کو اپنی زندگی کا محور و منبع بنا کر، اسے حفظ کر کے، اس کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال کر اپنی آخرت کیوں نہیں سنوار سکتے؟ خدا کی قسم! ان کافروں سے قرآن کی بے حرمتی کا بہترین بدلہ ہی یہ ہے کہ جس قرآن کی عظمت یہ ہمارے دلوں سے نکالنا چاہتے ہیں، اسے ہم اپنے اور اپنی اولاد کے دلوں میں مضبوطی سے جمائیں۔ اس کے ہر ہر حکم پر عمل پیرا ہو جائیں اور اپنی اولاد کو بھی حافظِ قرآن بنا کر اس کا محافظ بنا دیں۔

نورِ قرآن در میانِ سینہ اش
جامِ جم شرمندہ از آئینہ اش[1]
(اقبالؒ)

بقیہ: خیالات کا ماہنامچہ

اور اسرائیل تو ہے ہی کٹر مذہبی ریاست۔ برطانیہ میں ترک نسل سے تعلق رکھنے والا وزیرِ اعظم بنتا ہے لیکن یہاں نسل نہیں عقیدہ غالب آتا ہے، کوئی اس کی ترکی النسلی پر بات ہی نہیں کرتا۔ امریکیوں کی تو نسل کا پتہ ہی نہیں ہے، سارے گھوڑے گدھے دنیا بھر سے جمع ہو کر امریکی کہلانے لگے ہیں۔ امریکہ ہر دشمنِ اسلام کو پناہ ردِ اسلام میں دیتا ہے اور گستاخانِ رسالت کو پناہ دینے کے لیے 'کینیڈا' جیسی جدید فلاحی ریاست اپنا سینہ پیش کرتی ہے۔ ہندوستان میں Citizen Amendment Act کی صورت میں مسلمانوں کو نکال باہر کیا جا رہا ہے جبکہ ساری دنیا کے ہندوؤں کے لیے بھارت ماتا کی گود حاضر ہے۔ یہودی وہ نسل پرست قوم جو غیر بنی اسرائیلی کو اصلاً یہودی مانتی ہی نہیں، یہودیت کی فتح کی خاطر حبشی افریقیوں اور ساری دنیا کے ان لوگوں کے لیے جو یہودی کاز کی حمایت کریں 'اسرائیل' کے دروازے کھول رہے ہیں..... جبکہ 'ہمارے' عقل و بصارت سے پیدل یہ 'سیکولر سکالر' کہتے ہیں کہ مذہب کا شناخت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

بقیہ: کہیں یہ شروعات تو نہیں؟

مسلم امت اہم دوراہے پر

ہندوستان میں مسلمانوں کو ایسے دور کی طرف دھکیلا جا رہا ہے جہاں انہیں سانس لینے کی اجازت تو ہو گی، مگر کیوں، کیا کرنے کے حق سے وہ محروم ہوں گے؟ جہاں انہیں نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کی تو اجازت ہو گی، مگر انہیں اپنے آپ کو ہندو کہنا ہو گا۔

رام مادھو (آر ایس ایس) کا بیان، ہندوستان میں رہنے والے لوگ ہندو ہیں۔ وہ بھارت ماتا کے سپوت ہیں بھارت ماتا کی رَکشا (حفاظت) کرنا، اس کا احترام کرنا اور وندے ماترم کہنا (یعنی ماں کو سجدہ کرنا)، ان سب کی ذمہ داری ہے۔

وقت کے امام، سیاسی قائدین اور سوشل ورکر، مسلمانوں کو ایک ایسا پاٹھ (سبق) پڑھا رہے ہیں جو انہیں دین کی محبت، اس کے لیے قربانی کے جذبے کو ٹھنڈا کر کے دیش و جمہوریت سے محبت اور اس کا احترام کرنے کا سبق دے گا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سے پتھر چھین کر انھیں ہندوؤں کے سامنے ہاتھ جوڑنا سکھایا جا رہا ہے۔ کیونکہ جن ہاتھوں میں آج پتھر ہیں، جن دلوں میں آج جوش و جذبہ ہے، ان شاءاللہ کل ان کے ہاتھوں میں کلاشن کوف ہو گی۔ مگر افسوس مسلمانوں کو ہندوستان کے کفری قانون، آئین اور عدلیہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر اس کے فیصلے کا احترام کر کے، مستقبل میں ان کو سجدہ کروانے کی تیاری ہے۔

کہیں یہ شروعات تو نہیں؟؟؟

سب سے اعلیٰ ڈگری

"میرا شیر جیسا بیٹا اعلیٰ ڈگری لینے جرمنی گیا تھا اور وہاں ایسی اعلیٰ ڈگری لے کر آیا کہ اس سے بڑی کوئی ڈگری نہیں۔ اگر میرا کوئی اور بیٹا ہوتا تو میں اسے بھی اسی راستے میں بھیجتی۔ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کی شہادت قبول فرمائے۔"

(شہیدِ ناموسِ رسالت غازی عامر چیمہ ؒ کی والدہ کا بیان)

[1] اگر قرآنِ مجید کے نور سے سینے منور ہو جائیں؛ تو جمشید بادشاہ کا وہ جام جو دنیا کے حالات بتاتا تھا..... وہ بھی اس آئینے (قرآن) کے سامنے بے حیثیت و شرمندہ ہو جائے!

مائیں......

......یہ مضمون ایک آرزو ہے جسے لکھنے میں چار سال اور چار ماہ لگے......

میاں سعد خالد

اللہ پاک کا قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلاً○

''ایمان لانے والوں میں ایسے جواں مرد موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے، انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔''(سورۃ الاحزاب: ۲۳)

یہ رجال، یہ جواں مرد، جو اللہ سے عہد کر لیتے ہیں تو ڈٹے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کو موت آ لیتی ہے یا یہ اللہ کے راستے میں قتل کر دیے جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ صعوبتیں برداشت کرتے رہتے ہیں، جیلوں میں ظلم و تشدد کے پہاڑ ان پر ٹوٹتے رہتے ہیں لیکن ان کے رویے میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

بلا شبہ یہ جواں مرد لائقِ تحسین ہیں، یہ حق دار ہیں کہ ان کا ذکرِ خیر کیا جائے، انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا جائے اور ان کی تحسین و تعریف ہوتی بھی رہتی ہے۔ تاریخِ حق و باطل جب سے جاری ہے اور جب تک چلتی رہے گی، یہ جواں مرد آتے رہیں گے اور ان کے نام عرش و فرش کی زینت بنے رہیں گے۔ لیکن اکثر سوچتا ہوں کہ یہ رجال پیدا کہاں ہوتے ہیں؟ ان کی تربیت کون کرتا ہے؟ ان کی طبیعت میں یہ جواں مردی کی خو کون پیدا کرتا ہے؟

اربوں انسان اس دنیا میں آئے، کہتے ہیں کہ جس طرح کسی انسان کی انگلیوں کے نشان آپس میں نہیں ملتے کسی کا مزاج بھی آپس میں صد فیصد نہیں ملتا۔ کوئی حساس مزاج ہے تو کوئی نسبتاً لا پرواہ، کوئی بہادر ہے تو کوئی ڈرپوک، کسی میں قوتِ فیصلہ بہت ہے اور کسی کے یہاں اس کا بے حد فقدان، کوئی عالی ہمت ہے تو کوئی کمزور، الغرض طائرانہ نگاہ میں ہزاروں مزاج ہیں اور غور سے دیکھیں تو ان ہزاروں میں ہر ایک کی ہزاروں شاخیں ہیں۔ ہم ان مزاجوں اور طبیعتوں کا مظاہرہ ہر روز ہر گام پر کر رہے ہوتے ہیں۔

لیکن میں دیکھتا ہوں کہ جنہیں اللہ پاک 'رجال' کہہ رہا ہے، جن کے عہد و پیمان کا ذکر اپنی کتابِ مجید میں کر رہا ہے، جن کے ایمانی رویوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، یہ بھی اسی طرح کے انسان ہیں جن کے ہزار ہا مزاج ہیں۔ میں خود اس بات کا شاہد ہوں کہ کتنے ہی قسم کے لوگ اس اللہ کی راہ کے راہی بنتے ہیں جن میں کچھ بہادر ہیں تو کچھ ڈرپوک، کوئی عزم کی چٹان ہیں تو کوئی کمزور...... لیکن ہیں سب ہی رجال۔ ڈرپوک ہوتے ہوئے بھی ڈٹے ہوئے ہیں، دل کانپ رہا ہے، آنکھوں میں خوف ہے، جسم پر کپکپی ہے لیکن دشمن کے مقابل کھڑے ہیں۔

وہ کون سی درس گاہ ہے، اس مکتب کا نام کیا ہے، یہ کون سی تربیتی کلیہ ہے، ان کا مربی و استاد کون ہے، ان کا mentor کون ہے؟

پھر جواب ملتا ہے کہ یہ مائیں ہیں۔ وہ مائیں جن کے ذکر پر رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا 'محبت' کہلاتا ہے اور محبوبِ جاں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

ننھے اسماعیل (علیہ السلام) بھوک و پیاس سے بلکتے ہیں تو ماں 'ہاجرؓ' صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ لگاتی ہیں اور ہر دو طرف دیکھتی ہیں کہ شاید کوئی نظر آ جائے جو میرے بچے کے خشک حلق کو سامانِ تری فراہم کرے۔ اس ماں کے ربّ نے ماں کے اس طریقے کو ایسا پسند فرمایا کہ اس صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ لگانے کو تا قیامت رکنِ حج و عمرہ قرار دے کر واجب کر دیا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوتے ہیں تو ماں لکڑی کے صندوق میں ڈال کر سپردِ نیل کر دیتی ہیں۔ دوسری ماں آسیہؓ ہیں جو اس بیٹے کو پالتی ہیں۔

وہ ماں، جس کے بارے میں جبریلِ امین علیہ السلام، رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتے ہیں کہ آپ کو اس سفرِ معراج میں جنت کی خوشبو بجانبِ مصر آتی ہے...... کہ فرعون کی ایک باندی تھی...... ایمان لے آئی...... فرعون نے آگ جلوائی، کڑاہا تیل سے بھر کر گرم کیا اور یہ ماں اپنی دو بیٹیوں سمیت اس کھولتے تیل میں ڈال دی گئی...... جلا دی گئی...... پھر ان تینوں حوا کی بیٹیوں کی ہڈیوں کو ایک جا جمع کر کے دفنا دیا گیا...... یہ خوشبو وہیں سے اٹھتی ہے!

حضرتِ عفیفہ و مطہرہ سیدہ مریم علیہا السلام کی گود میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پرورش پاتے ہیں۔ انہی کے عالی نصیب میں فتنۂ اکبر مسیح الدجال کو قتل کر دینا لکھا گیا ہے۔

جب ان ماؤں کا ذکر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے یعنی جنگ میں دشمن کو چیر دینے والا شیر۔

جب یہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدۃ النساءِ اہل الجنۃ کی گود میں پلتے ہیں تو حسن و حسین بنتے ہیں۔ وہ حسنؓ جن کے بارے میں سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا یہ بیٹا مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کروائے گا اور وہ حسینؓ جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کربلا میں ذبح ہو کر رہتی امتِ مسلمہ کو پیغام دے رہا ہے کہ 'جو خدا کے آگے جھک جائے، کسی اور کے در پہ جھکتا نہیں!'۔

انہیں ماؤں میں سے جب اسماء بنتِ ابی بکر (رضی اللہ عنہما) اپنے بیٹے عبد اللہ ابن زبیرؓ کو جنگ سے پہلے رخصت کرتی ہیں...... بزرگی کے سبب نابینا ہو گئی ہیں...... بیٹے کو گلے لگاتی ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ زرہ پہن رکھی ہے...... حالانکہ زرہ اسباب میں داخل ہے کہ بچاؤ کے لیے پہنی

جائے...... لیکن شجاعت کی روح پھونکنے والی کہتی ہیں کہ یہ کیا، اتار پھینکو اسے...... پھر یہ بیٹا معرکے میں قتل کر کے ستون پر لٹکا دیا جاتا ہے تو اس کی لاش کے پاس جاتی ہیں اور لاشے کو ٹٹول کر کہتی ہیں کہ کیا اس شہسوار کے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا؟

معرکۂ قادسیہ برپا ہوتا ہے تو خنساء رضی اللہ عنہ اپنی متاعِ کل...... اپنے چار بیٹوں کو سپردِ میدان کرتی ہیں...... کہتی ہیں کہ جاؤ اور لڑو جواں مردی سے، آج ہی کے لیے تمہیں پالا تھا...... کہتی ہیں کہ پیٹھ دکھا کر بھاگے اور قتل کیے گئے تو دودھ نہ بخشوں گی!

ازل سے ابد تک یہی منظر نامہ ہے۔ یہی مائیں ہیں اور انہی ماؤں کی گودوں میں وہ جواں مرد پرورش پا رہے ہیں جنہوں نے نمرودوں، شدادوں، ہامانوں، فرعونوں، ابو جہلوں اور راجہ داہروں جیسوں کو پیوندِ خاک کرنا ہے۔ ہم ان ماؤں کو چہار جانب دیکھ رہے ہیں۔ انہی ماؤں کو دیکھ کر باطل کے ٹوٹ گرنے اور حق کے ظاہر ہونے کی شمعِ یقین توانا ہے۔

یہ چند سطریں اپنی حقیقی ماں اور اپنی نسبت کی ماں جیسی اہلِ ایمان کی ماؤں کے نام، ان کے احسان کا حقیر سا اعتراف ہیں۔

اے ماؤں! وہ کون سا دِن ہے، اور اس دن کی کون سی گھڑی جب ہم تمہیں یاد نہیں کرتے......

اے میری ماؤں! مجھے معاف کر دو کہ تمہارے قدموں تلے جنت کو ہم کما نہ سکے، لیکن اے ماؤں، تمہاری ان دو دعاؤں ہی کے سبب تو ہم اس راہِ جہاد میں نکلے...... تم نے خود ہی چاہا کہ تمہارے بیٹوں کا نام بھی 'اہلِ ایمان کے جواں مردوں' میں آ جائے۔

پہلی بار جب تم نے کہا، 'جا بیٹا تجھے میں نے رب کی راہ میں وقف کیا......ربّنا تقبّل منّا إنّک أنت السمیع العلیم......ربّنا هب لنا من أزواجنا و ذرّیّاتنا قرة أعین و اجعلنا للمتقین إماما......'

اور آخری بار جب تم نے کہا، 'میں تو بس چاہتی ہوں کہ میرے بچے جنت میں چلے جائیں...... جاؤ میرے بچو......!'

اے میری ماؤں...... خدا نہ کرے...... لیکن تمہارا یہ رُو سیاہ بیٹا روزِ قیامت 'ہارنے والوں' کے ساتھ کھڑا ہو...... جب تُم سایۂ عرش تلے ہو اور یہ بیٹا خدا نہ کرے خجالت کا شکار ہو تو تُم نبیِ مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا...... سفارش کروانا، اللہ کے سامنے وہاں بھی اس کے اِذن سے یہاں کی طرح گڑگڑانا اور ہمیں پروانۂ مغفرت دلا کر ہمیشگی کی جنت میں لے جانا......

اے ماؤں...... تمہاری مامتا ہمارے لیے سہارا بنی ہوئی ہے، خیال آتا ہے کہ تم ہمارے دکھ پر کیسے تڑپتی ہو اور کیسے خطاؤں کو بن مانگے معاف کر دیتی ہو تو ہمارا اور تمہارا خالق...... جس نے اپنی محبت کو تمہاری محبت کے پیرائے میں بیان کر کے کہا کہ وہ تم سے ستّر گنا زیادہ مجھ سے پیار کرتا ہے...... وہ بھی تو ہمیں بِن مانگے معاف کر دے گا......

ربّنا اغفرلنا ذنوبنا و إسرافنا في أمرنا و ثبت أقدامنا و انصرنا على القوم الكافرين!

بقیہ: نظامِ طاغوت سے براءت

بلاشبہ اس کے لیے ہر راہ کھلی ہوئی ہے، وہ جس پر چاہے پوری آزادی کے ساتھ جا سکتا ہے، اور ایک پیغمبر کے بارے میں جو تصورات چاہے رکھ سکتا ہے، وہ حضرت یوسفؑ کو فرعون مصر کے سامنے ملازمت کی درخواست دینے والا ٹھہرا سکتا ہے، وہ خزائن الارض کا ترجمہ مالیاتِ حکومت سے کر سکتا ہے، وہ کہہ سکتا ہے کہ اس حصولِ اقتدار یا حصول ملازمت کے وقت حضرت یوسفؑ خلعت نبوت سے بھی سرفراز ہو چکے تھے، اور فرعون بدستور کافر اور مشرک تھا، باایں ہمہ وہ درخواستِ ملازمت پیش کرتے ہیں، فرعون اسے شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے، اور حضرتِ ممدوح دوش مبارک پر نبوت کی خلعتِ ربانی ڈالے کافر و مشرک فرعون کے زیرِ سایہ ایک فرض شناس اور اطاعت گزار حاکم کا پارٹ ادا کرنے لگتے ہیں...... لیکن جن کے اندر اتنی جراءت نہ ہو وہ تو غور و فکر کا یہ رویہ اختیار کرنے سے رہے، وہ اس قسم کا تصور بھی اگر کریں گے تو قرآن کے وہ محکم نصوص، جن کا حوالہ ابھی گزرا، ان کے سامنے آ کھڑے ہوں گے، وہ پوچھیں گے، جب بلا استثناء ہر نبی مطاعِ مطلق بن کر آیا ہے تو تمہیں کیسے یہ جسارت ہوئی کہ یوسفؑ صدیق کو کافر و مشرک فرعون کا مطیع بنا دکھاؤ؟ وہ سوال کریں گے کہ ہر نبی تو دنیا میں خدا کا دین قائم کرنے آیا تھا، یہ تم حضرت یوسفؑ کو دینِ فرعون کا محافظ و نگراں کس بنا پر کہتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہر پیغمبر تو خدا کی بندگی، اور طواغیت سے بغاوت کرانے پر مامور تھا، تم نے کیسے گوارا کیا کہ یوسفؑ کو فرعون جیسے طاغوت کا اطاعت گزار مان لو؟ ظاہر ہے کہ ان جیسے سوالوں کا جواب دینا آسان نہیں۔ اس لیے سلامتیٔ فکر کی راہ یقیناً دوسری ہو گی۔ یہ راہ وہ ہو گی جو ان نصوص سے کترا کر نہ جاتی ہو بلکہ ان کے بیچ سے ہو کر نکلتی ہو، جو اس اصولِ تاویل کی روشنی میں متعین ہوئی ہو جس سے ابھی آپ تعارف حاصل کر چکے ہیں۔ غور و فکر کا یہ طریقہ یقیناً واقعے کی کوئی اور ہی شکل چاہے گا۔ اس لحاظ سے حقائق کچھ اس طرح کے ہونے چاہئیں:

(۱) حضرت یوسفؑ نے اقتدارِ حکومت کے لیے درخواست نہیں کی، بلکہ اس کا مطالبہ کیا ہو گا۔

(۲) اقتدار بھی جزئی نہیں بلکہ کلی مانگا ہو گا۔

(۳) کیا عجب کہ حضرتِ ممدوح اس وقت تک منصب نبوت پر مامور نہ ہوئے ہوں۔

(۴) کچھ بعید نہیں، جو انتقالِ اقتدار کے وقت فرعون مشرف بہ اسلام ہو چکا ہو۔

واقعے کی تصویر کچھ اسی رنگ میں اس لیے ہونی چاہیے کہ قرآنی معیارِ نبوت پر اگر تصویر پوری اترتی ہے تو وہ یہی تصویر ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

سلطانیٔ جمہور

علی بن منصور

صبح نو بجے وہ سب ابّا جی کے کمرے میں جمع تھے۔ کہنے کو تو اپوزیشن کا اجتماع تھا، مگر جاوید صاحب، فائزہ بیگم اور صولت بیگم بھی موجود تھیں۔ مسئلہ بہت سنجیدہ تھا اور آج وہ سب اسی کا حل تلاش کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ ابو بکر صاحب دونوں ہاتھوں سے اپنا چائے کا کپ پکڑے، کہنیاں گھٹنوں پر رکھے، اپنی کرسی میں آگے کو جھکے ہوئے تھے، تفکر نے ان کے ماتھے پر شکنوں کا جال بچھا رکھا تھا، اور وہ اپنی چائے (جو بہت دیر سے ٹھنڈی ہو چکی تھی) سے بے نیاز، صورتحال سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

'......ضرورت اس چیز کی ہے کہ ہم سب اپنے اپنے گھر میں ہر فرد کو سمجھائیں۔ سب کو قائل کریں کہ ٹی وی کسی صورت بھی گھر میں نہیں آنا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ ووٹ ٹی وی کے خلاف جمع کریں۔ ہمیں ہر صورت اس ریفرنڈم میں ٹی وی مخالف قرارداد پاس کروانی ہے۔ بچّے اکثریت میں ہیں، لیکن اگر ہم سب ان چند دنوں میں اس معاملہ کی طرف خصوصی توجہ دیں اور سب کے ذہن تیار کریں، سب کو ٹی وی کے نقصانات سمجھائیں، تو میرے خیال میں ہم ریفرنڈم میں اتنے ووٹ حاصل کر سکتے ہیں کہ اس قرارداد کو رد کیا جا سکے'۔

'مگر ابّو، کتنا سمجھائیں گے سب کو؟ آپ کے خیال میں آپ زوار یا نبیلہ کو اس بات پر راضی کر سکتے ہیں؟ میں تو سمجھتا ہوں وہ تمام نقصانات اور مفاسد سے بخوبی آگاہ ہیں، مگر ان کا دل چونکہ ٹی وی خریدنے پر آ چکا ہے سو سمجھانا بے سود ہے'، ولید بولا۔

'صرف زوار اور نبیلہ نہیں بیٹا، سارے ہی بچے ایسے ہیں۔ سب سکولوں میں، اور ادھر ادھر دوستوں کے گھروں میں ٹی وی تو دیکھتے ہی ہیں، اور اس کی برائیوں کا بھی سب کو پتہ ہے، مگر اب شوق آ گیا ہے تو انہیں کیسے سمجھائیں'، فائزہ چچی ولید کی تائید کرتے ہوئے بولیں، 'یا تو انہیں سختی سے منع کر دیں تو اور بات ہے، مگر ریفرنڈم میں وہ کس کو ووٹ دیتے ہیں، اس امر کو ہم کیسے کنٹرول کر سکتے ہیں؟'، انہوں نے ابو بکر صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

'نہیں نہیں! سختی تو کرنی بھی نہیں ہے، یہ جمہوریت کی روح کے خلاف ہے'، ابو بکر صاحب کے لہجے میں اضطراب تھا، 'نہیں، اس کا ہمیں کوئی اور حل نکالنا ہے۔ اور بہترین حل یہی ہے کہ بچوں کو سمجھایا جائے۔ ماشاءاللہ سارے سمجھدار اور فرمانبردار بچے ہیں، ہم کوشش کریں تو مجھے یقین ہے کہ وہ سمجھ ہی جائیں گے'، انہوں نے پر امید نظروں سے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس پر فائزہ بیگم تو خاموش ہو گئیں مگر صولت بیگم سے رہا نہ گیا تو بول اٹھیں۔

'دیکھیں بچے بے شک سارے بہت اچھے ہیں۔ لیکن سچ کہوں تو اس معاملے میں مجھے ولید، نسرین اور نور کے علاوہ کسی ایک سے بھی توقع نہیں کہ وہ ٹی وی کے خلاف ووٹ ڈالے گا۔ اس میں سمجھداری یا فرمانبرداری کا سوال نہیں ہے، بات تو خواہش کی ہے۔ ریفرنڈم ان سے یہ سوال کرے گا کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ نہ کہ یہ کہ کیا ہونا چاہیے؟ اب بچے تو بچے ہیں، میرے تو خیال میں بڑے بھی اگر نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر اس معاملے کو پرکھیں، تو ممکن ہے کہ بہت سوں کا ووٹ ٹی وی کے حق میں ہی ہو'۔

'آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں بھائی جان! ابھی کل ہی ہم اس معاملے پر بات کر رہے تھے تو بینش بھی کہہ رہی تھی کہ شاید ٹی وی آ جانے سے گھر کی فضا بہتر ہو جائے، کوئی انٹرٹینمنٹ کا موقع پیدا ہو جائے۔ ویسے تو میرے سمجھانے پر سمجھ گئی تھی کہ ٹی وی کے نقصانات کتنے ہیں، لیکن پھر بھی۔۔۔'، جاوید صاحب نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ ابو بکر صاحب بے چارگی سے ان کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔

'اس کا تو مطلب ہے کہ ہم نے ریفرنڈم سے پہلے ہی شکست تسلیم کر لی ہے، جمہور کی رائے ٹی وی کے حق میں ہے'، ابو بکر صاحب سب پر ایک نظر ڈال کر بولے۔

ابّا جی اور عثمان صاحب مستقل خاموش بیٹھے تھے۔ ابو بکر صاحب کی مدد طلب نظروں پر عثمان صاحب اپنی سوچوں سے نکلے اور ایک گہری سانس لے کر بولے، 'میرے خیال میں بھائی جان، ابھی اس سے زیادہ غور طلب اور اہم مسئلہ موجود ہے۔ ریفرنڈم کا جو بھی نتیجہ نکلتا ہے، وہ دیکھا جائے گا۔ مگر ابھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ آج ۱۷ اپریل ہے، اور ۲۷ کو اگلی ٹرم کے الیکشن ہوں گے۔ اور اس دفعہ ہر صورت میں آپ نے جیتنا ہے۔ اس کے لیے ہمیں ابھی سے منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنی پچھلی تمام غلطیاں درست کرنی ہیں تاکہ ان کا اعادہ نہ ہو۔ اگلی ٹرم میں اگر عمیر جیتا، یا آپ کے برابر ووٹ حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا تو یہ ایسا نقصان ہو گا جس کی تلافی آسان نہیں ہو گی'۔

'ہاں مجھے یاد ہے کہ الیکشن کی تاریخ بھی قریب آ رہی ہے۔ اور میں نے اس حوالے سے بہت کچھ سوچا ہے۔ میں تم سے بات بھی کرنا چاہ رہا تھا کہ اس بار تم نمائندے کے طور پر کھڑے ہو، ہم تمہارے حق میں مہم چلائیں گے......'۔

'نہیں بھائی جان، اس طرح صرف ووٹ تقسیم ہوتے ہیں جس کا فائدہ عمیر کو ہوتا ہے۔ اس بار بس آپ کھڑے ہوں الیکشن میں، اور پوری تیاری کے ساتھ کھڑے ہوں۔ ہم سب مل کر آپ کے حق میں مہم چلائیں گے۔ اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ جیت آپ ہی کی ہو، نہ کہ عمیر کی'، عثمان صاحب ان کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔ عمیر کے خلاف ان کے زور دینے پر ابو بکر صاحب نے تعجب سے ان کی طرف دیکھا۔

'ویسے تو میرے خیال میں ہمارا یہ پہلا تجربہ کچھ ایسا برا بھی نہیں رہا۔ عمیر نے کافی اچھے طریقے سے گھر سنبھال لیا ہے'، ابّا جی کے تبصرے میں سوال چھپا ہوا تھا۔

'جی اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے کافی اچھے طریقے سے اپنی ٹرم پوری کی ہے۔ بلکہ جو کچھ وہ گھر کے لیے کرتا رہا ہے، میں حیران ہوں کہ اس نے اتنا خرچہ بھی کیا اور گھر کا بجٹ بھی متاثر ہونے نہیں دیا۔ اس حوالے سے تو میں اس کے سلیقے کا قائل ہو گیا ہوں لیکن اس پوری قسط کا جو اثر بچوں کے ذہنوں پر ہوا ہے، ہمیں اس پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ وہ بچوں میں ایک ہیرو کی طرح مقبول ہو گیا ہے۔ پہلے جو کبھی اس کی لاپروائیوں اور شاہ خرچیوں پر ہم سب تنقید کرتے تھے اور اسے اس کی غیر ذمّہ داری پر ٹوکتے رہتے تھے، اس نے بڑی کامیابی سے اپنا یہ تاثر ختم کر دیا ہے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ کیا واقعی وہ اپنی پرانی عادتوں سے چھٹکارا حاصل کر چکا ہے اور سمجھدار اور ذمّہ دار بن چکا ہے یا یہ سب محض فریبِ نظر ہی ہے۔ اگر تو واقعی اس تجربے سے اس کے اندر احساسِ ذمّہ داری پیدا ہوئی ہے، پھر تو بہت اچھا ہے، لیکن مجھے خدشہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اور خاص طور پر نبیلہ، زوار اور اویس کے طور طریقے دیکھ دیکھ کر مجھے اس چیز کی زیادہ فکر ہو رہی ہے کہ یہ تینوں عمیر کو بہت زیادہ آئیڈیلائز کرتے ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عمیر کو گھر کی سربراہی سونپنے سے بچوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ پارلیمان کے ذریعے اپنی سب جائز ناجائز باتیں منوا سکتے ہیں۔ اور یہ ٹی وی کا شوشہ میرے اس خدشہ کی تصدیق کرتا ہے'، وہ ہمیشہ کی طرح اپنے سنجیدہ و نرم انداز میں ٹھہر ٹھہر کر بولے۔

'اور بھائی جان! یہاں ایک بات کی طرف میں بھی آپ کی توجہ دلاؤں۔ اس وقت اگر آپ ٹی وی کے خلاف بولتے ہیں یا کسی بھی طریقے سے بچوں کو اس کے خلاف قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو میرے خیال میں، یہ چیز اگلی ٹرم کی الیکشن میں آپ کے خلاف جائے گی۔ بچوں کی خواہشات کے خلاف ایکشن لے کر آپ ان کے ووٹ عمیر کے حق میں کر دیں گے، جبکہ ابھی سب سے زیادہ اہمیت اس چیز کی ہے کہ اگلے الیکشن میں گھر کی سربراہی آپ کو ملے۔ ایک بار اقتدار ہاتھ میں ہو، پھر تو آپ یقیناً ایسی پالیسیاں نافذ کر سکتے ہیں جن سے ٹی وی کے مفاسد کو قابو کیا جا سکے، بلکہ ان کا سدِباب کیا جا سکے۔ بلکہ ممکن ہے کہ اپنی ٹرم میں آپ اگر ذہن سازی کی طرف توجہ دیں تو ٹی وی کو گھر سے نکالا بھی جا سکے'، جاوید صاحب نے پورا سیاسی نقشہ کھینچ دیا تھا۔

'ہوں......'، ابو بکر صاحب نے ہنکارا بھرا۔ تو کیا ٹی وی کو آنے دوں؟ وہ ایک بار پھر مخمصے میں پڑ گئے تھے۔

'داداجان کے کمرے میں آج پھر بند کمرا کانفرنس جاری ہے'، زوار نے اپنا پیادہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

'ہوں'، عمیر نے بساط سے نگاہ اٹھائے بغیر جواب دیا۔

'یہ ایک ہفتے میں ان کی تیسری مشاورتی نشست ہے'،

'ہوں'،

'اور یقیناً آپ کو یاد ہو گا کہ الیکشن میں اب بمشکل ایک ہفتہ ہی رہ گیا ہے'،

'ہاں، یاد ہے'، اس کا کالا پیادہ اب زوار کے پیادے کے برابر آ گیا تھا۔ وہ اسے ہٹا دینا چاہتا تھا مگر ابھی یہ ممکن نہیں تھا کیونکہ اسے ہٹانے کی صورت میں وہ زوار کی توپ کی زد میں آ رہا تھا۔ ابھی اس مرحلے پر مار دھاڑ سے زیادہ خاموشی سے راستہ صاف کرنے اور بساط کے مرکزی حصوں پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے کی ضرورت تھی۔

'تو چاچو ڈیئر! ذرا اپنی اس بے ہوشی اور بے عملی والی حکمتِ عملی کی حکمت مجھ ناقص پر واضح کریں گے؟'، اس نے زبردستی اپنے لہجے میں سکون اور حلاوت پیدا کی تھی، لیکن اس کے باوجود اس کی جھنجھلاہٹ صاف ظاہر تھی۔ 'کیا اس بار الیکشن جیتنے کا کوئی ارادہ نہیں؟ میدان بالکل خالی چھوڑ دیں؟'۔

'دھیرج بھتیجے! دھیرج۔ اتنی جلدی کس بات کی ہے؟ تمہیں میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ ٹھنڈا کر کے کھایا کرو، ایک تو زبان نہیں جلتی دوسرا مزہ زیادہ آتا ہے'، عمیر نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور پھر اپنے پیادے سے ایک ترچھا قدم اٹھاتے ہوئے زوار کے پیادے کے عقب میں رکھ دیا۔ اب آگے راستہ لمبا تھا، مگر صاف تھا۔ اگر یونہی وہ آگے بڑھتا رہتا تو شاید تھوڑے سے عرصے میں دوسرے کونے میں پہنچ جاتا اور پھر ترقی پا کر وہ ایک اور ملکہ حاصل کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں موجود مبہم سی سٹریٹجی کے نقوش اب واضح ہونا شروع ہو گئے تھے۔

'ابھی کل تو ریفرنڈم جیتا ہے، ابھی اس پر شکر ادا کرو اور فی الحال اسی پر قناعت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ جلد بازی میں ہم بزرگوں کو اس انتہا پر پہنچا دیں کہ پھر اپنی پوری بساط ہی لپیٹ دی جائے۔ اس سے بہتر ہے آرام سے چلو۔ اب ایک موقع حکومت کا ان کو بھی دو اور اس عرصہ میں اس سے اگلی ٹرم کے الیکشن کی تیاری کرو۔ ایک ٹرم میں اقتدار بھائی جان کے ہاتھ میں بھی رہے تو ممکن ہے کہ اس کے بعد ہمارے اقتدار کی تین ٹرمز بھی برداشت کرنا آسان ہو جائے، لیکن اگر ابھی جلدی کی تو یہ بھی ممکن ہے کہ بھائی جان اس پورے کھیل سے ہی توبہ تائب ہو جائیں، تب پھر ہمارے ہاتھ میں کیا رہے گا؟'، عمیر نے تفصیل سے اسے سمجھایا۔

'اچھا، یعنی آپ کے ذہن میں پورا پلان ہے، میں خواہ مخواہ فکرمند ہو رہا تھا'، زوار نے اطمینان کا سانس لیا۔

'پورا پلان تو نہیں ہے، میں حالات کے ساتھ ساتھ ہی حکمتِ عملی وضع کرنے کا قائل ہوں۔ مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ تو سوچ ہی رکھا ہے، تم بے فکر رہو'۔

'آپ بس یہ یقین دلا دیں کہ اس سے اگلی ٹرم ہماری ہو گی تو مجھے کس چیز کی ٹینشن ہے۔ بس چاچو! اپنے پاس پیسے ہونے چاہییں کھلے، اور کوئی روک ٹوک نہ ہو، تو اور کچھ نہیں مانگتا یہ بندہ۔ ابھی صرف چار ماہ ہی ہوئے ہیں مگر ان دو چیزوں کا مزہ ایسا ہے کہ جس کو ان کی چاٹ لگ گئی، اس سے پھر ان کے بغیر نہیں رہا جاتا۔ شروع شروع میں تو اتنا عجیب لگتا تھا، پارلیمان کے ہر

اجلاس میں مجھے دھڑکا ہی لگا رہتا تھا کہ اب ابو حساب کتاب مانگ لیں گے، اب احتساب شروع ہو جائے گا۔ مگر اتنے سے عرصے میں اتنی عادت ہو گئی ہے کھلا خرچ کرنے کی کہ اب ہاتھ روکنا مشکل لگتا ہے۔ مگر ڈر اس بات سے لگتا ہے کہ نجانے کب تک ابو وغیرہ یہ سب برداشت کریں گے، کہیں ان کے صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے اور پھر اپنی شامت.....'، زوار نے انگلیوں سے پستول بنا کر اپنا بھیجا اڑانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

'اتنی فکریں مت پال یار، کچھ نہیں ہوتا.....ابھی تو یہ آغاز ہے پیارے'، عمیر مسکراتے ہوئے گنگنایا۔

نئی ٹرم، نئے الیکشن، نئی حکومت اور نئی کابینہ۔ گھر کے معاملات میں اتنی دلچسپی کسی نے کب لی تھی۔ بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ ان میں سے اکثر کو بیشتر معاملات کا علم تک نہ ہوتا تھا۔ یہ تو اب پتہ چلا تھا کہ کارِ حکومت اور انتخابِ حکومت کس قدر دلچسپ کام ہے۔ الیکشن سے پچھلے ہفتے میں ابو بکر، عثمان اور جاوید صاحب، تینوں ہی اکثر گھر والوں کے درمیان بیٹھے نظر آتے۔ موضوعِ گفتگو بہت وسیع تھا۔ کبھی رسول اللہ ﷺ کے سیاسی حالات اور تدبر و حکمت سے بات چیت شروع ہوتی اور کبھی فکرِ آخرت سے، کبھی 'ادخلوا فی السّلم کافة' کی تفسیر و تشریح ہوتی اور کبھی 'کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی' پر بیان ہوتا۔ ابو بکر صاحب بچوں میں احساسِ ذمّہ داری اور احساسِ جوابدہی پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ انہیں بتاتے کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور زندگی میں ایک مسلمان کی کیا ذمّہ داریاں ہیں۔ ان کا انداز سیدھا سادہ اور آسان تھا۔ وہ بچوں کے سامنے ایک سوال پیش کرتے اور انہی کے جوابات کی روشنی میں اپنا مقصود واضح کرتے۔ وہ پوچھتے 'دنیا کس نے بنائی؟'، اللہ نے، سو اس پر حکمرانی کا حق کس کو ہے؟ ایک اللہ وحدہ لا شریک کو۔ اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کیسے قائم ہوتی ہے؟ اللہ کے نمائندوں کے ذریعے۔ اور اللہ کے نمائندے کون ہیں؟ اللہ کے نیک بندے جو اللہ کو واحد خدا مانتے اور پہچانتے ہیں، جو اللہ کے رسولوں، کتابوں، فرشتوں پر ایمان لاتے ہیں، اور جو یقین رکھتے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ ان سے ان کے اعمال کے بارے میں حساب طلب کریں گے۔ پھر اپنی زندگی کو اسی یقین اور خوف کے ساتھ گزارتے ہیں کہ ایک دن اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ جو اللہ کا بندہ ہوتا ہے، اس پر سچے دل سے ایمان لاتا ہے، اور اس سے محبت بھی کرتا ہے اور ڈرتا بھی ہے، اس بات سے ڈرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کسی عمل کی بدولت اس سے ناراض نہ ہو جائیں، جو ہر لمحہ اللہ کی خوشنودی کا طالب ہوتا ہے، اللہ کی جنت کا متمنی ہوتا ہے، اس کی پکڑ اور سزا سے ڈرتا ہے، ایسا بندہ کبھی کرپٹ نہیں ہوتا۔ اللہ سے اس کا خوف اور محبت اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ چاہے کوئی اس کی نگرانی کرے یا نہ کرے، مگر وہ اپنے ہر قول اور ہر فعل میں صادق و امین ہوتا ہے۔ کرپٹ آدمی، خائن آدمی کی بنیادی پہچان ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ربّ سے غافل ہوتا ہے۔ اس کا دل اپنے مالک کو نہیں پہچانتا، اور اپنے مالک کی رضا یا ناراضگی سے بے پرواہ و بے نیاز ہوتا ہے۔ پھر ایسے شخص کو فرق نہیں پڑتا کہ وہ کسی کا مال ناحق کھاتا ہے، یا کسی کی دل آزاری کرتا ہے یا خود اپنے ربّ کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ چونکہ اس کے دل میں اپنے ربّ کی نہ محبت ہوتی ہے اور نہ خوف، سو وہ اپنے ربّ کے علاوہ سب سے ڈرتا ہے۔ جہاں اس پر دوسروں کی نگرانی ہوتی ہے، وہاں وہ سیدھا رہتا ہے اور جہاں اسے ذرا سی بھی ڈھیل ملتی ہے، وہاں اس کا فسق ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر جیسے جیسے اسے موقع ملتا ہے وہ خیانت کرتا ہے، لوٹ مار کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے، یہاں تک کہ زمین کو ظلم و جبر سے بھر دیتا ہے، اور اس کے لیے اسے اپنے جیسے اور بہت سے ظالم، خائن اور کرپٹ لوگ مل جاتے ہیں۔

سو ضرورت اس چیز کی ہے کہ ہم اپنے آپ کا جائزہ لیں، خود کو اللہ کے نیک اور پسندیدہ لوگوں کی صف میں شامل کرنے کے لیے کوشاں ہو جائیں۔ اور جب اپنے لیے حاکم چنیں تو اس میں بھی کچھ صفات ضرور ڈھونڈیں۔ اپنے اوپر ایسے شخص کو حاکم بنائیں جو اللہ سے ڈرنے والا، اللہ کے احکامات بجالانے والا، اور دنیا سے زیادہ آخرت سے محبت کرنے والا ہو۔

نجانے یہ ان کے دروس کا اثر تھا، یا صرف بچوں کے ساتھ زیادہ وقت بِتانے، ان کی سننے اور اپنی سنانے کا، کہ چند ہی دنوں میں گھر کی فضا میں ایک واضح تبدیلی محسوس ہونے لگی۔ نبیلہ اور فاطمہ کے ہاتھ نیل پالش سے پاک نظر آتے اور وہ نسرین آپا کے ساتھ مل کر گھر کے چھوٹے بڑے کاموں میں مصروف نظر آنا شروع ہو گئیں۔ عثمان صاحب والے پورشن میں بھی جویریہ اور ہادیہ اکثر نماز کے انداز میں دوپٹہ اوڑھے، کبھی تلاوت کرتے اور کبھی بڑی توجہ سے دعائیں مانگتی نظر آتیں۔ ان کی سب سے چھوٹی بیٹی نور تو ویسے ہی فطرتاً سادہ اور صالح طبیعت کی حامل تھی، اس کا عبادات میں اور بھی دل لگنا شروع ہو گیا۔ لڑکوں میں بھی زین، اویس اور صہیب کے سروں پر اکثر ہی نماز والی ٹوپی دِکھنے لگی اور حتیٰ کہ زوار، جو جمعہ کے جمعہ بھی بمشکل مسجد جاتا تھا، دن میں ایک آدھ بار وہ بھی مسجد میں نظر آ جاتا۔ مجموعی طور پہ گھر کا ماحول ایسا ہو گیا جیسا رمضان کے آخری عشرے میں ہوتا تھا، اور الیکشن کی رات تک گھر میں ویسی ہی گہما گہمی پیدا ہو گئی جیسی عید کے انتظار میں چاند رات پہ کیفیت ہو رہی ہوتی ہے۔

ابو بکر صاحب نے اس بار ۲۴ میں سے ۱۷ ووٹ حاصل کیے۔ نتائج کے اعلان پر سب سے اونچا نعرہ زوار کا تھا، اور سب سے پہلے عمیر نے مبارکباد دی۔ عمیر نے نئی حکومت کا خیر مقدم کیا اور بڑی خوشی اور طمانیت کے اظہار کے ساتھ کارِ حکومت اگلے چند دنوں میں نئی حکومت کے سپرد کر دیا۔ ابو بکر صاحب کو تمام خاندانی معاملات سنبھالتے ہوئے تیس برس سے زیادہ عرصہ بیت چلا تھا، لیکن اس بار دوبارہ گھر کا نظام سنبھالتے ہوئے ہر چیز ہی نئی اور اجنبی لگ رہی تھی۔ بہت ساری چیزیں ایسی بھی تھیں جن کے متعلق وہ عمیر اور زوار سے پوچھنا چاہتے تھے، مگر کچھ تو ان کو اتنا وقت بھی نہ ملتا تھا اور کچھ وہ عمیر کی پچھلے چار ماہ کی کارکردگی اور حالیہ رویّے پر اس سے اس قدر خوش تھے کہ اس کی سربراہی میں ہونے والی کوتاہیوں کی نشاندہی کر کے اسے بددل

کرنا نہیں چاہتے تھے۔ قصہ مختصر ابو بکر صاحب خوش تھے، بلکہ صرف وہی کیا، سارا گھر ہی خوش تھا۔ ابا جی، عثمان صاحب اور جاوید صاحب، سبھی مطمئن تھے۔ آخر کار زمامِ حکومت واپس اسی ہاتھ میں آ گئی تھی جہاں اسے ہونا چاہیے تھا، اور اس بار اسے سب کی حمایت بھی حاصل تھی۔ ہاشمی ہاؤس صحیح سمت میں جا رہا تھا۔

جائے نماز پر بیٹھے انہیں کافی دیر ہو گئی تھی۔ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر وہ معمول کی تسبیحات اور شام کے اذکار میں مشغول ہو گئی تھیں۔ ویسے تو ان کا نماز کے بعد فائزہ بیگم کے پورشن کی جانب چکر لگانے کا ارادہ تھا، مگر نماز سے پہلے جو سر میں ہلکا ہلکا درد انہیں محسوس ہو رہا تھا، وہ اب بڑھ گیا تھا، اسی لیے وہ نماز کے بعد بھی کتنی ہی دیر جائے نماز پر بیٹھی رہیں۔ ان کے کمرے کا دروازہ پوری طرح بند تھا، مگر اس کے باوجود لاؤنج سے آنے والے قہقہوں کی آواز سے انہیں سخت کوفت و بیزاری ہو رہی تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ اس وقت سارے بچے لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے صف باندھے بیٹھے ہوں گے۔ باہر سے ہر چند منٹ بعد آنے والی بے تحاشا ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ سب باجماعت ٹی وی بینی میں مصروف ہیں۔ اور انہیں ٹی وی دیکھنے پر اتنا اعتراض نہیں تھا جتنا سب بچوں، لڑکے لڑکیوں کے اکٹھے بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے پر تھا۔ ماشاءاللہ سبھی بچے بڑے تھے، ایسی کوئی ناسمجھی کی عمر تو نہ تھی کہ وہ یوں گھل مل کر بیٹھتے اور کوئی مسئلہ نہ ہوتا۔ ۲۵ سالہ ولید سے لے کر ۱۱ سالہ صہیب تک، سارے ہی اب باشعور تھے۔ حتیٰ کہ جڑواں حسن اور حسین بھی نو سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اور اپنی سمجھ داری بلکہ چالاکیوں اور شرارتوں میں بڑے بڑوں کو پیچھے چھوڑ چکے تھے۔

باہر ایک بار پھر بچوں پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا، اور ان کے قہقہوں کے درمیان 'اللہ توبہ!' کی آواز بتا رہی تھی کہ جویریہ بھی موجود ہے۔ یہ اسی کا تکیہ کلام تھا جو وہ موقع بے موقع استعمال کرتی رہتی تھی۔ اور اگر جویریہ موجود ہے تو یقیناً ہادیہ بھی بہن کے ساتھ آئی ہو گی، اور یہاں سے نبیلہ اور فاطمہ بھی سب بھائیوں کے درمیان صوفوں پر چڑھی بیٹھی ہوں گی۔ کتنا ہی سمجھا لو ان لڑکیوں کو کہ تم لوگوں کا علیحدہ وقت مقرر ہے، اس میں ٹی وی دیکھا کرو، مگر ایک بار جب وہ شیطانی سکرین آن ہو جاتی تھی، تو یہ ساری لڑکیاں سب کام بھول بھال کر اس کے سامنے آ بیٹھتی تھیں۔ اور پھر کچھ بھی کہہ لو، کسی پر ذرا اثر نہیں ہوتا تھا، ایسے جیسے ٹی وی نے ان پر جادو کر دیا ہو یا انہیں ہپناٹائز کر دیا ہو۔ وہ ناگواری سے سوچتے ہوئے اٹھیں۔

باہر آئیں تو حسبِ توقع وہ سب ٹی وی پر نظریں جمائے، دنیا و مافیہا سے بے خبر بیٹھے تھے۔ ٹی وی پر ایک اول جلول سا شخص، ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بھالو پکڑے، عجیب و غریب حرکتیں کرنے میں مصروف تھا، اور اسے دیکھ دیکھ کر وہ سب ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوئے جا رہے تھے۔ ایک صوفے پر قطار میں نبیلہ، فاطمہ، جویریہ اور ہادیہ بیٹھی تھیں، جبکہ دوسرے پر زوار، زین اور اویس کا قبضہ تھا۔ کونے میں پڑے سنگل صوفے پر نسرین بیٹھی تھی اور اس کی گود میں ننھا عبداللہ، ہاتھ میں عبداللہ کے لیے سیریلیک کی پیالی تھی مگر دھیان اس کا بھی سارا ٹی وی کی جانب ہی تھا۔ نیچے قالین پر فلور کشنز رکھے ساری چھوٹی قوم براجمان تھی۔ صہیب، حسن، حسین، شہیر اور بتول، سبھی یہاں موجود تھے۔ حتیٰ کہ بینش بھی دروازے کے قریب ترین صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑی تھیں۔ وہ شاید کسی کام سے یہاں آئی تھیں اور پھر ٹی وی پہ کرتب دکھاتے مداری کو دیکھ کر وہیں رک گئی تھیں۔

'اٹھو بچو! بند کرو اب اسے، عصر کی اذان ہو رہی ہے'، انہوں نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

'ہم نماز پڑھ چکے ہیں امی، اذان دیر سے ہو رہی ہے'، ٹھک سے جواب آیا۔

'اذان کیسے دیر سے ہو رہی ہے، تمہیں کیا پتہ؟! تم زیادہ بڑے امام ہو؟'، انہوں نے کڑھ کر پوچھا۔

'ارے نہیں پیاری ماں! اس میں بھی وہ اختلاف ہے ناں، کچھ لوگ دیر سے اذان دیتے ہیں اور کچھ جلدی، اس لیے ہم سب تو جلدی ہی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ آپ کو تو پتہ ہے اول وقت نماز پڑھنے سے زیادہ اجر ملتا ہے'، زین نے ان کے طنز کا برا منائے بغیر مسکرا کر جواب دیا، بس ایک لمحہ ان کی جانب دیکھا اور پھر اس کی نظریں دوبارہ سکرین پر مرکوز ہو گئیں۔

'مگر بیٹا، اذان کا اتنا ادب تو کیا کرو کہ جب اذان کی آواز آئے، اس وقت اس شور شرابے کو بند کر دیا کرو'،

'امی اس میں موسیقی نہیں ہے'،

'مگر پھر بھی بیٹا.....!'، وہ زچ ہو گئی تھیں۔ اور پھر اس سے پہلے کہ کوئی اور کچھ کہتا یا مزید اختلاف کرتا، یکا یک ٹی وی بند ہو گیا تھا۔ ریموٹ حسبِ معمول زوار کے ہاتھ میں تھا۔ ٹی وی بند ہونے کے ساتھ ہی کمرے کی فضا میں ایک واضح تبدیلی آئی تھی۔ سب جیسے کسی طلسم سے آزاد ہوئے تھے، وہ نظریں جو اس سے پہلے سکرین سے چپکی ہوئی تھیں، اب دائیں بائیں بغلیں جھانک رہی تھیں۔ چہروں پر پھیلی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی اور ایک بے چینی اور بدمزگی سی کمرے میں پھیل گئی تھی، گویا سب کسی ایسے طلسم میں جکڑے ہوئے تھے جس سے وہ آزاد ہونا نہیں چاہتے تھے۔ گو کہ کسی نے کچھ کہا نہیں تھا، نہ ہی کسی طریقے سے خفگی کا اظہار کیا تھا، مگر اس کے باوجود صولت بیگم کو محسوس ہوا کہ سب ہی ان کے جانے اور اذان کے جو چند کلمات رہ گئے تھے، ان کے مکمل ہونے کے منتظر ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی جگہ چور سی بن گئی تھیں۔ بینش اب شہیر اور بتول کو اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

'آؤ ناں بینش، کھڑی کیوں ہو، آ کر بیٹھو'، انہوں نے کونے میں کھڑی بینش کو دعوت دی۔

'جی؟'، بینش ہلکا سا چونک کر بولیں، 'نہیں آپا، میں تو رات کے لیے کھانا پکا رہی تھی، ان دونوں کو لینے آئی تھی، کہا بھی تھا کہ آدھے گھنٹے میں خود ہی آ جانا، مگر یہ اس قدر رکتے ہیں، اثر کہاں ہوتا

ہے'۔ صولت بیگم نے محسوس کیا کہ بینش قدرے الجھی ہوئی اور ناخوش ہے۔ ناخوشی کی وجہ کیا ہے، یہ تو وہ سمجھ نہ پائی تھیں، پھر بھی ماحول پر چھائی غیر محسوس سی کلفت ختم کرنے کی اپنی سی کوشش کی، 'کوئی بات نہیں، کھانا تو بنتا ہی رہے گا، تم آؤ بیٹھو، میں تو خود تمہاری طرف آنا چاہ رہی تھی مگر ان سب کے اس شور شرابے سے آج پھر سر میں ہلکا سا درد شروع ہو گیا۔ خیر تم خود ہی آگئیں، بہت اچھا کیا، اب کچھ دیر تو بیٹھو'۔

'نہیں آپا! اِن کے بھی آنے کا وقت ہو رہا ہے، میں نے بھی یہاں کھڑے کھڑے اتنا وقت ضائع کر دیا، بس میں چلتی ہوں۔ اٹھو بتول، شہیر! چلو گھر چلو!'، بینش اسی طرح خفا خفا سے انداز میں بولیں اور بچوں کو زبردستی اٹھانے لگیں۔ بچے بھی بالکل اٹھنا نہیں چاہ رہے تھے، ان کو بھی شاید ٹی وی کے دوبارہ آن ہونے کی امید تھی، چار و ناچار اٹھے تو ماں سے ناراض ہوتے ہوئے مجبوراً سست قدموں اور بگڑے تیوروں کے ساتھ گھر کی طرف چلے۔ 'اماں جویریہ اور ہادیہ آپی بھی تو بیٹھی ہیں'، کمرے سے نکلتے ہوئے بتول نے دہائی دی تھی۔

نسرین اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے تیزی سے طفیل ہاشمی صاحب کے لیے ٹرے تیار کر رہی تھیں۔ گرم دودھ میں ذرا سی پتی ڈال کر ہلکی سی دودھ پتی تیار کی، ان کی دوائیاں ٹرے میں رکھیں اور اس کے ساتھ کلونجی ملے شہد کی شیشی، جس میں سے وہ روز ایک چمچ کھاتے تھے۔ آج چونکہ انہوں نے دوپہر کا کھانا بھی نہ کھایا تھا، اس لیے وہ ان کے لیے ساتھ میں تھوڑا سا پسا ہوا ستو بھی بنا رہی تھیں۔ ستو کو ہلکا سا بھون کر ایک پلیٹ میں نکال لیا، داداجان اس میں دودھ پتی گھول کر شوق سے پیتے تھے۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے، وقت تو بہت زیادہ نہیں ہوا تھا، مگر معمول کی نسبت دیر ہو گئی تھی۔ اور آج تو داداجان نے دوپہر کو بھی کچھ نہ کھایا تھا، بس صبح کا ناشتہ ہی کیا ہوا تھا، اس لیے انہیں دیر ہو جانے کا زیادہ افسوس ہو رہا تھا۔

وہ ٹرے لیے داداجان کے کمرے میں پہنچیں تو وہ کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھے۔ انہیں دیکھ کر ہمیشہ کی طرح وہ کِھل اٹھے تھے، کتاب فوراً بند کر کے سائیڈ پر رکھی اور ان کے استقبال میں اٹھ کر بیٹھ گئے۔

'آ گئی میری بیٹی، آج کل تو آپ بہت مصروف رہنے لگی ہیں'، انہوں نے اپنے پیار بھرے انداز میں ہلکا سا شکوہ کیا۔

'بس داداجان، معذرت آج اتنی دیر ہو گئی'، وہ ان کے سامنے ٹرے رکھتے ہوئے ندامت سے بولیں، پھر کھڑکی کے پردوں کو ان کی بندشوں سے آزاد کر کے برابر کرنے لگیں۔

'اونہوں!'، ان کی معذرت پر دادا جان نے خفگی سے انہیں گھورا تھا۔ یوں تو سارے ہی بچے انہیں عزیز تھے اور سبھی سے دوستی تھی، مگر نسرین پہلی پوتی تھیں، اور اس حیثیت سے ان کی چہیتی و لاڈلی بھی تھیں۔ اگر باقی سب عزیز تھے، تو وہ عزیز ترین تھیں، باقی سب انہیں بہت پیارے تھے مگر وہ محبوب تھیں۔ پھر خصوصاً دادی جان کے انتقال کے بعد تو وہ ان کی سہیلی بھی بن گئی تھیں۔

'اب آ بھی جاؤ ناں، بھوک لگ رہی ہے'، اتنی عادت ہو گئی تھی نسرین کی کہ اس کے بغیر کھانا بھی نہ کھایا جاتا تھا ان سے، سو رات کا کھانا وہ دونوں دادا پوتی عموماً اکٹھے ہی کھاتے تھے۔ عبد اللہ، نسرین کا تین سالہ بیٹا، بھی ان کے ساتھ شریک ہوتا، اور وہ طفیل ہاشمی، جو اپنی نفاستِ طبع کے ہاتھوں مجبور، صفائی ستھرائی کے معاملے میں حد سے زیادہ حساس تھے، انہیں کبھی محسوس ہی نہ ہوتا کہ عبد اللہ کھانے کے ذرّات ان کے بستر پر گرا رہا ہے یا گلاس سے پانی پیتے ہوئے اس میں اضافے بھی کرتا جا رہا ہے۔ کبھی کبھی انہیں خیال آتا کہ نسرین نے اپنے گھر بھی جانا ہے، یا تو اپنے میاں کے پاس کینیڈا، یا پھر ارشد کی وطن واپسی کی صورت میں اپنے سسرالی گھر، تو یہ سوچ کر ہی انہیں بے چینی ہونے لگتی، اور وہ اداسی میں گھِر جاتے، مگر بہر حال نسرین ان کی بیٹی تھیں، اور بیٹیاں والدین کو اپنے گھروں میں خوش خوشحال ہی اچھی لگتی ہیں۔

'فون آیا تھا ارشد کا؟'، انہوں نے خیال آتے ہی پوچھ لیا۔

'نہیں، ابھی تو چند دنوں سے کوئی فون نہیں کیا انہوں نے'، نسرین کے ستو گھولتے ہاتھ سست پڑ گئے تھے۔

'ہوں، مصروف ہو گا۔ خیر، تم بھی تو کتنے دن ہو گئے، ان کی طرف نہیں گئیں۔ تمہیں چکر لگا لینا چاہیے بیٹا'، ان کا اشارہ نسرین کے سسرال کی جانب تھا۔

'آنٹی اور سندس کراچی گئی ہوئی ہیں داداجان، میں نے بتایا تھا ناں آپ کو، اسی لیے نہیں گئی۔ وہ آئیں گی تو چکر لگا لوں گی'، انہوں نے ستو کی پلیٹ داداجان کے سامنے رکھ دی۔

'بیٹی، تم پریشان ہو کیا؟'، انہوں نے بغور ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے سوال کیا جس پر نسرین نے نظریں اٹھا کر ان کی جانب دیکھا اور ان کے بزرگ چہرے پر اپنے لیے پریشانی اور تفکر کے آثار دیکھ کر فوراً اپنے چہرے سے ہر قسم کی پریشانی و اداسی مٹا کر ہنس پڑی تھیں۔ 'پریشان تو ہوں داداجان، کیونکہ نہ آپ خود کھانا کھا رہے ہیں، نہ مجھے ہی دعوت دے رہے ہیں'۔

'تمہیں کس لیے دعوت دوں میں؟ سارا اچھا اچھا کھانا تو تم ادھر کچن میں ہی ہضم کر آتی ہو، پھر یہاں آ کر مجھ سے بھی مانگتی ہو'، وہ بھی فوراً اپنی جون میں لوٹ آئے تھے۔

'ایک تو داداجان، آپ یہ چارلز ڈِکنز کے 'سکروج' والا کردار مت اپنایا کریں، اتنی کنجوسی مکھی چوسی بالکل نہیں سجتی آپ پر'،

'واہ! اپنا مطلب پڑے تو مجھے حاتم طائی بھی بنا دیتی ہو، اور ابھی سکروج...... بس بیٹا، جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے'، ان کی نوک جھونک شروع ہو گئی تھی۔ چند لمحے پہلے نسرین کے چہرے پر جو فکر مندی کے بادل چھائے تھے، وہ اب بالکل چھٹ چکے تھے، وہ ہمیشہ کی طرح ہنستی مسکراتی باتیں کر رہی تھیں، انہیں چھیڑ رہی تھیں مگر اس کے باوجود، وہ چند لمحے قبل کی

اداسی جو ان کے چہرے پر چھائی تھی، طفیل صاحب کے دل سے لپٹ گئی تھی۔ 'ابو بکر آئے تو اس سے بات کرتا ہوں'، انہوں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا۔

مئی......جون......اور پھر جولائی۔ کیا ابھی تک صرف جولائی تک ہی پہنچے تھے وہ۔ اور ابھی تو جولائی شروع ہوا ہے۔ پھر آخر اتنی تھکاوٹ کیوں ہو رہی تھی۔ صبح کا وقت تھا، وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی سو کر اٹھے تھے۔ رات میں نیند نہ آئی تھی، ہلکی پھلکی اونگھ آ بھی جاتی تو فوراً آنکھ کھل جاتی۔ پھر وہ صبح فجر کی نماز پڑھ کر ہی کچھ دیر صبح سے سوئے تھے۔ اور پھر جاگے تو اٹھ کر لاؤنج میں آ بیٹھے۔ لاؤنج میں سناٹا تھا، بچے سب ہی اپنے اپنے سکول کالج کی جانب روانہ ہو چکے تھے۔ انہیں چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ ابھی چند منٹ پہلے ہی انہیں لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر صولت بیگم ان سے ناشتہ اور چائے کا پوچھ کر گئی تھیں، اور انہوں نے دونوں سے ہی انکار کر دیا تھا، یہ کہتے ہوئے کہ دل نہیں چاہ رہا۔ اور ان کے جاتے ہی انہیں چائے کی شدت سے طلب محسوس ہونا شروع ہو گئی تھی۔

بکھری، منتشر سوچیں اور بھٹکتی نگاہیں......ٹی وی پر آ کر جم گئی تھیں۔ اس کی بڑی سی سکرین بجھی ہوئی تھی، مگر چھت پر جلتی لائٹ کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ چمکتا اندھیرا......اس کی چمکتی تاریکی ہی تھی جس کی چکاچوند ان کے گھر اور زندگی میں مہیب سائے پھیلا رہی تھی۔ ٹی وی کی خالی سیاہ سکرین کی طرف دیکھتے ہوئے یکایک ان کے دل میں ایک شدید خواہش ابھری تھی، کوئی بھاری بھر کم سی چیز اٹھا کر اسے دے مارنے کی۔ لمحہ بھر کو ان کی نگاہیں ایسی کسی بھاری بھر کم چیز کی تلاش میں بھٹکیں، اور سامنے میز پر رکھے کرسٹل کے بھاری گل دان پر آ کر ٹھہر گئیں۔ وہ اتنا بھاری تھا کہ اگر سکرین پر پوری قوت سے مارا جاتا تو شاید اسے چکنا چور کر دیتا......یا کم از کم چند اچھے خاصے سکریچ تو ضرور ڈال دیتا......مگر اگلے ہی لمحے انہوں نے ٹھٹک کر اپنی جارحانہ سوچوں پر خود کو سرزنش کی۔ وہ حیران تھے کہ ان کے اندر اتنی فرسٹریشن کیوں جمع ہو رہی ہے۔ وہ ایک پڑھے لکھے باشعور انسان تھے، عمر کا اچھا خاصا حصہ گزار چکے تھے، فطرتاً بھی ٹھنڈے مزاج کے حامل تھے اور جانتے تھے کہ زندگی میں جوش کی نسبت ہوش سے کام لینا مناسب ہوتا ہے۔ مگر اس وقت انہیں اپنا سب سے بڑا دشمن اور اپنے تمام مسائل کی جڑ یہ ٹی وی ہی لگ رہا تھا۔

کتنا کہا تھا انہوں نے کہ ایک دفعہ اس فتنہ کو گھر لے آئے تو اس سے چھٹکارا پانا مشکل ہو جائے گا۔ اور آج اپنے ہی لفظوں کی حقانیت انہیں افسوس اور پچھتاوے میں مبتلا کر رہی تھی۔ سب سمجھتے ہوئے، جانتے بوجھتے ہوئے کیوں وہ راضی ہو گئے تھے ٹی وی خریدنے پر۔ محض جمہور کی رائے کے احترام میں۔ انہوں نے تھک کر اپنا سر صوفے سے ٹکا دیا تھا۔ انہوں نے سوچا تھا کہ وہ ایسے سخت اور صریح قوانین بنائیں گے کہ ٹی وی کے مفاسد بالکل اثر انداز نہ ہو پائیں گے۔

پورے دن میں صرف ایک گھنٹہ، اور وہ بھی رات نو بجے، خبر ناموں کے اوقات میں۔ اس میں بھی موسیقی وغیرہ کی وجہ سے آواز کا والیوم ہلکا ترین، یا بالکل بند رکھا جائے گا۔ ریموٹ کنٹرول ہمیشہ کسی بڑے اور ذمہ دار شخص کے ہاتھ میں رہے گا جو نظر رکھے گا آیا کہ ٹی وی پر دیکھا جانے والا مواد بچوں کے اخلاق و کردار کے لیے مفید ہے بھی یا نہیں۔ مگر ایں خواب است و خیال است و جنوں است و محال است......

سب سے پہلے تو تمام اہلِ خانہ کے مختلف اوقات و مصروفیات کے باعث کوئی ایک وقت معین کرنا ہی جوئے شیر لانے کے مترادف ثابت ہوا۔ دن کے دو تین بجے تک تو کوئی وقت مقرر کرنا ممکن ہی نہ تھا کہ اس وقت تقریباً سب ہی اپنے اپنے تعلیمی اداروں میں ہوتے اور گھر کی خواتین اپنے روزمرّہ کے کاموں میں مشغول ہوتی تھیں۔ اسی طرح مغرب کے بعد کا وقت سب نے اگلے دن کی تیاری کرنی ہوتی تھی، کسی نے اسائنمنٹ مکمل کرنی ہے اور کسی نے امتحان کی تیاری۔ اور پھر وہی کھانے کا وقت بھی اور اکٹھے مل کر بیٹھنے کا بھی۔ اور اس میں پھر صولت بیگم کا اصرار کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ وقت مقرر کیا جائے۔ یوں کل ملا کر تین اوقات مقرر کیے گئے۔ دوپہر تین سے چار بجے؛ لڑکوں کا وقت، چار سے پانچ بجے؛ لڑکیوں کا وقت، اور رات ۹ سے ۱۰ بجے؛ بڑوں کا وقت۔ مگر اس کے باوجود ٹی وی اپنے مقررہ اوقات سے زیادہ ہی چلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اور اس کی وجہ سے ہر وقت ان کے لاؤنج میں سب کا اکٹھ، ہنسی مذاق اور شور شرابا، چند دنوں بعد ہی صولت بیگم اور اباجی، دونوں ہی ان سے شکوہ کناں تھے۔

دوسرا مسئلہ موسیقی کا تھا۔ اول تو بچوں نے انہیں بتایا کہ وہ خود ہی اتنے سمجھ دار و سعادت مند ہیں کہ موسیقی والی فلمیں دیکھنا انہیں خود بھی پسند نہیں۔ سو صرف ٹام اینڈ جیری، مسٹر بین اور چارلی چپلن کی خاموش فلموں جیسی فلمیں ہی 'بطور تعمیری تفریح' وہ دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ اور جب کبھی وہ بچوں کے ساتھ بیٹھتے اور موسیقی کی آواز سنتے ہی ٹی وی بند کرنے کا اشارہ کرتے، تو معلوم ہوتا کہ جسے وہ موسیقی سمجھ رہے ہیں وہ تو دراصل ساؤنڈ ایفیکٹس ہیں یا بتایا جاتا کہ یہ تو محض ووکلز (vocals) ہیں۔ ان کے درمیان موجود باریک فرق وہ سمجھنے اور اس کی تمیز کرنے سے قاصر تھے اور ان کے پاس بچوں پر اعتماد کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ یقیناً اصل موسیقی کو پہچانتے ہیں اور سنتے ہی اس کا سدِّباب کرتے ہیں۔ اور کم از کم سنسر شپ میں تو بچوں کی صلاحیت ہر شک سے بالا تھی۔ نجانے دیکھتے دیکھتے ہی وہ کیسے بھانپ لیتے تھے اب کوئی غیر اخلاقی حرکت رونما ہوا ہی چاہتی ہے، اور کھٹاک سے چینل تبدیل ہو جاتا۔ مگر پھر بھی وہ الجھن میں مبتلا رہتے، سکون اور اطمینان رخصت ہو گیا تھا اور ایک خلش تھی دل اور ضمیر میں، جو ان کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔ اور مسئلہ یہ تھا کہ باوجود بے انتہا غور و فکر کے، وہ سمجھ نہ پا رہے تھے کہ وہ کہاں غلطی کر رہے ہیں، کیوں سب کچھ الٹا ہوا جا رہا ہے۔

نذیر اور پرویز، دونوں نے ہی یکایک تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ کر دیا تھا۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی میں ان کے لیے اپنی موجودہ تنخواہ اور مراعات میں گزارا کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ دوسری طرف عثمان

صاحب اور جاوید صاحب کو بھی غیر معمولی طور پر آئے دن ہی کوئی نہ کوئی مسئلہ درپیش رہنے لگا تھا۔ کبھی کوئی ورکر ناراض ہو کر چھوڑ کر چلتا بنتا تو کبھی کسی کسٹمر کو شکایت ہوتی۔ تاجر یونین کو ان سے علیحدہ شکایات تھیں۔ وہ دونوں ان کے پاس آتے مشورہ کے لیے تو وہ خود جو گھر کے کتنے ہی معاملات ان سے مشورے کے لیے سنبھالے بیٹھے ہوتے، نہ ان کی کوئی مدد کر پاتے اور نہ اپنے ہی معاملات سلجھا پاتے۔ انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی گھر تھا، اور وہی افراد تھے، اور وہ بھی وہی تھے، پھر ایسا کیا بدلا تھا کہ ان سے کوئی بھی معاملہ درست انداز سے سنبھالا نہیں جارہا تھا۔ چند دن پہلے جب صبح کالج جاتی فاطمہ کو صولت بیگم نے تیز خوشبو لگانے پر ٹوکا تھا تو وہ اچانک ہی ماں پر بگڑ گئی تھی۔ 'ایک تو اس گھر کے لوگوں کو 'ہٰذا حرام'، 'ہٰذا حرام' کے علاوہ دین میں کچھ نظر ہی نہیں آتا'، اس کی بڑبڑاہٹ سن کر وہ دنگ رہ گئے تھے تو صولت بیگم ان کے سامنے شرمندہ۔

مگر اصل جھٹکا تو انہیں کل لگا تھا جب جاوید صاحب ان کے پاس آئے تھے اور مزید ایک ٹی وی خریدنے کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ کہتے ہوئے کہ ٹی وی چونکہ ابو بکر صاحب کے پورشن میں ہے اس لیے عثمان صاحب اور خود ان کی فیملی کو مشکل پیش آتی ہے۔ ایک تو ہر وقت ان کے پورشن میں لگے جمگھٹے سے خود ان کے گھر والوں کو بھی تکلیف ہوتی ہو گی اور دوسرا چونکہ دوسرے پورشن کے افراد اپنی مصروفیات وغیرہ میں سے وقت نکال کر یہاں آتے ہیں تو اس سے ان کے لیے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ وہ چھوٹے بھائی کا مسئلہ چاہ کر بھی صحیح طرح سمجھ نہ پائے تھے۔ جاوید صاحب پریشان تھے، الجھے ہوئے تھے، کچھ کچھ شرمندہ بھی لگتے تھے اور بیزار بھی۔ 'بس بھائی، ایک ٹی وی اور لے آتے ہیں اور اس قضیہ سے جان چھڑاتے ہیں'، انہوں نے کہا تھا، جبکہ ابو بکر صاحب کو سمجھ نہ آرہا تھا کہ اس طرح جان چھوٹے گی یا مزید پھنس جائے گی۔

پھر انہیں نسرین کی بھی پریشانی تھی۔ چند دن پہلے انہوں نے ارشد سے بات کی تھی، چار سال ہو چلے تھے اور نسرین کے کاغذات کینیڈین سفارت خانے میں ایک دفتر سے دوسرے میں گردش میں تھے، مگر ویزا ملنے میں کوئی پیش رفت نہ ہو پا رہی تھی۔ حالانکہ لوگ کہتے تھے کہ کینیڈا کا ویزا حاصل کرنا دیگر ممالک کی نسبت آسان اور سہل ہے۔ ارشد سے بات کی تو پہلے تو انہیں محسوس ہوا کہ وہ انہیں ہمیشہ کی طرح ٹال رہا ہے، پھر ان کے اصرار پر آخر وہ بتانے لگا کہ ویزا ملنے میں اصل دشواری کیا ہے۔ ارشد کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا، اور ڈیڑھ سال پہلے اس نے بعض دوستوں کے کہنے پر پاکستان سے تلسی، جوشاندہ اور پان مصالحہ کے ساشے ایکسپورٹ کیے تھے۔ مگر کینیڈین پورٹ پر کسٹم چیکنگ کے دوران وہ منشیات کے زمرے میں پکڑے گئے اور کینیڈین حکّام نے نہ صرف اس کا پورا کارگو غرق کر دیا تھا بلکہ اس پر مقدمہ بھی دائر کر دیا اور اس کا بزنس لائسنس بھی منسوخ کر دیا تھا۔ پچھلے ڈیڑھ سال سے وہ اس مسئلے کو سلجھاتے سلجھاتے وہیں کا ہو کر رہ گیا تھا، اور اس کے باوجود اب تک اس کی بیوی اور بچے کے کاغذات زیرِ غور تھے۔

ابو بکر صاحب حیران تھے کہ ڈیڑھ برس سے ارشد اس مسئلے میں الجھا ہوا تھا اور اس نے آج تک ان سے ہلکا سا تذکرہ تک نہ کیا تھا۔ بے شک ان کی شخصیت بہت گھلنے ملنے والی نہ تھی اور وہ سبھی سے ذرا فاصلہ رکھ کر تعلق بناتے تھے، اور ارشد اپنی جگہ کم آمیز اور خاموش طبع تھا، پھر بھی اس معاملے کو ان سے چھپائے رکھنے اور مدد طلب نہ کرنے پر انہیں بہت ملال ہوا تھا۔ ہلکا سا شکوہ بھی کیا مگر داماد کو کتنا کہا جا سکتا ہے، جواب میں ارشد خاموش ہی رہا تھا۔ اگلے ہی دن انہوں نے اپنے جاننے والوں سے کہہ سن کر اس معاملے میں اپنی کوششوں کا آغاز کر دیا تھا۔

'پیپ۔ پیپ۔۔۔ پووووں۔۔۔ پاااااں ں!!'، انہوں نے چونک کر سر اٹھایا۔ عبد اللہ صوفے اور میز کے درمیان ان کی ٹانگوں کے پاس بیٹھا تھا اور انہیں خفگی سے گھور رہا تھا۔ 'نانا ابّا! گالی آلئی اے (گاڑی آ رہی ہے)'۔ انہوں نے بے اختیار اپنی ٹانگیں سمیٹ کر اسے گزرنے کا راستہ دیا۔ اس نے ولید کے بڑے بڑے بوٹ پہن رکھے تھے اور سر پر اپنی نانی کی سب سے چھوٹی پتیلی اوندھی رکھی ہوئی تھی، گویا ٹوپی کی طرح اوڑھ رکھی تھی۔ بالائی ہونٹ پر نجانے کس نے موٹے کالے مارکر سے ہٹلر جیسی مونچھیں بنا دی تھیں۔

'یہ تم کیا بنے ہوئے ہو؟'، اس کے عجیب و غریب حلیے پر وہ پوچھے بنا نہ رہ سکے تھے۔

'میں ٹیمپ (ٹریمپ) ہوں نانا ابّا!، چارلی ٹیمپ!'، عبد اللہ نے جواب دیا۔

(جاری ہے ان شاء اللہ)

بقیہ: مع الأستاذ فاروق

پھر آج تو اس اختلاف کی گنجائش بچتی ہی نہیں ہے کہ نفاذِ شریعت کے لیے دعوت و جہاد کا علم بلند کرنے والوں کے خلاف 'ریاستی بیانیے' 'پیغامِ پاکستان' پر کہیں نشاط اور کہیں اکراہ کے ساتھ تمام مکاتبِ فکر کے حضرات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ حیرت ہے کہ مجاہدین میں کوئی سلفی ہو تو مجاہدین پر انگلیاں اٹھائی جائیں، کوئی دیوبندی ہو تو مخالف انگلی اٹھائے، کوئی کسی اور تنظیم کے پس منظر سے آئے تو سبّ و شتم کا شکار ہو...... جبکہ آج دشمنِ دین و شریعت، امریکی 'ساختہ' اسلام پر اہلِ سنت کے تمام مکاتبِ فکر کو جمع کر رہے ہیں اور ان کو 'رافضیوں' اور 'غامدیوں' کے ساتھ بٹھا رہے ہیں...... اس پر کوئی انگلی نہیں اٹھاتا، کسی کو کوئی اعتراض نہیں۔ یعنی مسئلہ اس بات پر ہے کہ اہلِ حق مختلف پس منظروں اور مکاتبِ فکر سے 'حق' پر جمع نہ ہوں، باطل پر جمع ہونے کی آزادی ہے بلکہ اس کے لیے سہولت کاری بھی کی جاتی ہے۔

اللہ پاک ہم سب کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دے، آمین یا ربّ العالمین۔

و آخر دعوانا أن الحمدلله ربّ العالمین۔ و صلی الله علی نبینا و قرة أعیننا محمد و علی آله و صحبه و من تبعهم بإحسان إلی یوم الدین۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

پاکستانی عدالت نے سنگین غداری کیس میں سابق پاکستانی آرمی چیف جنرل پرویز مشرف کو سزائے موت سنادی

مشرف کیس کو دوبارہ بیان کرنا ہمارا موضوع نہیں پھر بھی کچھ ذکر اس سزا اور عدالتی فیصلے کا اور پھر کام کی بات۔ 2007ء میں لگائی گئی ایمرجنسی اور ججوں کی معطلی کو بنیاد بنا کر پرویز مشرف کے خلاف یہ مقدمہ ایک خصوصی عدالت میں چل رہا تھا جس کے تین رکنی بنچ میں سے دو ججوں نے مجرم پرویز مشرف پر پاکستانی آئین سے سنگین غداری کا جرم ثابت ہونے پر پھانسی دینے حکم دے دیا۔ ایک جج وقار احمد سیٹھ نے یہاں تک فیصلہ دیا کہ اگر مجرم حراست میں آنے سے پہلے مر جائے تو اس کی لاش کو گھسیٹ کر لایا جائے اور اسلام آباد کے ڈی چوک میں تین دن تک لٹکا رہنے دیا جائے۔ فیصلے کے پیرا نمبر 56 میں عدالت نے یہ بھی کہا کہ مشرف کے غیر قانونی اقدامات کا حصہ بننے والے یا ان اقدامات پر خاموش رہنے والے تمام اعلیٰ افسران بھی اپنے حلف سے غداری کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اس فیصلے کے فوراً بعد ملک بھر میں ''خلائی مخلوق'' اور ان کے وظیفہ خواروں کی دوڑیں لگ گئیں۔ پاکستانی فوج کے ترجمان نے اس پر پہلے تو بیان جاری کیا اور تفصیلی فیصلے کے بعد پوری خصوصی پریس بریفنگ ہی منعقد کر ڈالی جس کا لب لباب یہ ہے کہ یہ فیصلہ فوج کے وقار اور عزت پر اندرونی دشمنوں کا ایک آہنی حملہ ہے اور اس فیصلے سے فوجی جوانوں اور افسران میں شدید غم و غصہ پایا جاتا ہے۔ ملک بھر میں نامعلوم افراد نے پرویز مشرف کے حق میں فلیکس (بینر) آویزاں کیے اور وظیفہ خوار افراد نے قومی ٹی وی چینلز پر اس فیصلے کی مذمت کی۔ بہر صورت واقعہ جو بھی ہو مجاہدین اس مروج آئین کو اسلام سے متصادم سمجھتے ہیں اور اس کے مقابل شریعت محمدیہ کا نفاذ چاہتے ہیں اور اسی کے لیے بحمد اللہ پورے برصغیر میں برسرپیکار بھی ہیں۔ مگر آج اسی آئینی نظام کے ذریعے پرویز مشرف کے خلاف آنے والے فیصلے پر مجاہدین کے نظریاتی مخالفین اور پاکستانی فوج کے سپاہیوں سبھی کو سوچنا چاہیے کہ جس شخص نے اس ملک اور اس کی افواج کو اسلام کے خلاف جاری اس جدید جنگ میں جھونکا، اس کے جرائم کی سزا اس قانون کی نظر میں بھی موت ہی ہے جس کی حرمت و حفاظت کے گن مجاہدین مخالف قوتیں ہمیشہ سے گاتی آئیں ہیں۔ جبکہ ہمارے نزدیک پرویز مشرف کا سب بڑا جرم اللہ رب العزت سے بغاوت، اللہ کے اولیا علما و مجاہدین سے جنگ ہے جس کی دنیاوی سزا وہ بھگت ہی رہا ہے اور اخروی سزا عنقریب اذیت ناک موت کے بعد اس کی منتظر ہے۔

حریم شاہ اور صندل خٹک کی وزرا اور پی ٹی آئی ورکرز کے خلاف ثبوت منظر عام پر لانے کی دھمکی

یہ دونوں عورتیں ٹک ٹاک سٹار ہیں۔ ٹک ٹاک ایپ جو فحاشی و عریانی کی ترویج کے لیے مشہور ہے۔ یہ عورت حریم شاہ ایک مدت وزیر اعظم ہاؤس اور پارلیمنٹ لاجز میں رہائش پذیر رہی ہے۔ وزیر اعظم سیکرٹیریٹ میں عین عمران خان کے لیے مختص کرسی پر بیٹھے اس کی ویڈیوز سوشل میڈیا پر عام ہیں۔ یہ اپنی غیر اخلاقی حرکات پر تمام اعلیٰ سرکاری 'شوقین' حضرات کی آنکھوں کا تارا ہے۔ ابھی اس نے وفاقی وزیر ریلوے شیخ رشید کی ویڈیو چیٹ اور ایک آڈیو کال لیک کی ہے۔ جس پر حکومتی حمایتیوں اور پی ٹی آئی میڈیا سیل کے کارکنان نے اسے شدید لعن طعن کی جس پر اس نے غصے میں عمران خان تک کے راز افشا کرنے کی دھمکی دی گو کہ وہ بیان تو فوراً ہی بدل لیا لیکن پی ٹی آئی قیادت اور وزرا کے متعلق بیان میڈیا نے بھی نشر کیا۔ اس نے ویڈیو کال میں شیخ رشید سے جو گفتگو کی وہ یہاں ناقابلِ رقم ہے۔ حکومتی کارندوں کے اس قدر سرِ بازار تذلیل پر بھی اس کو سرکاری رہائش گاہ سے نہیں نکالا جاسکا، العیاذ باللہ۔

محترم قارئین کرام! بالفرض اگر یہ حکومت و نظام پارسا، نیک ایماندار لوگوں پر بھی مشتمل ہوتا اور وہ لوگ نظام شریعت لاگو نہ کرتے بلکہ سیکولر اور کفریہ قوانین ہی کے پیرو رہتے تو بھی ہم پر فرض ہوتا کہ ہم آگے بڑھ کر یہ سارا نظام اس کے محافظوں سمیت تباہ و برباد کر دیں۔ مگر سبحان اللہ! سرزمینِ پاکستان پر مسلط یہ واضح کفریہ نظام، اور اس کے یہ فحش و غلیظ، بدکردار ہرکارے...... پھر مہنگائی و بدعنوانی کا ملک کی تاریخ میں سب اونچا گراف۔ مملکتِ خداداد کے صاحبانِ عقل کو اس نظام کو ڈھانے کا سوچنا چاہیے اور اس کی خاطر اپنے مجاہد بیٹوں کی تائید و نصرت کرنی چاہیے۔

قادری کیس پر جنرل راحیل کا پیغام ملا کہ ''آپ کو سکیورٹی دیں گے''، چیف جسٹس (ر) آصف سعید کھوسہ

اس بات کا انکشاف جسٹس کھوسہ نے صحافیوں سے اپنی ایک غیر رسمی گفتگو میں کیا۔ گو کہ اسلامیان پاکستان بالعموم تو اس فوج کا کردار جانتے ہی ہیں مگر ہونے والا یہ انکشاف اس اسلام دشمن فوج کے لیے اب بھی نرم گوشہ رکھنے والے سادہ لوح اہل ایمان کے لیے یاد دہانی ہے۔ اہلِ اسلام اور نفاذِ شریعت سے دشمنی تو اس فوج کو ویسے ہی ورثے میں ملی ہے مگر ناموس رسالت اس فوج کے خصوصی اہداف میں شامل ہے۔ ممتاز قادری رحمہ اللہ کی پھانسی اس کی

واحد مثال نہیں ہے بلکہ بھینسا گروپ اور دیگر گستاخان رسول کو اسی فوج کے خفیہ اداروں نے رہا کر کے دیگر ممالک میں روانہ کیا۔ بلکہ اس زمانے میں یہ بیان بھی ذرائع ابلاغ پر چلتا رہا کہ 'بلاگرز کو توہینِ مذہب نہیں توہینِ ریاست کے جرم میں اٹھایا گیا ہے'۔

جرمنی میں مقیم اسی گستاخ گروپ کا اہم رکن 'وقاص گورایہ' کئی مرتبہ اپنی سرپرستی کرنے والے کرنل وغیرہ کا نام لے چکا ہے۔ جب تک وہ ملعون گروپ شانِ رسالت پر حملے کرتے رہے انہیں چھوڑا گیا، لیکن جب انہوں خود اس فوج کے خلاف بولنا شروع کیا تو فوراً انہیں گرفتار کیا مگر پھر ملک سے باہر روانہ کر دیا۔ جبکہ ان کی اسلام دشمنی کی واضح مثال ہم 'جمشید خان' نامی سوشل میڈیا ایکٹوسٹ ہی کی لے سکتے ہیں۔ جن کا جرم محض عالمِ اسلام کی خبریں فیس بک پر شیئر کرنا تھا، مگر کئی سال گزرنے کے باوجود ان کی کچھ خبر نہیں، اور اس سے بھی بڑی مثال اسلام آباد کے بلاگر 'محمد بلال خان' کی ہے جن کو اسلام آباد کے سیکٹر جی نائن کے ایک جنگل میں لے جا کر خنجروں سے وار کر کے شہید کر دیا گیا کہ انہوں نے 'پیغامِ پاکستان' پر کچھ اعتراضات کیے تھے۔ گستاخان رسول کی حفاظت و سرپرستی پاکستانی فوج کا مستقل جرم ہے۔ جیسا کہ ابھی اعلیٰ سطح پر پاکستان میں قید گستاخ رسول جنید حفیظ کو رہا کروانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اہل ایمان کو چاہیے کی اس گستاخانِ رسول لابی اور ان کے فوج و خفیہ ایجنسیوں میں موجود محافظوں کو ہدف بنائیں اور ان کو ہر ممکن نقصان پہنچائیں۔ بصورتِ دیگر اس زمرے میں اپنے مجاہد بیٹوں کو معلومات ضرور پہنچائیں۔ اللہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کی توفیق دیں، آمین۔

شامی مسلمانوں کی آخری پناہ گاہ ادلب پر روسی وایرانی افواج کا شدید تر حملہ جاری، عامۃ المسلمین کا شدید مالی وجانی نقصان، ترک حکومت نے اپنے سیاہ کارناموں میں ایک اور کا اضافہ کر لیا

ماہِ دسمبر (۲۰۱۹ء) میں ہم نے ادلب کی جانب کی جا چکی دشمن کی شدید ترین پیش قدمی کی طرف توجہ دلوائی تھی جو کہ اب تک سینکڑوں اہل ایمان اور مجاہدین کا خون پی چکی ہے۔ پہلے سے ہی بشاری زیر کنٹرول علاقوں تا 'مرۃ النعمان' تمام علاقہ ہی اہل سنت کے خون سے رنگین ہے۔ شام میں موجود معتبر ذرائع کے مطابق روافض و روس کی یہ جدید یلغار شروع ہونے سے قبل ترک حکومت نے اپنے زیر اثر NSA انقلابیوں اور مجاہدین کو دھمکایا تھا کہ روس M5 ہائی وے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مزاحمت کار اسے بغیر جنگ کے ہی چھوڑ دیں تو بہتر ہو گا ورنہ روس یہ شدید بمباری اور جنگ سے حاصل کر لے گا۔ مجاہدین نے اس سے انکار کیا جس کے بعد کفار کا یہ شدید حملہ شروع ہوا۔ مرۃ النعمان عین اس مطلوبہ ہائی وے پر موجود اہل سنت کا بڑا شہر ہے۔ اس شہر اور اگلے مورچوں کے درمیان بوقت تحریر 8 کلومیٹر کا فاصلہ ہے جو ہر گزرتے لمحے کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔ شدید ترین فضائی بمباری اور توپ خانے کی شیلنگ کے باعث اہل سنت اس انتہائی سرد موسم میں شہر چھوڑ کر ترک بارڈر اور اطراف کے محفوظ علاقوں کی سمت ہجرت کر رہے ہیں۔ روسی طیارے ہجرت کرنے والے عام شہری قافلوں کو بھی بمباری کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ اس جدید جنگ کے نتیجے میں ان علاقوں میں اہلِ سنت کا دفاع کرتے ہوئے کئی مجاہدین کرام بھی شہید ہوئے ہیں جن میں بعض اعلیٰ قائدین اور جید علمائے کرام بھی شامل ہیں۔ تمام جہادی مجموعات اور انقلابیوں کی طرف سے اس موقع پر امت مسلمہ کے لیے نفیرِ عام کا اعلان کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ جب ادلب کی جانب سخت پیش قدمی جاری ہے، امت کے مجاہد بیٹے کئی مہینوں سے روافض کو کبینہ کے بلند و بالا پہاڑوں میں بھی روکے ہوئے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ امت کے دفاع ان مجاہد بیٹوں کو استقامت سے نوازیں اور انہیں توفیق دیں کہ وہ جلد از جلد دارالحکومت دمشق میں پرچمِ توحید بلند کریں۔ ترکی اس موقع پر عالمِ کفر کے لشکر میں بمقابلۂ اہل ایمان کھڑا ہے۔ جب کہ صلیب و رفض اہلیانِ ادلب پر اس شدت سے حملہ آور ہیں اور ترک نواز انقلابی گروہوں کے جنگجو روافض کے خلاف جنگ میں نہ بھیجے جانے کے خلاف سراپا احتجاج ہیں تو ایسے میں ہماری اطلاع کے مطابق ترک حکومت نے بشار کے خلاف لڑنے والے سلطان مراد بریگیڈ اور دیگر گروپس کے 800 سپاہیوں کو اضافی تنخواہ دے کر لیبیا روانہ کیا ہے جو یہاں ترک مفادات اور تنخواہ کی خاطر جنگ کریں گے۔ ان انقلابیوں کو ترکی کے غازی اینتپ ایئر پورٹ سے طیاروں میں لیبیا منتقل کیا گیا۔ واللہ المستعان علی ما تصفون!

تصحیح: پچھلی بار ہم نے ترکی کے لیبی طاغوت ہفتار سے معاہدے کا ذکر کیا تھا، یہ معاہدہ ہفتار سے نہیں بلکہ اس کے مقابل دوسری سرکش قوت 'لیبیا قومی وفاق' کے سربراہ فائز السراج سے کیا گیا تھا۔ اور اسی معاہدے کی تکمیل کے لیے یہ شامی انقلابی بشار سے جنگ کے بجائے لیبیا روانہ کیے گئے ہیں۔ ذرائع ابلاغ نے ترک حکومت اور لیبیا حکومت کا دفاعی معاہدہ ذکر کیا تھا جس پر ہم اس غلطی کا شکار ہوئے۔ فائز السراج اور ہفتار دونوں ہی لیبی حکومت کے دعویدار ہیں اور دونوں کو دنیا کی مختلف اسلام دشمن قوتیں رسمی طور پر تسلیم کرتی ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف بطور پراکسی استعمال کرتی ہیں اور درمیان میں عام مسلمان خواہ مخواہ اذیت کا شکار رہتے ہیں۔ صرف یہی نہیں ترک سرکاری ریڈیو کے مطابق ترک حکومت نے اسرائیل سے گیس کی تجارت کے معاہدے پر گفتگو کا عندیہ دیا ہے۔

اِمام المجاہدین صلی اللہ علیہ وسلم

اشعار: شیخ احسن عزیز شہید رحمہ اللہ علیہ

شہادت رُتبۂ اَولیٰ محبت کے قرینوں میں
یہ بھڑکی آگ اب اس ساری بستی کے مکینوں میں

”سراپا حُسن بن جاتا ہے جس کے حُسن کا عاشق
بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں“*

امیرِ شہر تیرے شیش محلوں سے ہمیں اچھا
وہ اک چھپّر کا حجرہ ہے، درخشاں سب نگینوں میں

وفا جس سے نبھاؤ گے ، اُسی کے ساتھ جاؤ گے
ہیں یہ خوش خبریاں محبوبِ جاںؐ کے ہم نشینوں میں

وہ سوزِ دل، وہ چشمِ تر، تڑپ دعوت کی ہر اک تک
گراں تحفے یہ اُمّت کو دیے سارے خزینوں میں

یہاں دندانِ اقدس واں مبارک خون کے قطرے
کہ ہیں جنت کے سنگِ میل اُحد کے ان دفینوں میں

کہو طائف، بدر، خندق کے رستے چھوڑ بیٹھے ہو؟
تو جنت ڈھونڈتے پھرتے ہو بولو کن زمینوں میں؟

اُنھوںؐ نے کوثر و تسنیم کے وعدے کیے جو ہیں
بھلا کیسے لگا لوں دِل ترے ان آبگینوں میں

سُلگتی ہے دعاؤں سے، ہواؤں سے نہیں بجھتی
محبت کی جو چنگاری جلی شہدا کے سینوں میں

اُحد میں حمزہؓ و مُصعبؓ کی، عبداللہؓ کی شاں دیکھو
ہیں ہیرے لعل ایسے لوگ مٹی کے دفینوں میں

عجب چاہت سے اُنؐ کے دِیں کے عاشق لائے جاتے ہیں
کہ خوشیوں کے ترانے ہیں بہشتی مہ جبینوں میں

جلا دے توبہ و انفال سے راتوں میں موجوں کو
دعائے سحر سے پھر بجلیاں بھر دے سفینوں میں

مرے ایمان کے ساتھی! یہ جاں یوں مت گنوا دینا
کہ تلواروں کے سائے ہیں تری منزل کے زینوں میں

دلوں کو اے مرے اللہ! جو ذوقِ طلب بخشا
تو اب سجدے ترے ہی نام کے ہیں اِن جبینوں میں

* یہ شعر اقبالؒ کا ہے۔

معرکوں میں فیصلہ کُن اَمر اللہ کی نصرت ہے!

’’امریکہ کے خلاف ڈٹنا، انتہائی عظیم کام ہے۔ انسانی عقل اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے دنیا بہت جلد امریکہ کی شکست اور اسلام کی فتح دیکھ لے گی۔ میری یہ پیشین گوئی یاد رکھیے!

امریکہ اور کفر کو شکست دینا، اسلحے اور ہتھیاروں کا کام نہیں ہے۔ معرکوں میں فیصلہ کن امر اللہ کی نصرت ہے اور ہم نصرتِ الٰہی کے امیدوار ہیں۔ جس طرح ابھی یہ امارت اسلامی کی شہروں سے پسپائی کی یہ پہلی تبدیلی آپ نے دیکھی، اسی طرح، اس سے تیزی کے ساتھ امریکہ کی ناکامی و شکست کی دوسری تبدیلی دنیا دیکھی گی۔ جس کام کے لیے ہم اٹھے ہیں یہ بہت عظیم کام ہے، ہماری یہ پسپائی بھی اس کا حصہ ہے۔ ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم فرشتے ہیں، ہم سے گناہ ہوئے ہوں گے۔ طالبان کے کندھوں پر بھاری ذمہ داریاں تھیں، اب اس آزمائش کے ذریعے اللہ ہمارے گناہوں کو جھاڑ رہے ہیں۔ لیکن یقین جانیے، ایک بہت بڑے انقلاب کا ہم سامنا کر رہے ہیں اور یہ انقلاب اس دشمن کے خلاف ہی ان شاء اللہ ثمر آور ہوگا۔‘‘

سوال کیا گیا کہ امریکی ’معتدل‘ طالبان کو حکومت میں شامل کریں گے تو کیا آپ مخالفت کریں گے؟ تو جواباً استہزاء فرمایا:

’’طالبان دیکھو اور ’اعتدال‘ دیکھو! طالبان میں ایسا ’معتدل‘ کوئی نہیں۔ طالبان سب معتدل ہیں، نہ ہم افراط کے قائل ہیں اور نہ تفریط کے، یہ طالبان سے ہٹ کر دوسرے تفریط والے ہیں۔ جہاں تک فاسقوں کی حکومت کی بات ہے، تو نہ پہلے ہم نے کوئی ایسی حکومت تسلیم کی ہے اور نہ آئندہ کریں گے، ہمارے لیے ایسی فاسق حکومت کو تسلیم کرنے سے موت بہتر ہے!

آج امریکہ اگر سپر پاور ہے اور طاقتوروں کی فہرست میں اس کا نام سب سے اوپر ہے تو کل یہ اس فہرست میں سب سے نیچے ہوگا! میں آپ سے کہتا ہوں کہ امریکہ ناکام و نامراد لوٹے گا، یہ میری پیشین گوئی ہے، آپ مانیں یا نہ مانیں، میری اس پیشین گوئی کو یاد ضرور رکھیں!‘‘

امیر المومنین ملا محمد عُمَر مجاہد رحمہ اللہ علیہ